اصول دین
دار الثقافة الاسلامية پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اصول دین

تدوین

ادارہ در راہ حق

ناشر

دار الثقافۃ الاسلامیۃ پاکستان

نام کتاب : اصول دین

مؤلف : ادارہ درراہ حق

ناشر : دارالثقافۃ الاسلامیہ

طبع اوّل : رجب المرجب ۱۴۲۳ھ۔ ستمبر ۲۰۰۲ء

فہرست کتاب

یہ اسباق کیوں ترتیب دیئے گئے؟

دشمنان اسلام ،مسلمان جوانوں کی اپنے مذہب سے ناواقفیت کی بنا پر بے بنیاد اور سستی باتیں نئے انداز سے جوانوں تک پہونچا رہے ہیں۔ ان کے پاک اور خالی ذہن کو طرح طرح سے اسلام سے منحرف کر رہے ہیں۔

دشمنانِ اسلام کی ان کاوشوں نے ہمیں اس بات پر آمادہ کیا کہ اعتقادی مسائل اس انداز سے مسلم جوانوں تک پہونچائیں جائیں جس سے وہ اسلام کے بنیادی مسائل سے واقف ہو جائیں اور یہ مطالب مراسلاتی طور پر ان تک پہونچائے جائیں اس لئے یہ کوشش کی کہ یہ مطالب مختصر جزوات کی صورت میں تیار کئے جائیں جن میں اختصار کے ساتھ ساتھ بھرپور اور مکمل دلیلیں، جاذبیت، کشش اور سلاست ہو تاکہ شوق سے ان جزوات کا مطالعہ کیا جاسکے۔

تقریباً دس سال پہلے یہ کام شروع ہوا کام وسیع تھا اس لئے مشکلات بھی کچھ کم نہ تھیں صبر واستقامت سے کام لیتے ہوئے ان مشکلات کا مقابلہ کیا۔ اجتماعی کام پائیدار پختہ تر اور زیادہ نتیجہ خیز ہوتا ہے اس طرح کے کام میں مشکلات اور موانع بھی کافی پیش آتے ہیں۔ خدا کا شکر کہ مشکلات پر قابو پایا موانع کو برطرف کیا اور یہ کام انجام کو پہونچا۔

۳۰ اسباق پر مشتمل اعتقادات کی ایک سیریز تیار کی. جس میں ۱۴ اسباق توحید اور عدل سے متعلق ہیں ۹، اسباق نبوت اور پیغمبر اسلام سے متعلق ہیں. پندرہ اسباق امامت، جانشینی پیغمبر اور حضرت ولی عصرؑ سے متعلق ہیں. آخر کے دو اسباق قیامت اور برزخ وغیرہ سے متعلق ہیں.

ان اسباق کی تنظیم و ترتیب میں ادارۂ در راہِ حق کی مجلس تحقیق و تصنیف کے علاوہ دوسرے علماء اور دانشور جو مختلف علوم میں مہارت رکھتے ہیں شریک رہے ہیں جن کی مؤمنانہ اور مخلصانہ کوششوں سے یہ اسباق مرتب ہوئے ہیں. جن میں عصر جدید کے عام اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے ان اسباق کی ترتیب کچھ اس طرح ہوئی ہے کہ جوان آسانی سے سمجھ سکیں اور ان مطالب کو درک کر سکیں. ان اسباق میں بنیادی اور معتبر مآخذ کے حوالے دیئے گئے ہیں اور متون پیش کئے گئے ہیں.

جن لوگوں نے اس سلسلہ میں زحمتیں برداشت کیں ہیں ان میں "استاد رضا روزبہ" مرحوم بھی تھے جو پانچ سال تک ان اسباق کے جلسوں میں شریک ہوتے رہے اور مکمل تعاون دیتے رہے خدا ان کی زحمتوں کو قبول فرمائے اور بہترین جزا عنایت فرمائے. انھوں نے اس مہم کے سر کرنے میں کافی زحمتیں برداشت کیں اور ہماری حوصلہ افزائی فرمائی. ہم ان کی خدمت میں صمیم قلب سے سپاس گذار ہیں اور ان کے افکار کو مخلصانہ سلام پیش کرتے ہیں ان کی کاوشیں ہمیشہ ثمر بار ہوتی رہیں.

۱۹۶۷ء میں جب یہ اسباق مکمل نہیں ہوئے تھے ہم نے "مراسلاتی تعلیم" کا سلسلہ شروع کیا، تاکہ اس سلسلے میں مفید افکار، سودمند نظریات، تعمیرانہ تنقید اور تجربات سے استفادہ کیا جائے. "مراسلاتی تعلیم" کا طریقہ یہ ہے جوان اسباق کے خواہشمند ہوتے ہیں ان کی خدمت میں ہر سبق ایک سوالنامہ کے ساتھ ارسال کیا جاتا ہے جب وہ اس کا جواب ارسال کرتے ہیں اس وقت دوسرا سبق اسی شرط کے ساتھ

ارسال کر دیتے ہیں۔ اگر انھیں کوئی سوال یا کوئی مشورہ دینا ہوتا ہے تو وہ بھی جواب کے ہمراہ ارسال کر دیتے ہیں۔ اس سلسلہ سے ہم نے تجربات حاصل کئے کام کے نقص پر قابو پایا اور اسباق کی تکمیل کی۔

نئے طرز سے ان اسباق کی ترتیب حقائق سے بھرپور مطالب اور ان کی جاذبیت کی بنا پر اس سلسلہ کا حیرت انگیز طور پر استقبال کیا گیا۔ تعلیم یافتہ جوانوں نے باقاعدہ حصہ لیا۔ اور خلوص سے بھرپور مذہبی جذبات کا ثبوت دیا۔

اس وقت یہ تمام اسباق ایک کتاب کی صورت میں آپ کی خدمت میں پیش کئے جا رہے ہیں۔ تاکہ اسباق کی افادیت میں اضافہ ہو سکے۔

یہ اسباق اب تک، فارسی، عربی، انگریزی، اردو اور ہندی میں شائع ہو چکے ہیں۔

امید ہے کہ ہماری یہ زحمتیں قاری کو فائدہ پہونچائیں گی اور خاص کر جوانوں کو مذہب کی طرف متوجہ اور ان کی رہنمائی کر سکیں گی۔

سلام ہو خدا کے نیکو کار اور شائستہ بندوں پر

بشکریہ ـــ درراہِ حق۔ قم۔ ایران

۱۵ شعبان ۱۳۹۵ھ

نورِ اسلام امامباڑہ۔ فیض آباد

۵ ربیع الثانی سنہ ۱۴۰۴ھ۔ جنوری سنہ ۱۹۸۴ء

پہلا سبق

تلاشِ دینِ حق

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ ان کی ذمہ داری نہیں کہ کسی دین کو تلاش کریں بلکہ ان کا کہنا ہے کہ ہمیں ضرورت ہی کیا کہ ہم دین کی تلاش میں سرگرداں ہوں؟

ہم ان حضرات کی خدمت میں اس "مختصر رسالے" کے ذریعہ تلاشِ دینِ حق کیوں ضروری ہے دو طریقوں سے پیش کرتے ہیں: ______________

(۱) دنیا کا ہر صاحبِ عقل انسان اس کو ضروری سمجھتا ہے کہ وہ احسان فراموش نہ کہلائے۔ بلکہ اس پر جتنے احسان ہوں ان کا شکر گذار ہو۔

(۲) یہ بھی ہر عقل سلیم والا کہتا نظر آتا ہے کہ ہر قسم کے خطرے اور نقصان سے اپنے کو بچانا ضروری ہے یہانتک کہ ہر امکانی خطرے سے بھی!

تفصیلات

ہم کائنات کی تمام چیزوں سے اپنی زندگی میں فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اعضائے بدن میں ہر ایک عضو دوسرے سے بڑھ کر اہمیت والا ہے۔ اس کے علاوہ سورج، چاند، درخت، ہوا، زمین کے سینے میں چھپی ہوئی نعمتیں سب کی سب وہ چیزیں ہیں جن سے آج کا انسان فائدہ اٹھا رہا ہے۔

______ اور ان تمام چیزوں سے بڑھ کر خود انسان کی عقل و استعداد کہ جس کے ذریعہ وہ پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر دیتا ہے۔ پانی ایسی چیز سے عظیم چیزوں کو چلاتا اور لوہے ایسی سخت چیز سے نازک کام انجام دیتا ہے۔

یہی وہ جگہ ہے کہ دل چاہتا ہے کہ پوچھا جائے کہ آخر ان نعمتوں کا دینے والا کون ہے؟ اور کیا اس کی تلاش ضروری ہے تاکہ اس کی بارگاہ میں شکر بجالایا جائے۔

اگر ایک رحمدل شخص ایک ایسے شیر خوار بچے کو گود لے جس کے ماں باپ کسی حادثے میں ختم ہو چکے ہوں اور پھر اس بچے کو آرام و آسائش کے ذرائع مہیا کرے یہاں تک کہ جب وہ لکھنے پڑھنے کے لائق ہو تو اچھے سے اچھے اسکول میں تعلیم دلائے پھر اپنی دولت کا ایک معقول حصہ اس کو دیدے تاکہ وہ اپنی باقی زندگی بھی آرام و سکون سے گذار سکے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس بچے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اس محسن کا پتہ چلائے اور اس کے احسانات کا شکریہ ادا کرے۔ جب یہ بات ضروری ہے تو اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ اس زندگی میں یہ ہماری بھی ذمہ داری ہے کہ اپنے ارد گرد نعمتوں کے انبار دیکھیں تو اس کے عطا کرنے والے کو تلاش کریں اور ان احسانات و نعمات کے خالق کو پہچانیں۔

عقل اسی لئے تلاشِ دینِ حق کا حکم دیتی ہے۔ وہ شخص جس نے صحیح راستہ تلاش نہ کیا بلکہ خیالات میں الجھا ہوا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ تھک کر بیٹھ نہ جائے بلکہ کسی صاف اور واضح دلیل کے ذریعہ راہِ حق اور صحیح دینِ حق کے چشمہ تک پہنچ جائے تو بڑے خشوع و خضوع اور پورے جوش و ولولے کے ساتھ اپنے خالق کی بارگاہ میں سجدۂ شکر بجالائے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ:

اگر کوئی بچہ آپ سے کہے کہ ایک بچھو آپ کی قمیص کے اندر ہے یا کسی لباس کے اندر ہے تو آپ کا پہلا ردعمل یہ ہوگا کہ آپ اچھل کر فوراً اپنی جگہ چھوڑ دیں گے اور فوراً قمیص اتار کر اس موذی جانور کو تلاش کریں گے۔ بہت غور سے ایک ایک گوشے کو دیکھیں گے یا تو بچھو مل جائے یا اس کا اطمینان ہو جائے کہ ہمارے لباس میں نہیں ہے۔

اسی طرح اگر سفر کرتے ہوئے معلوم ہو کہ اگلے اسٹیشن پر یا اگلی سڑک پر فساد ہو گیا ہے تو پھر آپ کے قدم اس کی طرف اس وقت تک نہ اٹھیں گے جب تک کہ اس کا اطمینان نہ ہو جائے کہ خطرہ ٹل چکا ہے۔

ان دونوں مثالوں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ صرف خطرے کے امکان کے وقت بھی اپنے کو محفوظ رکھنا ضروری ہے۔ اور اس کو ہر انسان خوب سمجھتا ہے ویسے اس کا امکان ہے بعض اوقات خطرہ بہت معمولی ہوتا ہے جس کی بنا پر کوئی خاص توجہ نہیں دیتا۔ وہ سوچتا ہے کہ میں بچکر نکل جاؤں گا اور نکل بھی جاتا ہے ____ لیکن ____ جس وقت کوئی بہت اہم خبر ہو شدید خطرہ ہو، ایسا خطرہ جس میں جان کا خطرہ ہو زندگی تباہ ہو جانے کی بات ہو اس وقت ____ اس وقت کوئی بھی بے اعتنائی نہیں کرتا بلکہ اپنے بچاؤ کی ہر ممکن صورت سوچتا ہے اور تلاش کرتا ہے۔

زبردست خطرہ

انسانیت کی پوری تاریخ میں بہت سی ایسی شخصیتیں آئی ہیں جو اپنی سچائی اور حقانیت میں عظیم شہرت کی حامل ہیں اور ان شخصیتوں نے خود کو اللہ کا نمائندہ بتلایا اور ہمیں اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دی اور ان کی مسلسل وپے درپے کوششوں سے دنیا کے گوشے گوشے میں ان کے ماننے اور کلمہ پڑھنے والے موجود ہیں۔ جیسے کہ حضرت موسیٰؑ، جناب عیسیٰؑ اور ہمارے پیغمبر حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

اب ہم خود اپنے آپ سے ایک بات پوچھیں کہ یہ جو الٰہی نمائندے لوگوں کو دین اور اعمالِ خیر پر عمل کی تلقین کیا کرتے تھے اور بُرے اعمال کے نتیجے میں سخت سزا سے ڈرایا کرتے تھے اور جن کا کہنا تھا کہ ایک دن بہر حال ایک عادلؑ کی بارگاہ

میں حاضری دینا ہے اور جو ہمیشہ قیامت کی مصیبتیں اور عذاب کی شدت کی طرف اشارہ کرتے تھے اور لوگوں کو ڈراتے تھے تو کیا الٰہی نمائندوں کی باتیں اس بچھو کی خبر دینے والے بچے کی خبر کے برابر بھی نہیں ہیں؟ اور جتنا خوف اس بچے کی خبر سے ہوا تھا اتنا بھی اس صادق وامین کی خبر سے نہ ہوگا۔ کیا یہ بات صحیح ہے کہ ہم ان الٰہی نمائندوں کی باتوں کو کوئی اہمیت نہ دیں جنھوں نے اپنے عمل سے اور مستحکم کردار سے اپنی سچائی وحقانیت کو واضح کر دیا؟ جبکہ وہ آپ اپنے عقیدے اور ایمان پر اس سختی سے قائم تھے کہ اپنی جان کی بھی پرواہ نہیں کرتے تھے بلکہ بڑی سے بڑی قربانی دیتے نظر آئے۔

یہاں پہونچکر یہ بات تو دل میں اتر ہی جاتی ہے کہ ان صادق وامین الٰہی نمائندوں کی باتیں اگر یقین نہیں دلاتیں تو کم از کم یہ بات ذہن میں آ ہی جاتی ہے کہ "ممکن ہے کہ یہ بات صحیح ہو"۔ پس اگر یہ بات صحیح ہے تو پھر ہماری ذمہ داری کیا ہے؟ کل خداوند عادل کی بارگاہ میں ہمارے پاس کیا جواب ہوگا؟ یہی وہ جگہ ہے جہاں عقل انسان یہ کہنے پر مجبور ہے کہ اپنے کو ہر امکانی "خطرے سے بچاؤ" اور دین کی طرف متوجہ ہو جاؤ! اور یہ صرف آخرت کی بات نہیں۔ وہ الٰہی نمائندے لوگوں کو ایک اچھی صحیح سالم زندگی کی طرف دعوت دیتے ہیں ایک خوشحال معاشرہ ایک ترقی یافتہ تہذیب اور ایک کامل اخلاق کی دعوت دیتے نظر آتے ہیں اور وہ یہ بھی کہتے نظر آتے ہیں کہ مرنے کے بعد ایک عظیم دنیا اور ابدی نعمتیں عملِ صالح کرنے والوں کی منتظر ہیں۔ اور وہی خبر دیتے ہیں کہ وہاں سکون واطمینان کی زندگی ہوگی۔ وہاں غم پریشانیاں بیماریاں اور دوسری مصیبتوں کا گذر نہ ہوگا ——— تو کیا کسی کی عقل یہ کہتی ہے کہ ان تمام باتوں کو سننے کے بعد اس سے چشم پوشی کرے؟ ——— کیا یہ ضروری نہیں ہے کہ جن چیزوں کی خبر الٰہی نمائندوں نے دی ہے۔ اور جن چیزوں سے ڈرایا ہے اس کو اہمیت دیں اور تلاش دین حق میں مصروف ہوں اور کچھ اس کے لئے بھی سوچیں!

دوسرا سبق

غیر مرئی چیزوں پر غور کیجئے

جس وقت ہماری نظر ایک خوبصورت اور پر شکوہ عمارت پر پڑتی ہے تو اس بات کا احساس بہرحال ہر ایک کو ہوتا ہے کہ اس کا بنانے والا انجینئر یا معمار کتنا فنکار رہا ہوگا اور کیسا ماہر یعنی عمارت کی خوبصورتی اور جاذبیت سے اس کے بنانے والے کی فنکاریت کا پتہ مل جاتا ہے، اسی طرح موٹر، ریل، ہوائی جہاز، راکٹ، کمپیوٹر غرض ہر شے اور عجیب وغریب چیز دیکھ کر ہم اس کے موجد اور بنانے والے کی مہارت کے قائل ہو جاتے ہیں۔ اور میرا خیال تو یہ ہے کہ ہم میں سے کسی ایک نے بھی ان تمام چیزوں کے بنانے والوں میں سے کسی ایک کو بھی نہ دیکھا ہوگا۔ کیوں کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ ہم موجد کو خود بھی دیکھیں اور اگر فرض بھی کیجئے کہ ان موجدوں میں سے کسی ایک کو دیکھ لیا ہوتا تو ہم انکی فنکاریت اور مہارت کا اندازہ ان کو دیکھ کر بھی نہیں لگا سکتے تھے بلکہ اس کا اندازہ تو صرف ان کی بنائی ہوئی چیزوں سے ہوتا ہے۔

تو اگرچہ ہم نے موجدوں کو نہیں دیکھا مگر ہم سب کو یقین ہے کہ جو اس کے بنانے والے تھے وہ اپنے کام میں ایسے ماہر تھے۔ کیوں یہ یقین ہے؟ اس لئے کہ ان کی بنائی ہوئی چیزوں پر جب غور کرتے ہیں تو ہم کو تعجب ہوتا ہے اور اس کی اہمیت ہمارے سامنے واضح ہو جاتی ہے تو معلوم ہوا کسی چیز پر یقین کرنے کے لئے یا کسی چیز کے معلوم ہونے کے لئے خود اس کا "دیکھنا" ضروری نہیں ہے۔

آصف الدولہ کا امامباڑہ جب تک لکھنؤ میں باقی ہے لوگوں کو آصف الدولہ

کی یاد دلاتا رہے گا اور ہر ایک دیکھ کر جانے والا اس یقین کے ساتھ واپس جائے گا کہ کبھی یہاں ایک شاہی حکومت تھی اور اس کے سربراہ آصف الدولہ تھے اس وقت انھوں نے یہ اماباڑہ بنوایا تھا اگر کوئی کہے کہ آصف الدولہ کو حکومت ملی ہی نہیں بلکہ وہ تو بمبئی ہی میں مر گئے تھے ان کے بجائے حکومت تو فلاں کو ملی تھی تو صرف اس اماباڑہ کو دیکھنے والا کہہ اٹھے گا کہ جی نہیں۔ آصف الدولہ نے حکومت کی ہے۔ اور وہ دلیل کے طور پر کہے گا "ابھی تک ان کی یادگار اماباڑہ موجود ہے۔ اثر موثر کے وجود کیلئے کافی ہے خود اس کو دیکھنے کی ضرورت نہیں اور اس وقت کوئی بھی نہیں کہے گا جب آپ نے خود آصف الدولہ کو نہیں دیکھا تو آپ کو یقین کیسے ؟۔

تو معلوم ہوا کہ تمام موجوداتِ دنیا کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں :۔

(۱) وہ چیزیں جن کو ہم اپنے ظاہری حواس (یعنی آنکھ، کان، ناک، ہاتھ وغیرہ) کے ذریعہ سے درک کر سکتے ہیں جیسے آنکھ سے تاج محل کو دیکھتے ہیں کان سے اچھی آواز کو سنتے ہیں ناک سے بدبو یا خوشبو کا اندازہ لگا سکتے ہیں زبان سے تلخ و شیریں کا پتہ چلاتے ہیں بدن کے اتصال سے گرمی یا سردی کا پتہ چلاتے ہیں۔

(۲) وہ چیزیں جن کا ان حواس ظاہرہ سے اندازہ نہیں ہو سکتا لیکن غور و فکر اور آثار و حالات سے ان کے بارے میں پتہ چلا لیتے ہیں۔ اگرچہ ان چیزوں کے آثار و حالات بھی ایک طرح کے نہیں ہوتے۔ کبھی وہ حالات مادی ہوتے ہیں اور کبھی غیر مادی، چنانچہ اس کی چند مثالیں بھی ملاحظہ ہوں:۔

مقناطیس

اگر مقناطیس کسی لوہے کو کھینچ رہا ہو تو ہم اس کشش کا اپنے ظاہری حواس سے اندازہ نہیں لگا سکتے بلکہ لوہے کو کھینچتے دیکھ کر فیصلہ کرتے ہیں کہ دوسرے ٹکڑے میں ہرگز کشش ہے جس کی بنا پر یہ

اس کو کھینچ رہا ہے۔ آج تک کسی نے بھی کشش کو نہیں دیکھا لیکن مقناطیس کی کشش کا یقین ہر شخص کو ہے!

جاذبہ (کشش)

کسی بھی چیز کو اگر آپ اپنے ہاتھ میں لیکر چھوڑ دیجئے تو وہ فوراً نیچے گر جائے گی یعنی زمین اسکو اپنی طرف کھینچ لے گی۔ یہ کون سی قوت ہے جس کو آج تک کسی نے بھی دیکھا نہیں ہے لیکن اس کے "اثر" سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔

غیر مرئی شعاعیں

بچوں کے ہاتھوں میں اکثر دیکھا جاتا ہے کہ شیشہ کا کوئی تکونہ ٹکڑا لئے سورج کی روشنی کو اس میں دیکھتے ہیں تو ان کو سات رنگ نظر آتے ہیں۔ جن کے لئے کہا جاتا ہے کہ وہ سرخ، نارنجی، زرد، ہرا، نیلا، آسمانی، بنفشی، اس کے علاوہ اور کوئی منظر نظر نہیں آتا جبکہ سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ اگرچہ ہماری آنکھ کوئی اور رنگ نہیں دیکھتی لیکن اس کے علاوہ بھی نور و رنگ ہے جو خود اپنا اثر بھی رکھتا ہے اور اس کا نام سرخ سے کمتر اور بنفشی سے کمتر رکھا گیا ہے۔

سنہ ۱۸۰۰ء میں ایک ماہر فیزیک اور فلکیات جس کا نام "ہرشل" تھا۔ اس نے سوچا کہ آیا جو رنگ ہم آنکھوں سے دیکھتے ہیں ان کے علاوہ بھی کوئی رنگ و نور ہے یا نہیں اس تجربہ کے لئے اس نے پردے پر ان ساتوں رنگوں کو منعکس کیا اور بار بار ان کی جگہ بدلتا تھا اور ہر ایک کے رنگ و اثر پر غور کر رہا تھا یہاں تک کہ اسے اندازہ ہوا کہ سرخ رنگ کے بعد بھی حرارت بتانے والا آلہ گرمی کا ریکارڈ کر رہا ہے اس سے پتہ چلا کہ سرخ رنگ کے علاوہ بھی کوئی نہ دکھائی دینے والا نور ہے۔

اسی زمانے میں ایک دوسرے ماہر فلکیات "ولسٹون" نے تھوڑی سی "کلروز

نقرہ،، (جو ایک کیمیائی مادہ ہے) لیکر بنفشی رنگ کے بعد رکھا اور خلاف توقع اسے پتہ چلا کہ جہاں پر اس کو کوئی نور نگ نظر نہیں آرہا تھا وہاں کوئی موثر ہے جس نے اس کو سیاہ بنا دیا ہے۔

اس کے بہت بعد پتہ چلا کہ انسانی جلد کا رنگ جو دھوپ سے سیاہ ہو جاتا ہے اس کی وجہ بھی یہی موثر ہے جس کو ابھی تک دیکھا نہیں جا سکا۔ ؎۱

اس کے بعد یہ بات طے پا گئی کہ بنفشی رنگ کے بعد بھی شعاع موجود ہے جسے دیکھا نہیں جا سکتا اس کا نام ”بنفشی“ سے کم رکھا گیا۔ یا ماورائے بنفشی۔

عقل

ہم سب خود کو پہچانتے ہیں یعنی یہ سمجھتے ہیں کہ ”ہم ہیں“ اور اسی طرح بہت سی دوسری اجنبی چیزوں کو بھی محسوس کر لیتے ہیں جس کو اکثر ہم اس طرح کہتے ہیں کہ ”آج ہم نے ایک بہت بڑے مسئلے کو حل کر لیا یا فلاں تھیوری (THEORY) کے بارے میں آج میں نے بہت سوچا اور میری سمجھ میں یہ بات آئی کہ یہ صحیح ہے۔

اسی طرح ہر انسان جن چیزوں کو جانتا ہے ان کے بارے میں جانتا ہے کہ ان سے واقف ہے عقل کوئی دیکھنے کی چیز نہیں ہے اور نہ سننے اور نہ سونگھنے والی چیز! بلکہ واقعی ایک غیر محسوس چیز ہے لیکن پھر بھی ہم اس کو محسوس کر لیتے ہیں۔ جیسے کوئی حساب کا ماہر کسی مسئلہ کو بتا رہا ہو تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اس مسئلہ کو جانتا ہے یا اگر آپ اس ماہر سے سوال کریں کہ آپ حساب کے قواعد سے آگاہ ہیں تو وہ حیرت سے دیکھ کر کہے گا کہ ”بے خبر نہیں ہوں“ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسے اپنے علم کا اندازہ ہے۔

؎۱ UNDOR SLAUDING A LIGHT BY TAMANHARUM RPILLENEN

خیالات کی دنیا

انسان اپنے ذہن میں جس چیز کی تصویر چاہے بنا سکتا ہے۔ مثلاً تاج محل، آصف الدولہ کا امامباڑہ کہ جس کو اگر واقعی بنایا جائے تو لاکھوں کا خرچ اور ایک مدت مدید کی ضرورت ہے لیکن ذہن انسانی میں اس تاج محل کی صورت ایک سکنڈ کے ہزارویں حصے میں تیار ہو سکتی ہے بلکہ اگر انسان کا دل چاہے تو اس کو خود تاج محل سے بھی اچھا بنا سکتا ہے۔

اس کے علاوہ ذہن انسانی ایسی چیزوں کی شکل بھی بنا سکتا ہے جس کا دور دور تک اس خارجی دنیا میں پتہ نہیں ہے جیسے ایک ایسا انسان جس کے ہزار پیر ہوں لیکن ہمارے ذہن کے اس موجود سے دنیا کی کوئی فرد واقف نہیں ہو سکتی جب تک ہم خود اس کو نہ بتائیں۔

دوستی و دشمنی، عزم و ارادہ

دنیا کا ہر انسان بعض چیزوں کو پسند کرتا ہے اور بعض چیزوں کو ناپسند کرتا ہے۔ اس طرح دنیا کے ہر کام کے لئے ایک مکمل عزم و ارادہ کی ضرورت ہے جسے وہ اچھا سمجھتا ہے اس کا ارادہ کرتا ہے۔ جسے ناپسند قرار دیتا ہے اس کے بارے میں طے کرتا ہے کہ اسے نہیں کرے گا۔

دنیا کی کوئی طاقت انسان کی پسند و ناپسند، عزم و ارادہ کا پتہ نہیں لگا سکتی مگر انسان کی رفتار و گفتار سے یعنی آثار سے۔ کیونکہ پسند و ناپسند، عزم و ارادہ دیکھنے اور سننے والی چیزوں میں سے نہیں ہے کہ جسے ہم انداز کر سکیں۔

زندگی و موت

آپ کے گھر میں ایک بلی کا خوبصورت بچہ موجود ہے گھر کے تمام بچے اس سے کھیلتے ہیں ایک دن وہ کنویں میں گر جاتا ہے اور جب تک اس کو نکالا جاتے وہ "مر" جاتا ہے۔ باہر نکلنے

کے بعد یہ وہی بچہ ہے یقیناً یہ وہی ہے لیکن نہ اب کھیلتا ہے نہ دوڑتا ہے نہ کھاتا ہے اور نہ پیتا ہے جبکہ ظاہری طور سے اس میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی ہے۔ جو چیز کم بھی ہوئی اس کو نہیں دیکھا بس نہ کھیلنے اور نہ کھانے سے اور اس کے بے جان ہونے سے ہم نے سمجھا کہ جو قوت زندگی اس میں تھی وہ ختم ہو گئی یعنی آثار سے ہم نے زندگی اور موت کو پہچانا۔

غرض آج کے علوم نے یہ بات بہت واضح کر دی ہے کہ بہت سی ایسی چیزیں جن کو ہم اپنے ظاہری حواس سے دیکھ نہیں سکتے لیکن آثار سے محسوس کر سکتے ہیں ان تمام باتوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ بات بالکل ہی غلط ہے کہ جس چیز کو ہم دیکھ نہ سکیں اس کے وجود سے انکار کر دیں کیونکہ دکھائی نہ دینا اور بات ہے اور نہ ہونا اور بات ہے اور کسی چیز کے بارے میں پتہ چلانے کے لئے صرف حواس ظاہری ہی نہیں ہیں بلکہ عقل بھی اکثر یہ کام کرتی ہے کہ آثار وغیرہ سے بہت سی چیزوں کا پتہ چلاتی ہے جیسے کہ بہت سے سائنس کے مسلمہ اصول جو کسی کے نزدیک بھی قابلِ تردید نہیں۔!

میں یہ نہیں کہنا چاہتا کہ خدا بھی انھیں نہ دکھائی دینے والی چیزوں کی طرح ہے کیونکہ خدا ایک واقعی چیز ہے وہ ان تمام چیزوں سے بہت عظیم ہے وہ بے مثال بے نظیر ہے۔ بلکہ کہنے کا مطلب صرف اتنا ہے کہ جس طرح ان چیزوں کو آثار کے ذریعہ پہچانتے ہیں۔ اسی طرح آثار کے ذریعہ خدا کو بھی پہچانا جا سکتا ہے۔

وہ لوگ جو صرف ظاہری آنکھوں سے خدا کو تلاش کرتے ہیں اور جب دکھائی نہیں دیتا تو کہتے نظر آتے ہیں کہ ہم نے تلاش کر ڈالا ہم کو کہیں خدا نظر نہیں آیا۔ لہٰذا خدا نہیں ہے ایسے لوگ عقل کی آنکھوں سے معذور کہے جانے کے مستحق ہیں۔ کیونکہ یہ بات طے پا چکی ہے کہ خدا کے آثار اُس کی مخلوقات میں اتنے واضح اور زیادہ

ہیں کہ اس سے خدا کو پہچانا جا سکتا ہے۔

دل کے دریچے کھولو اس وقت قدرت خدا نظر آئے گی بلکہ دنیا کی ہر چیز خدا کے وجود کی مستقل دلیل ہے۔ ہر شے میں جلوہ ہے تیری قدرت کا ___ حیراں ہوں کہ ان آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں۔

اور اس بات سے ایک اور بات سامنے آتی ہے کہ علاوہ اس کے کہ دنیا کی ہر چیز سے اللہ کی طرف ہدایت ہوتی ہے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ساری کائنات اسی کے آثار میں سے ہے اور اس کا تعلق سب سے ہے اور کسی ایک سے مخصوص نہیں۔ ہر ہر چیز میں اس کا اثر واضح ہے تو یقیناً وہ خود سب سے الگ ہے اور بے مثل و بے نظیر چیز ہے بلکہ وہ لامحدود وجود ہے جس میں سارے کمالات جمع ہیں اور تمام نقائص ناپید!

تو ہم آثار الٰہی کے مطالعہ سے دو چیزوں کا پتہ چلاتے ہیں: ___

(۱) اللہ کا وجود کیونکہ تمام دنیا اس کے اثر سے ہے۔

(۲) چونکہ اس کے آثار نا محدود ہیں ہمیں خبر ہی نہیں کہ اس کی یہ کائنات کہاں تک ہے اور اس کے علاوہ کیا کیا ہے۔ تو پھر وہ خود بھی لامحدود ہے۔

امام رضا علیہ السلام کے غلام محمد بن عبد اللہ کا کہنا ہے کہ ایک دفعہ کچھ لوگ امام کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں ایک شخص جو خدا کے وجود کا انکار کرتا تھا وارد ہوا امام نے اس سے فرمایا:-

جیسا کہ تم کہتے ہو خدا، پیغمبر، قیامت، حساب، کتاب کچھ نہیں ہے۔ تو کیا یہ ہماری نمازیں، روزے، خمس، زکوٰۃ ہم کو کوئی نقصان پہونچائیں گے؟

وہ شخص چپ رہا۔

تو امام نے فرمایا یعنی بہرحال یہ نقصان نہیں پہونچائیں گے۔ لیکن اگر واقعی

بات ویسی ہی ہوئی جیسا ہم کہتے ہیں کہ خدا ہے دین ہے قیامت اور روزِ حساب ہے تو اس وقت تمہاری کیا حالت ہوگی؟

(یہ بات واضح ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ اگر صرف اس بات کا امکان ہو کہ فلاں چیز نہ کرنے سے نقصان ہوگا تو اس کو بہر حال انجام دینا چاہیئے تاکہ نقصان نہ اٹھائے)

تب اس شخص نے پوچھا جس خدا کیلئے آپ کہتے ہیں وہ کیسا ہے اور کہاں ہے؟

امام نے فرمایا تمہارا سوال غلط ہے۔ کیونکہ خود بجائے اس کے کہ صاحبِ مکان ہوتا اس نے خود مکان کو خلق کیا ہے اس کے لئے کہاں کا کیا سوال؟ اور کیسا بھی اس کے لئے کہنا غلط ہے کیونکہ ساری کیفیتیں تو خود اس نے خلق کی ہیں تو کیسا ہونے کا کیا سوال؟ خدا کو اس طرح نہیں پہچانا جا سکتا خدا حواس سے نہیں سمجھا جا سکتا اس کا مقابلہ کسی چیز سے نہیں کیا جا سکتا ____ تو اس شخص نے کہا اگر حواس سے سمجھ میں نہیں آتا تو پھر خدا کوئی چیز نہیں ہے۔

امام نے فرمایا خدا تیری ہدایت کرے عقل کے اعتبار سے کتنے پیچھے ہو صرف اس بنا پر کہ حواسِ ظاہری سے اس کو سمجھ نہ سکے اس لئے انکار کر بیٹھے ہم تو صرف اس بنا پر اس کو اپنا خدا مانتے ہیں کہ ہم اس کے سمجھنے سے بھی عاجز ہیں اور جب وہ اتنی اہم چیز ہے تو اس کے علاوہ کوئی ہمارا خالق نہیں ہو سکتا۔

پھر اس نے کہا خدا کس زمانے میں تھا؟

آپ نے ارشاد فرمایا یہ بتا کہ خدا کس زمانے میں نہ تھا تاکہ میں بتاؤں کہ اس زمانے میں بھی تھا خدا تو ہر زمانے میں تھا ____ کیونکہ خود زمانے کا خلق کرنے والا بھی وہی ہے۔

پھر اس نے کہا کہ خدا کے وجود کی دلیل کیا ہے؟

امام نے فرمایا۔ جب کبھی ہم اپنے بدن کے بارے میں سوچتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ ہم اس کے طول و عرض میں نہ زیادتی کر سکتے ہیں نہ کمی اور اسی طرح رنج وغم اور خوشی و مسرت میں بھی اپنا اختیار نہیں (بلکہ کبھی ایک چیز مثلاً بیماری سے نجات چاہتا ہوں نجات حاصل نہیں کر پاتا) اس سے سمجھتا ہوں کہ ضرور کوئی دوسرا ہے جو اس بدن کے نظام کو ٹھیک کرتا ہے۔ ورنہ بظاہر یہ چیز تو ہماری ہے مگر ہمارے اختیار میں نہیں کسی اور کا اختیار اس پر ہے۔ اسی طرح نظامِ شمسی ستارے، زمین آسمان بلکہ پوری کائنات کا محافظ و پروردگار ہے جو سب کچھ جاننے والا ہے اور قدرت والا بھی ہے[1]۔

---

[1] اصول کافی جلد اول صفحہ ، ، تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ

تیسرا سبق

نظم کائنات

اس دنیا میں چھوٹے سے چھوٹے ذرہ سے لیکر بڑے سے بڑے سیارہ تک جس کو بھی دیکھو جس پر بھی غور کرو ایک مکمل نظام اور ایک پیچیدہ انتظام دکھائی دیتا ہے اور بعض اوقات یہی نظام کی پیچیدگی بڑے بڑے سائنسدانوں کو عجیب قسم کا سرور و کیف بخشتی ہے۔

سیسل بوئیس ہمین (CECIL BOYES HAMANN) کا کہنا ہے کہ جس وقت میں پانی کے ایک قطرہ کو خوردبین میں رکھ کر دیکھتا ہوں یا جس وقت دور ترین ستارہ کو دوربین کی نگاہ سے دیکھتا ہوں تو یہ کام مجھے سخت حیرت میں ڈال دیتا ہے۔

ایک ایسا مستحکم نظام نظر آتا ہے کہ اس کی بنیاد پر ہونے والے ہر واقعہ کی خبر مسلم اصول کے تحت پہلے سے دی جا سکتی ہے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے کہ مسلمہ اصول کے تحت تمام نظام قائم ہو اور ہم جو تحقیقات کیا کرتے ہیں وہ بھی صرف اسی اصول کی بنا پر ورنہ سارے تجربے بیکار ہو جائیں۔

یہ زمین جس پر ہم رہتے ہیں اس کی لمبائی چوڑائی سورج سے نزدیکی و دوری اس کی حرکت و سکون اتنے مکمل نظام پر چل رہے ہیں کہ انسان اسی پر زندہ ہے ورنہ اگر یہ ذرا اپنی حرکت تغیر کر دے یا سورج سے دور یا نزدیک ہو جائے تو ساری حیات انسانی موت و زیست کے شکنجہ میں آ جائے۔

فضا، کرۂ ہوا

جو مختلف گیسوں کا مجموعہ ہے اور وہ اتنا ضخیم ہے کہ ایک ڈھال کی طرح زمین کو کروڑوں شہابوں سے جو پچاس کیلومیٹر فی سکنڈ کی رفتار سے زمین کی طرف آتے ہیں اپنے سینے پر روک کر ختم کر دیتا ہے۔

درجۂ حرارت کی کمی اور زیادتی بھی اس کرۂ ہوا کے ذمہ ہے کہ نہ اتنی زیادہ ہونے پائے کہ جل کر خاک ہو جائے نہ اتنی کم کہ منجمد ہو جانا پڑے۔

سمندروں سے بھاپ نکل کر زمین کو سیراب کرے یہ ذمہ داری بھی کرۂ ہوا کے ذمہ ہے اور اگر یہ کرۂ ہوا اس ذمہ داری کو پورا نہ کرے تو زمین ایسی خشک ہو جائے کہ نہ درخت و کھیتیاں لہلہا پائیں اور نہ انسان زندہ رہ پائے۔

کیوں زیادہ دور جائیے ہر چیز سے زیادہ قریب خود ہمارا وجود ہے۔ انسان کے وجود میں ہزاروں راز ہیں کہ سائنسداں حضرات مدتوں سے اس محدود انسان کا مطالعہ کر رہے ہیں مگر ابھی تک تمام چیزوں کا اندازہ ان کی خوبیوں کے ساتھ نہیں کر سکتے ہیں۔

ڈاکٹر الکیس کارل نے مدتوں مطالعہ کے بعد ایک کتاب L_HOMME CETINCONNES لکھی اور اس میں اس بات کا اعتراف کیا کہ ابھی تک زیست شناسی... بیالوجی... اور دوسرے علوم اس بات کا اندازہ نہیں لگا سکے کہ انسان کے بدن میں نہ معلوم کتنے مسائل ہیں جو ابھی تک سربستہ ہیں۔

ایک مختصر سی عجیب و غریب خاصیت پر توجہ فرمائیے۔ انسان کا بدن ایک عمارت کی طرح مختلف اجزاء سے بنا ہے۔ جس کو غدود کا نام دیا گیا ہے۔ جو خود اپنی جگہ پر ایک زندہ چیز ہے۔ یہ زندہ رہتا ہے۔ کھاتا ہے۔ پیتا ہے، ہضم کرتا ہے،

غرض تمام کام انجام دیتے ہوئے اپنا مثل بھی بناتا ہے۔

اس کے سلس اکثر دھاتوں سے بنتے ہیں، مثلاً لوہا تانبا کیلشیم یہ دھات کی طرح چیزوں سے جیسے آکسیجن، ہیڈروجن ازٹ وغیرہ۔

یہ غدود معمولی انسان کے بدن میں تقریباً ۱کھرب ہوتے ہیں اور لطف یہ ہے کہ تمام غدود آپس میں مل جل کر کام کرتے ہیں سب کے سب ایک مقصد کے تحت حرکت کرتے نظر آتے ہیں۔ یہ بہت کمزور اور ناتواں اور "زودرنج" ہوتے ہیں ان کو مسلسل ان کی غذا ملتی رہنی چاہیئے۔

اس کام کو خون دل کی مدد سے خود کرتا رہتا ہے۔ دل کی دنیا عجیب دنیا ہے اتنی مکمل اور آراستہ و پیراستہ ہے کہ وہ مرکز ہی سے رگوں اور نسوں کے ذریعہ پورے بدن میں خون پہونچاتی ہے۔

خون غذا کو ان غدود تک پہونچاتا ہے اور جو زہریلے اثرات ان غدود میں پیدا ہو جاتے ہیں ان کو لے کر واپس وادیٔ قلب میں داخل ہوتا ہے۔ دل اس کو فوراً صفائی کے محکمہ میں ڈال کر پھر اس کو صاف خون میں بدلوا لیتا ہے اور فوراً پھر روانہ کر دیتا ہے اور وہ پھر نئے جوش سے ایک ایک غدود کو اس کی غذا دینے کیلئے روانہ ہو جاتا ہے۔ اور یہ کام ایسا مسلسل ہوتا رہتا ہے کہ کبھی خون رکتا نہیں۔

جب جگر سے گذر ہوتا ہے تو دوسرے جو کہ زہریلے اجزاء ہوتے ہیں ان کو وہاں ختم کر دیا جاتا ہے تاکہ کبھی بھی نظام بدن میں کوئی خلل واقع نہ ہونے پائے۔ آیا خون کی اس طرح گردش اور غدود تک غذا پہونچانا اور اس سے زہریلے مادہ کا اثر واپس آنا اور پھر دل کے صفائی والے شعبہ میں لیجا کر صاف کرنا اور پھر واپس لوٹانا یہ ان عجیب و غریب نظاموں میں سے ہے جس نے آج کے بڑے بڑے سائنسدان

کو متحیر کر دیا ہے۔ خود اس بات کا پتہ نہیں چلتا کہ یہ مستحکم و مکمل نظام کے تحت کام ہو رہا ہے۔ تو اگر اس بدن کو ایک پر اسرار اور پھر اس کو بے انتہا منظم کہیں تو یہ کوئی مبالغہ آمیز بات ہے ؟

نہیں بے شک نہیں !

یہ جان کر بہر حال اعتراف کرنا چاہیئے زندگی کی دنیا ایک نظام و دستور خاص پر رواں دواں ہے اور یہ طے شدہ ہے کہ کوئی نظام و دستور خود بخود نہیں ہوتا ہے اس کے پس پردہ کوئی نہ کوئی جاننے والا. قدرت رکھنے والا ہوتا ہے۔ اس کی تفصیل آپ کو اگلے سبق میں بھی ملے گی۔

چوتھا سبق

نظم و ضبط کا نغمہ کہاں سے آیا

آج کا انسان اکثر اپنے بڑے بڑے اور مشکل کاموں کو کسی مشین کے ذریعہ انجام دیتا ہے تازہ ترین ایجادات ہی میں ایک چیز "کمپیوٹر" ہے جس کے کارناموں سے کچھ نہ کچھ آپ ضرور واقف ہوں گے مثلاً ایک "کمپیوٹر" ایک پرانے مریض کے حالات پوری تفصیلات کے ساتھ کہ دس سال کے عرصہ میں اس کی حالت کیسی کیسی رہی۔ یہ کام صرف چند منٹ کے اندر ڈاکٹر کو بتا سکتا ہے بلکہ بعض اوقات تو وہ ضروری دوا تجویز کر کے مریض کو اطلاع دے سکتا ہے کہ فلاں دوا فلاں مریض کو دو اسی طرح پورے پورے کارخانے کا انتظام سنبھال سکتا ہے آج کے دور میں بہت سے کارخانے اسی کے ذریعہ چل رہے ہیں[1] ____ آیا یہ بات ممکن ہے کہ مشین اتفاق سے بن گئی ہو اور کوئی اس کا بنانے والا نہ ہو؟ یا اس کا اتنا باریک پن اس کے بنانے والے کی مہارت کی دلیل ہے؟ یقیناً جو شخص بھی اس مشین کو دیکھے گا یا اس کے بارے میں سنے گا فوراً اس کے بنانے والے کے بارے میں سوچے گا کہ کتنا زبردست عالم تھا وہ!

آٹومیٹک باورچی خانہ

اوربس (ORBIC) ایسی ایک مشین ایجاد کی گئی ہے۔ جو ایک گھنٹہ میں بہترین کھانے تیار کرے اور ایک ہزار آدمیوں کی دعوت کر سکتی ہے اور بعض ملکوں میں ان مشینوں سے راستوں کے ہوٹل میں کام لیا جاتا ہے اس مشین

[1] ماہنامہ دانشمند ۱۹۶۶ء

کا کام ۲۰ ماہر باورچیوں کے برابر ہے۔

جس وقت آپ کی موٹر ہوٹل کے پاس پہونچتی ہے گاڑی پارک کرتے ہیں ایک مخصوص لاؤڈ اسپیکر سے ایک آواز آئے گی کیا نوش فرمائیں گے؟

آپ نے مختلف چیزوں کی فرمائش کی۔ تقریباً آٹھ منٹ اور گیارہ سکنڈ کے بعد ایک بیرا آپ کے آرڈر کے مطابق چیزیں لیکر حاضر ہوگا۔

آٹومیٹک باورچی خانے کا طریقہ کار

جس وقت آپ نے بٹن دبایا۔ "اورس" میں ایک بلب جل جاتا ہے اور جب آپ نے اپنی فرمائش بتائی وہ آدمی جو اس مشین پر بیٹھا ہے وہ ایک خاص بٹن کو دبائے گا یہ مشین فوراً کام کرنے میں لگ جاتی ہے۔ مثلاً آپ نے سینڈوچ کی فرمائش کی تھی تو اب ایک چھری خود بخود ڈبل روٹی کے ٹکڑے کاٹنا شروع کر دے گی اور اسی لمحہ تھوڑا گوشت سکنے کے لئے اپنی جگہ پہنچ جائے گا جو کہ چار منٹ اور گیارہ سکنڈ میں کباب بنکر تیار ہو جائے گا۔ اور توس جہاں رکھا ہوا ہے وہاں سے جائے گا۔ اور پھر رفتہ رفتہ سینڈوچ کے تمام اجزا اپنی اپنی جگہوں سے روٹی تک پہونچ جائیں گے اور پھر پورا سینڈوچ تیار ہو کر نایلون کی تھیلی میں پہونچ جائے گا اور پھر بند ہو کر آپ کی خدمت میں روانہ ہوگا[1]

سوچنے کی بات ہے کہ کیا یہ "اورس" مشین بغیر کسی موجد کے بن گئی اور یہ خود بخود اتفاق سے وجود میں آگئی حالات وزمانہ کی گردش نے ان تمام چیزوں کو یکجا کرکے اس مشین کی صورت میں کر دیا ہے؟

اس میں کسی کو دماغ سوزی کی ضرورت نہیں پڑی۔ یا یقیناً چند ذہین اور پڑھے

---

[1] ماہنامہ دانشمند چوتھا سال۔ شمارہ ۱۰

لکھے اشخاص نے سخت محنت اور توجہ سے اسے بنایا ہے۔

یقیناً یہ انتظام و ترتیب جو آپ نے اوپر پڑھی یہ کسی کی کوشش کا نتیجہ ہے۔ اور اس نے بہت ہی باریک بینی سے تمام چیزیں سٹ کی ہیں کہ ہر چیز اپنے وقت پر تیار ہو جاتی ہے ورنہ ایسی عجیب و غریب مشین ایجاد نہو پاتی۔

یہیں سے پتہ چلتا ہے کہ نظم و ترتیب اور ہر چیز کا اپنے وقت پر تیار ہو جانا ان کے پردے میں کسی عالم و قادر کا ہونا ضروری ــــــ ورنہ اتفاق زمانہ کی گردش کبھی بھی اتنی اہلیت نہیں رکھتے کہ ایسی ترتیب و تنظیم کو وجود میں لے آئیں جس طرح سے ٹھنڈے پانی سے جلا دینے کی توقع بیجا ہے اسی طرح اتفاق سے تنظیم و ترتیب کی توقع بیکار ہے۔

اسی لئے یہ نظام و ترتیب جو ذہن انسانی میں، اعصاب میں بلکہ پورے اجزائے بدن بلکہ پوری کائنات میں ہر جگہ دکھائی دیتا ہے یہ خود ایک مستقل دلیل ہے اس بات کی کہ اس کے پردے میں کوئی "جاننے والا" اور "قدرت والا" موجود ہے۔ ہم جتنا زیادہ دنیا کے عجائب میں چھان بین کریں گے اس خالق کی عظمت میں اضافہ ہی ہوتا نظر آئے گا۔ کیا کوئی سمجھدار کہہ سکتا ہے کہ ایک کمپیوٹر کے مقابلہ میں ذہن انسانی کی اہمیت کم ہے۔؟

ایسا ہرگز نہیں!

کیونکہ اس ذہن انسانی ہی نے تو اس کمپیوٹر کو بنایا ہے!

پھر ذہن انسانی کا خالق کون ہوگا۔ ہر شخص کہتا نظر آئے گا کہ یہ سب اسی عالم و قادر و خالق کی عظمت کی دلیل ہے۔ اس کے علاوہ ذہن انسانی میں جو سمجھنے اور سوچنے کی قوت موجود ہے یہ خود دلیل ہے کہ جس میں یہ عظیم قدرت نہو وہ دوسرے

کو کیسے دے سکتا ہے۔ قرآن کریم اسی نکتہ کی طرف متوجہ کرکے بار بار کہتا ہے۔

خداوند عالم وہ ہے جس نے آسمان کو بغیر کسی ستون کے قائم کیا، چاند، سورج کو اپنے ارادے کے تابع بنایا یہ سب ایک خاص مدت تک حرکت کی حالت میں رہیں گے۔ خداوند عالم دنیا کے امور کو مرتب کرتا ہے اور اپنی نشانیوں کو جمع و تفصیل سے پیش کرتا ہے، تاکہ تم کو روز جزاء اور قیامت کا یقین ہو جائے۔[1]

---

[1] سورہ رعد آیت ۲

کائنات کے راز کھلتے ہیں

عقلِ انسانی کی حیرت انگیز ترقیاں جہالت اور نادانی کے دبیز پردے یکے بعد دیگرے اٹھارہی ہیں اور غلط نظریات کی بنیادیں علم وظائف الاعضاء اور دوسرے تجرباتی علوم کی وجہ سے متزلزل ہوتی جارہی ہیں۔

مثلاً گذشتہ زمانے میں جسم انسانی کے بعض اعضاء کو بیکار اور بے فائدہ خیال کیا جاتا تھا لیکن آج کی علمی ترقی نے یہ ثابت کردیا ہے کہ وہ اعضاء جن کو بے فائدہ شمار کیا جاتا تھا وہ بہت ہی مفید ہیں اور ان کے ذمہ ایک عظیم کام سپرد کیا گیا ہے اور جوں جوں علم ترقی کرتا جائے گا ویسے ہی ویسے کائنات کے رازہائے سربستہ کھلتے جائیں گے۔ اب ذرا چند مثالوں کی طرف توجہ فرمائیے۔

غدۂ تھائیمس (THYMUS) یہ جسم انسانی کا ایک چھوٹا سا غدہ ہے کہ جس کی جگہ سینے کی ہڈی کے پیچھے اور سانس کی نلی کے اوپر ہے۔ زمانہ گذشتہ میں لوگ اس کے فوائد سے ناآشنا تھے بلکہ اس غدہ کو ایک زائد عضو گمان کرتے تھے لیکن آج کی تحقیق نے یہ بات واضح کردی ہے کہ اس غدہ کی ذمہ داری بدن میں "کلشیم" "وٹامن D" اور "فاسفورس" META BOLISM کی تنظیم کرنا ہے۔ یہی غدہ "لنفوسیت" نام کا مادہ پیدا کرنے میں کافی موثر ہے اور یہی غدہ اینٹی باڈیز (ANTIBODIES) مواد بھی تیار کرتا ہے۔

غدہ اپی فیزل

یہ غدہ تھائمس سے کہیں زیادہ پیچیدہ ہے یہ غدہ مغز کے اندر واقع ہے۔ گذشتہ زمانے کے ڈاکٹر اس کو بیکار اور بے فائدہ خیال کرتے تھے لیکن علمی ترقی نے اس نظریہ کو بالکل بدل دیا ہے آج کل اس غدہ کے کافی فوائد بتائے جاتے ہیں۔ مثلاً یہ غدہ جنسیات میں ایک توازن برقرار رکھتا ہے اور قبل از وقت بلوغ سے مانع ہے خلاصہ یہ کہ اس غدہ میں خلل واقع ہونا انسان کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔

ٹان سیلز

پرانے زمانے کے ڈاکٹروں کا خیال یہ تھا کہ یہ غدود بے فائدہ اور بیکار ہیں اور اسی وجہ سے جب بھی ان غدود میں ورم پیدا ہو جاتا تھا تو فوراً آپریشن کر کے ان کو نکال دیتے تھے۔ لیکن آج کی علمی ترقی نے ان غدود کے کافی فائدے کشف کئے ہیں اور ان غدود کے لئے کافی اہمیت کے قائل ہیں جس کی بنا پر بدرجہ مجبوری ہی ان کو آپریشن کر کے نکال دینے کی رائے دیتے ہیں۔

یہ غدود سفید رنگ کا کارپا سیلز (WHITEBLOAD CORPUO CELES) بناتے ہیں کہ جن کا کام جراثیم سے دفاع کرنا ہے۔ یہ غدود سانس کی نالی میں ایک زبردست دربان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جراثیم اور مضر چیزوں کو داخل نہیں ہونے دیتے۔ جس وقت ہوا زیادہ کثیف ہو جاتی ہے اور اس میں طرح طرح کے جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں تو ان کو زبردست مقابلہ کرنا پڑتا ہے جس کے نتیجہ میں ان میں ورم پیدا ہو جاتا ہے۔

اگر ان کو نکال دیا جائے تو حلق میں آلودگی پیدا ہو جاتی ہے تو اس وقت یہ متورم ہو کر خطرے کی گھنٹی کی طرح سامنے آجاتے ہیں اور ڈاکٹر کے سامنے حلق کی حالت

کی ترجمانی کرتے ہیں اگر یہ اس کام کو انجام نہ دیں تو حلق کی کیفیت ذرا دیر سے معلوم ہوگی جس کی بنا پر اور دوسری بیماریاں پیدا ہونے کا اندیشہ ہے جیسے نیمونیا وغیرہ۔

اپینڈکس (APPENDIX)

ڈاکٹروں کی ایک انجمن بے انتہا زحمت اور مشقت کے بعد اس نتیجہ پر پہونچ سکی ہے کہ اپینڈکس کینسر کے ساتھ مقابلہ میں کافی موثر ہے اور اگر ان کو بغیر کسی مجبوری کے نکال دیا جائے تو کینسر کے لئے میدان ہموار ہو جاتا ہے۔

ایک طبی ماہنامہ کا لکھنا ہے کہ وہ اشخاص کہ جن کے بارے میں کینسر کا اندیشہ ہو اگر اس صورت میں اپینڈکس کو نکال دیا جائے تو ہو سکتا ہے یہی بات کینسر کی پیدائش کا سبب بنے۔

یہ مثالیں اور اس کے علاوہ بہت سی مثالیں ــــ اگر ان میں غور و فکر سے کام لیا جائے تو یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ ہم اپنی نادانی کی بنا پر کسی چیز کا فائدہ نہ معلوم کر سکیں تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ بس وہ چیز بیکار اور بے فائدہ ہے بلکہ ہم کو چاہئے کہ ہم انتظار کریں اس وقت کا کہ جس وقت حقائق اور اسرار کے چہرے سے پردہ اٹھے گا تو اس وقت معلوم ہوگا کہ اس چیز کا فائدہ کیا ہے ــــ آج علمی دنیا نے بہت زیادہ ترقی کر لی ہے لیکن چونکہ علم کا میدان ایک وسیع میدان ہے اس لئے یہ تمام ترقیاں ابتدائی مراحل کی حیثیت رکھتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ "اینشائن" اپنی کتاب "فلسفۂ نسبیت" میں لکھتا ہے کہ ہم نے جو کچھ اس کائنات سے درس حاصل کیا ہے جتنی بھی کتابیں پڑھی ہیں گرچہ اس نے ہم کو بہت کچھ سکھایا ہے لیکن پھر بھی ہم اس بات پر قادر نہیں ہیں کہ کائنات کے

تمام اسرار و رموز کو سمجھ سکیں۔

ولیم جیمس کا کہنا ہے کہ "ہمارا علم ہمارے جہل کے مقابلے میں بالکل ایسا ہی ہے جیسے ایک قطرہ ایک عظیم سمندر کے سامنے۔"

گذشتہ بیانات سے یہ بات صاف ظاہر ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے محدود علم و دانش کی بنا پر کسی چیز کا فائدہ نہ سمجھ پائے اور فوراً یہ کہہ بیٹھے کہ اس چیز کا کوئی فائدہ نہیں ہے تو یہ بات عقل سے کس قدر دور ہوگی۔ اگر یہ لوگ ذرا بھی عقل و خرد سے کام لیں تو سمجھ جائیں گے کہ "نہ جاننے" اور "نہ ہونے" کے درمیان کتنا فرق ہے۔ اور نہ جاننے کو نہ ہونے کی دلیل قرار دینا سراسر عقل کے خلاف ہے۔

لاتعداد موجودات میں سے اگر چند کی خاصیت اور فائدہ نہ معلوم ہو سکے تو اس بات کا ہرگز سبب نہیں ہو سکتا کہ انسان ان تمام حیرت انگیز مثالوں اور عقل کو حیران کر دینے والے نظام میں ذرا غور و فکر کر کے اس کے با شعور خالق کا پتہ نہ لگا سکے بلکہ یہی موجودات جن کو وہ سمجھ چکا ہے اس بات کیلئے کافی ہیں کہ اس کو خالقِ حقیقی کی طرف راہ نمائی کریں۔

اگر آپ کو ایک کتاب ملے کہ جس میں شروع سے آخر تک ایک سے ایک اعلیٰ اور علمی مطالب ہوں مگر ان میں سے چند سطریں ایسی بھی ہوں کہ جن کا مفہوم آپ نہ سمجھ پا رہے ہوں تو کیا اس صورت میں آپ کو یہ حق حاصل ہے کہ آپ یہ فیصلہ کر بیٹھیں کہ اس کتاب کا مصنف ایک نافہم اور ناسمجھ انسان ہے یا آپ یہ فیصلہ کریں گے کہ اس کتاب کا مصنف عظیم اور بلند پایہ مفکر شخص ہے کہ جس کی عقل و فہم کی ترجمانی یہ مطالب کر رہے ہیں اور چند سطریں جو بظاہر میری نظر میں نامفہوم ہیں اس میں میرا قصور ہے۔

چھٹا سبق

تخلیقِ کائنات اور نظریہ ارتقاء

ہم سب نے آگ کے شعلے کو دیکھا ہے۔ جس وقت شعلہ اٹھتا ہے کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ شعلہ کیا ہے؟ آج ہم یہ جانتے ہیں کہ شعلہ گیس کی کیفیت ترکیبی سے وجود میں آتا ہے ـــــ پرانے زمانے میں کیمیا کے ماہرین یہ تصور کرتے تھے کہ کوئلہ، تیل...... میں کوئی ایسی چیز پوشیدہ ہے جو جلنے کے وقت شعلہ کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے اس چیز کو مختلف ناموں سے یاد کرتے تھے کبھی اس کو "سلفر" کہتے تھے۔

رفتہ رفتہ اس نظریے کے کافی لوگ طرفدار ہو گئے اکثر دانشوروں نے اس کی تائید بھی کی اور اس نامرئی چیز کا نام فلوجسٹن (PHLOGIOTON) رکھا۔

اشتھل (STHAL) (۱۷۳۴ـ۱۶۶۰) نے کہا۔ فلوجسٹن نامی چیز (چونکہ آگ اور شعلہ کی اصل و اساس ہے) ایندھن میں پائی جاتی ہے جو جلتے وقت شعلہ کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ لکڑی، کوئلہ اور تیل اس لئے جلدی آگ پکڑ لیتے ہیں کہ ان میں فلوجسٹن کی مقدار کافی ہوتی ہے جبکہ دھات میں اس کی مقدار بہت کم ہوتی ہے۔

وہ اور اس نظریہ کے تمام طرفدار اس بات کے قائل تھے اگر ہم کسی چیز سے لوہے کو جلائیں تو فلوجسٹن نکل جائے گا اور بقیہ زنگ کی صورت میں باقی رہ جائے گا۔

گندھک کے بارے میں یہ کہتے تھے کہ اگر ہم گندھک کو جلائیں تو اس سے فلوجسٹن نکل جائے گا اور بغیر فلوجسٹن کی گندھک باقی رہ جائے گی۔

لاوازیر (LOVOISIER) (۱۷۹۴-۱۷۴۳) کے استاد روئل (ROVELLE)
(۱۷۷۰-۱۷۰۳) نے بھی اسی نظریہ کی تائید کی تھی اور اس کے ثبوت میں کافی دلیلیں دی تھیں۔

فرانسوی دانشور لاوازیر جو جدید کیمسٹری کے معماروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس نے اپنے استاد روئل کے نظریہ کا باقاعدہ مطالعہ کیا اور اس پر کافی فکر کی یہاں تک کہ وہ اس نتیجہ پر پہونچا کہ فلوجسٹن کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

اس نے ۱۷۷۲ء میں سیسہ کے ایک ٹکڑے کو خوردبین کے ذریعہ سورج کی شعاعوں سے جلایا اور دیکھا کہ اس سیسہ کا وزن بڑھ گیا ہے۔ اس نے اپنی جگہ پر سوچا کہ اس دھات میں کچھ ہوا شامل ہو گئی ہے جس نے اس کا وزن بڑھا دیا ہے۔ اور اگر فلوجسٹن کے نظریہ کی کوئی حقیقت ہوتی تو جلنے کے بعد اس کا وزن کم ہونا چاہئے تھا ——— اس بنا پر فلوجسٹن کے نظریہ کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

اس نے اپنے نظریہ کی تائید میں یہ دلیل پیش کی اگر ہم جلے ہوئے سیسہ کو دوبارہ پگھلائیں تو جتنی ہوا اس میں جذب ہو گئی ہے وہ خارج ہو جائے گی اور یہ ٹکڑا دوبارہ سیسہ ہو جائے گا۔

۱۷۷۶ء میں پارے سے بھرے ہوئے ظرف کے نیچے ایک چراغ روشن کر کے بارہ دن تک اسے گرم کرتا رہا زیادہ دیر نہ گذری تھی کہ پارے پر سرخ رنگ کی ایک باریک پرت جم گئی۔

لاوازیر نے یہ دریافت کیا کہ ظرف کے اندر جو ہوا ہے وہ تنفس کے قابل نہیں ہے اس نے اپنے آپ سے کہا یقیناً ظرف کے اندر کچھ پارے میں مخلوط ہو گئی ہے جس کی بنا پر یہ سرخ رنگ کی پرت وجود میں آئی ہے۔ اس نے اپنے نظریہ کی تائید کے لئے اس سرخ رنگ کی پرت کو الگ کر کے گرمایا اس وقت اس نے دیکھا کہ اس سے وہ گیس نکل رہی

ہے جو تنفس کے قابل ہے آخر میں اس نے یہ نتیجہ نکالا کہ جب پارہ جلتا ہے تو اس سے کوئی چیز خارج نہیں ہوتی بلکہ ہوا میں ایسی گیس ہے جو پارہ میں مل کر آکسائیڈ پارہ بنا دیتی ہے اس نے اس گیس کا نام آکسیژن رکھا۔

آخر میں اس نے وضاحت سے کہدیا کہ فلوجسٹن کی کوئی حقیقت نہیں ہے کیمیائی فعل وانفعال کی بنا پر جن چیزوں پر تجربہ کیا جاتا ہے چیزوں کا جو وزن ہوتا وہ اس وزن کے مساوی ہوتا ہے جو حاصل ہوتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے "نہ کوئی چیز نابود ہوتی ہے اور نہ کسی چیز کا اضافہ ہوتا ہے"۔

اس تحقیق وانکشاف کے بعد فلوجسٹن کے طرفدار رفتہ رفتہ ختم ہوتے گئے اور آج ہم یہ جانتے ہیں کہ آگ، تیل..... میں جو شعلہ نکلتا ہے وہ اس بنا پر ہے کہ اس میں آکسیژن سے مخلوط ہونے کی صلاحیت پائی جاتی ہے نہ یہ کہ ان میں کوئی نامرئی مادہ پایا جاتا ہو جو شعلہ کی صورت میں خارج ہوتا ہو۔

نظریہ فلوجسٹن اور نظریہ لاوازیہ کی تاریخ پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لاوازیہ کے اس جملہ کا مقصد "نہ کوئی چیز نابود ہوتی ہے نہ کسی چیز کا اضافہ ہوتا ہے" کہ کیمیائی فعل و انفعال میں کوئی چیز نابود نہیں ہوتی اور کسی چیز کا اضافہ بھی نہیں ہوتا۔ یہ نظریہ تخلیق کائنات سے متعلق نہیں ہے۔ وہ ایک فلسفی مسئلہ ہے کیمسٹری سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

بعض لوگ یہ سمجھ بیٹھے کہ لاوازیہ کوئی فلسفی بات کہنا چاہتا ہے۔ اس لئے وہ یہ کہتے ہیں کہ لاوازیہ کا نظریہ تخلیق کائنات کے خلاف ہے کیونکہ اس کا کہنا یہ ہے کہ نہ کوئی چیز وجود میں آتی ہے اور نہ کوئی چیز نابود ہوتی ہے۔ اب اس نظریہ کے بعد یہ بات کیونکر تسلیم کی جائے کہ اس کائنات کو کسی نے وجود دیا ہے ____؟۔ اگر ہم لاوازیہ کے نظریے کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اس کا نظریہ صرف کیمیائی فعل وانفعال کی تشریح کے بارے

میں ہے ۔۔۔ یعنی یہ دنیا اس طرح ہے کہ نہ اس میں سے کوئی چیز نابود ہوتی اور نہ کسی چیز کا اضافہ ہوتا ہے لیکن یہ مسئلہ کہ یہ کائنات پیدا کی گئی ہے یا ہمیشہ سے اسی طرح تھی یہ ایک فلسفی مسئلہ ہے، لاوازیہ کا نظریہ اس سلسلے میں بالکل خاموش ہے۔

لہٰذا یہ عقیدہ کہ اس دنیا کو خدا نے پیدا کیا ہے لاوازیہ کے نظریے سے کوئی منافات نہیں رکھتا۔

جب کسی دانشور کا کوئی نظریہ یا کوئی علمی تھیوری سامنے آئے تو بڑی گہری نگاہ سے اس کا مطالعہ کرنا چاہیئے اور جو لوگ اس فن میں مہارت رکھتے ہوں ان سے بات کو اچھی طرح سمجھنا چاہیئے تاکہ بات بالکل واضح ہو جائے۔ کیونکہ غلط فہمی انسان کو عقیدوں سے بدظن کر دیتی ہے۔

اس کے علاوہ کسی نظریہ کو فوراً تسلیم نہیں کرنا چاہیئے اور نہ اس کو اٹل حقیقت تصور کرنا چاہیئے کیونکہ بہت سے نظریات ایسے ہیں کہ صدیوں دانشور اس کی تائید کرتے رہے لیکن ایک مرتبہ وہ نظریات غلط ثابت ہوئے۔ اسی نظریہ فلوجسٹن کو لے لیجئے کہ مدتوں دانشور اس کے قائل رہے مگر لاوازیہ نے اس کو غلط ثابت کر دیا۔ اور اس وقت لاوازیہ کے نظریہ کی وہ آب و تاب نہیں ہے جو پہلے تھی۔ لاوازیہ نے صرف مادہ کی بقا کا تصور پیش کیا تھا۔ اور آج کی جدید تحقیق نے یہ تصور پیش کیا ہے کہ مادہ توانائی کی شکل میں بھی باقی رہ سکتا ہے۔

مثلاً اگر ہم آٹھ گرام آکسیجن میں ایک گرام ہائیڈروجن ملائیں تو لاوازیہ کے نظریہ کے مطابق نو گرام پانی تیار ہونا چاہیئے۔ جبکہ دقیق حساب سے معلوم ہوتا ہے کہ مادہ کی بہت ہی معمولی مقدار توانائی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس بنا پر آٹھ گرام آکسیجن اور ایک گرام ہائیڈروجن سے جو پانی تیار ہوتا ہے وہ نو گرام سے کچھ کم ہوتا ہے۔

ساتواں سبق

ہر وقت خدا کے محتاج

مُوجد اور خالق میں فرق

ان چند مثالوں پر خوب غور و فکر کیجئے کہ دنیا کی چیزیں کہاں تک اپنے بنانے والے کی محتاج ہیں:

(۱) ہوائی جہاز بنانے والا ہوائی جہاز بنانے میں کون سا کام انجام دیتا ہے؟

ہوائی جہاز کا انجینیر دھات کے ٹکڑوں اور دوسری ضروری اور لازمی چیزوں کو ایک خاص اندازے اور ایک خاص شکل و صورت سے ایک کو دوسرے سے ملاتا ہے ہر ایک چیز کو اس کی مناسب جگہ پر رکھتا ہے تاکہ اس میں اس بات کی صلاحیت پیدا ہو جائے کہ وہ ہوا میں اُڑ سکے مسافرین کو بیٹھا سکے اور سامان بار کر سکے۔

ظاہری بات ہے کہ یہاں پر سارا کام انجینیر کے ہاتھوں کی انگلیاں انجام دیتی ہیں اور یہ انگلیوں کی حرکت ہے کہ جس کی بنا پر وہ ابتدائی مواد کو ضروری اور لازمی شکل و صورت میں ڈھال دیتا ہے۔ ادھر ہوائی جہاز بن کے تیار ہوا اور بالکل مکمل ہو گیا ادھر انجینیر کا کام بھی آخری منزل تک پہونچ گیا۔ وہ تمام چیزیں جو تھوڑی دیر پہلے انجینیر کی ممنونِ احسان تھیں، اب اس کی محتاج نہیں ——— اب ان چیزوں کو انجینیر کی کوئی ضرورت نہیں۔ سیٹیں، انجن، لائٹ . . . یہ چیزیں اب خود مستقل ہیں ——— انجینیر کا وجود و عدم ان کے لئے برابر ہے۔

② ہم ایک گھر بنوانا چاہتے ہیں اور اسی غرض کے تحت ہم نے تعمیر کا سارا سامان جمع کرلیا ہے تمام ضروری چیزیں اکٹھا کرلی ہیں ـــــ اینٹیں، سمنٹ لوہا وغیرہ۔ اب ہمیں کس چیز کی ضرورت ہے ؟ ـــــ ہمیں معمار کی تلاش ہے۔ آیا اس لئے ہم اس کو ڈھونڈ رہے ہیں کہ وہ آئے اور تمام ضروری چیزوں کو وجود میں لائے ـــــ یا اس لئے ہم اس کو تلاش کر رہے ہیں کہ وہ ان موجودہ چیزوں میں ایک قسم کا نظم و ضبط پیدا کردے اور ان کو گھر کی شکل دیدے۔

یہ بات واضح ہے ہم معمار کو اس لئے تلاش نہیں کر رہے ہیں کہ وہ آ کر ان چیزوں کو وجود میں لائے کیونکہ ان چیزوں کو تو ہم پہلے ہی سے جمع کر چکے ہیں بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ معمار ان موجودہ چیزوں کو ایک خاص شکل دیدے اور ہر ایک کو مناسب جگہ پر لگادے۔

③ جس شخص نے "ایفل ٹاور" کو نہیں دیکھا ہے لیکن اگر اس کے سامنے "ایفل ٹاور" کی حیرت انگیز اونچائی اور اس کی عجیب و غریب خصوصیات بیان کی جائیں تو اسوقت یہ شخص پلک جھپکتے ہی اسی ٹاور کی تصویر اپنے ذہن میں اتار سکتا ہے بلکہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ اس سے کئی گنا اونچا تصور کرے اور ان تمام لوگوں کا بھی تصور کر سکتا ہے جو اس کے اوپر ٹہل رہے ہیں۔

اس ذہنی تصویر میں غور و فکر کریں تو معلوم ہو گا کہ یہ مثال ان دو گذشتہ مثالوں سے مختلف ہے۔ اس کی وجہ بھی صاف ظاہر ہے کہ گھر اور ہوائی جہاز بنانے والوں نے انکے ابتدائی مواد و مصالح کو پیدا نہیں کیا تھا بلکہ موجودہ چیزوں کو ایک خاص شکل و صورت دیدی تھی لیکن اس ذہنی تصویر کی تمام ضروری اور لازمی چیزوں کو خود اس شخص نے پیدا کیا ہے اسی بنا پر یہ ذہنی تصویر خارجی چیزوں کی محتاج نہیں ہے بلکہ ذہن انسانی

جتنا چاہے اس کو وسیع اور بلند بنا سکتا ہے۔

پس ذہنی تصویروں کی بنیادیں ہمہ تن ہماری ذات پر ہیں تصویریں ایسی وقت تک باقی رہتی ہیں جب تک ہم چاہیں اگر ہم ذرا بھی توجہ ان سے موڑلیں تو یہ فوراً نابود ہو جائیں گی۔

اب یہ بات واضح ہو گئی کہ "وہ شئی جس کا تمام تر وجود دوسرے کی ذات پر منحصر ہو وہ اپنی ذات میں کسی قسم کا استقلال نہیں رکھتی بلکہ ہر گھڑی اور ہر لحظہ اپنے بنانے والے کی محتاج ہے۔

دیکھنا یہ ہے کہ موجوداتِ عالم جو عدم سے وجود میں آئی ہیں کس طرح کی ہیں؟ اور یہ اپنے پیدا کرنے والے کی کہاں تک محتاج ہیں؟ آیا یہ تمام موجودات ،عالم ہر لحظہ اپنے پیدا کرنے والے کی محتاج نہیں ہیں؟ ——— ممکن ہے کچھ لوگ یہ خیال کریں کہ موجودات عالم اپنی خلقت کے بعد اپنی بقا میں اپنے پیدا کرنے والے کی محتاج نہیں ہیں۔

یہ خیال از سرتا پا دھوکا ہی دھوکا ہے اس لئے کہ موجودات عالم تمام کی تمام خداوند عالم کی مخلوق ہیں اور بالکل اس ذہنی تصویر کی مانند جس کو ہم نے وجود بخشا ہے جو اپنے وجود اور بقا میں ہر لحظہ اور ہر آن اپنے پیدا کرنے والے کی محتاج ہے۔

اس بات کی مزید وضاحت کے لئے ابھی آپ اپنے ذہن میں ایک آدمی کی تصویر بنایئے کہ جو اپنے ارادہ و اختیار سے چل پھر رہا ہو بات چیت کر رہا ہو، کام کاج میں مشغول ہو۔ آیا یہ آدمی اپنی بقا میں مستقل حیثیت رکھتا ہے؟ ——— یقیناً اس کا وجود اور اس کی بقا آپ کی ذات سے ہے آپ کا ایک مختصر سا ارادہ اس کو فنا کر دے گا۔

ساری کی ساری کائنات بالکل اس تصویر کی طرح اپنے وجود و بقا میں مستقل حیثیت کی مالک نہیں ہے بلکہ ہر آن اپنے خالق کی محتاج ہے اگر خدا نہ چاہتا تو ہر گز وجود میں

نہیں آسکتی تھی اور اگر خدا نہ چاہے تو ہرگز باقی بھی نہیں رہ سکتی ہے اس کا وجود اور اس کی بقاء مشیتِ خداوندی کے تابع ہے۔

"اے لوگو! تم سب کے سب (وجود و بقاء میں) خدا کے (ہر وقت) محتاج ہو اور خدا غنی اور سزاوارِ حمد و ثنا ہے اگر وہ چاہے تو تم سب کو عدم کے پردے میں لیجائے اور ایک نئی مخلوق بسائے" (سورۂ فاطر آیۃ ۱۵۔۱۶)۔

یہ بات ایک مسلّم حقیقت ہے کہ جس کی طرف اسلام اپنے ماننے والوں کو ہر وقت متوجہ کرتا ہے۔ مثلاً ہر نماز میں سجدے سے اٹھتے وقت اس پُر معنی جملہ کو تکرار کرے:۔۔۔

"بحول اللہ وقوتہ اقوم واقعد" خدا ہی کی طاقت و قدرت سے میں اٹھتا اور بیٹھتا ہوں ۔۔۔ اگر ہم غور و فکر کریں تو یہ بات واضح اور روشن ہو جاتی ہے کہ خدا کے مقابلہ میں ہماری کوئی مستقل حیثیت نہیں ہے اور صرف وہی ہے کہ جس نے ہم کو خود مختار اور عقلمند پیدا کیا ہے تاکہ کامرانیوں اور سعادت کی راہ میں سعی و کوشش کریں اور کامیابیوں سے ہمکنار ہو سکیں۔

صرف وہی ہے کہ جس کی بے پایاں رحمتیں اور بے انتہا عنایتیں ہمہ وقت ہمارے شاملِ حال رہتی ہیں۔

اسی بناء پر ہم بے اختیار اس کی عظمتوں اور جلالتوں کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتے ہیں اور اس کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو جاتے ہیں ۔۔۔ اور دل کی گہرائیوں سے یہ جملہ زبان پر جاری ہو جاتا ہے:۔۔۔

سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى وَبِحَمْدِهٖ

آٹھواں سبق

بے نیاز خدا

ایک مسلّم قانون

ہم روز مرہ کی زندگی میں ایسی چیزیں پاتے ہیں جو آثار و خواص رکھنے والی ہیں لیکن ان کے اثرات ہر جگہ ایک جیسے نہیں بلکہ دوری اور نزدیکی کافی حد تک موثر ہے۔ یہ بات ممکن ہے کسی شئے کے اثرات ایک خاص حد تک ہوں لیکن اس حد کے بعد اس کے اثرات کا نام و نشان نہ ہو۔

ذرا ان مثالوں میں غور و فکر فرمایئے:

(۱) قوّتِ جاذبہ (مقناطیس)

یہ کشش تمام جگہوں پر ایک جیسی نہیں ہے بلکہ لوہا جس قدر مقناطیس سے قریب ہوگا اتنی ہی زیادہ قوت کے ساتھ مقناطیس کی طرف کھنچے گا اگر آپ لوہے کی ایک کیل کو ایک مرتبہ دو سینٹی میٹر کے فاصلہ پر رکھیں اور دوسری مرتبہ دس سینٹی میٹر کے فاصلہ پر رکھیں تو پہلی صورت میں کیل زیادہ قوت کے ساتھ مقناطیس کی طرف کھنچے گی ــــ بہ نسبت دوسری صورت کے۔

(۲) حرارتِ آفتاب

حرارت آفتاب کرۂ "زہرہ" اور سطح زمین پر ایک جیسی نہیں ہے چونکہ زہرہ آفتاب سے زیادہ قریب ہے لہٰذا وہ زمین کی بہ نسبت کافی گرم ہے۔

③ بلب کی روشنی

ایک بلب کی روشنی ممکن ہے سو میٹر کے فاصلہ تک جائے لیکن ان تمام فاصلوں پر روشنی ایک جیسی نہیں ہے بلکہ آپ جتنا بلب سے دور ہوتے جائیں گے روشنی کم ہوتی جائے گی اور جتنا جتنا نزدیک ہوتے جائیں گے اتنی اتنی روشنی زیادہ ہوتی جائے گی۔

④ آواز

ایک شاعر یا ایک مقرر کی آواز ہو سکتا ہے پچاس میٹر تک جائے لیکن تمام جگہوں پر آواز ایک جیسی نہیں ہے بلکہ جتنا نزدیک ہونگے اتنا ہی صاف سنائی دے گی۔

ان مثالوں پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر کسی شئے کا ایک مرکز ہو تو اس کے اثرات تمام جگہوں پر یکساں نہیں رہتے بلکہ مرکز سے جتنا جتنا نزدیک ہوتے جائیں گے اتنے ہی اس کے اثرات صاف اور زیادہ ہوتے جائیں گے۔ اور جیسے جیسے دور ہوتے جائیں گے ویسے ویسے اثرات کم ہوتے چلے جائیں گے۔

کیا خدا کا بھی کوئی مرکز ہے

بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ شاید خدا بھی آفتاب یا اور دوسری موجودات کی طرح ایک خاص مرکز رکھتا ہے آسمان کے اوپر مسند لگائے بیٹھا ہوا ہے اور وہیں سے دنیا کی دیکھ بھال کرتا ہے۔

درآنحالیکہ ایسی کوئی بھی بات نہیں ہے۔ اس لئے کہ سمندروں کی گہرائیوں سے لیکر کہکشانوں کی بلندیوں تک جس ذرہ پر نظر ڈالئے جس کو بھی نظر اٹھا کر دیکھئے ایک خاص

قسم کا نظم و ضبط آپ کو نظر آئے گا۔ کوئی بھی ذرہ ایسا نہیں ملے گا جو نظم و ضبط کا لباس نہ پہنے ہو ــــ ایسا ہرگز نہیں ہے کہ ایک خاص مرکز ہو کہ اس کے ارد گرد جو چیزیں ہوں ان میں تو نظم و ضبط کی نغمہ سرائی ہو اور وہ چیزیں جو اس مرکز سے دور ہیں ان میں بدنظمی کارفرما ہو۔

اگر آپ ساری کائنات کے چپہ چپہ کو تلاش کر ڈالیں تب بھی آپ کو کوئی ذرہ نہیں مل سکتا ہے جس میں نظم و ضبط نہ ہو۔

ہر جگہ اور ہر مقام پر چھوٹی سے چھوٹی چیز میں نظم کا پایا جانا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ خالقِ کائنات خداوند عالم کا کوئی خاص مرکز نہیں بلکہ وہ ہر جگہ اور ہر وقت ہے۔

اس کے علاوہ خداوند عالم نے خود مکان کو پیدا کیا ہے اور یہ بات محال ہے کہ خالق خود اپنی مخلوق کا محتاج ہو۔

جیسا کہ گذشتہ درس میں بیان کیا جا چکا ہے کہ خالق اور موجد میں بے انتہا فرق ہے ــــ یہ ہوائی جہاز وغیرہ بنانے والے موجد ہیں خالق نہیں ہیں اور ان موجد حضرات کا شاہکار یہ ہے کہ ان لوگوں نے بعض چیزوں کے عمل اور عکس العمل سے استفادہ کرتے ہوئے خاص ترکیب و ترتیب کے ذریعہ بعض چیزیں ایجاد کی ہیں ــــ لیکن یہ حضرات ان چیزوں کے خالق نہیں ہیں۔ درآنحالیکہ خداوند عالم کائنات کا خالق ہے وہ کائنات کو عدم سے وجود میں لایا ہے۔ چیزوں کے عمل اور عکس العمل سے استفادہ نہیں کیا ہے اور یہی فرق اس بات کا سبب ہے کہ یہ حضرات اپنی بنائی ہوئی چیزوں کے محتاج ہو سکتے ہیں ــــــــــــــــ لیکن خدا اپنی مخلوق کا محتاج نہیں ہو سکتا۔

کیا خدا دیکھا جا سکتا ہے

جب یہ بات واضح ہو چکی کہ خداوند عالم کوئی مکان نہیں رکھتا تو یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ خداوند عالم جسم نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جسم کو مکان کی ضرورت ہوتی ہے کوئی ایسا جسم نہیں کہ جو مکان کا محتاج نہ ہو لیکن چونکہ خداوند عالم جسم نہیں ہے اس لئے وہ مکان کا بھی محتاج نہیں ہے وہ دکھائی بھی نہیں دے سکتا۔

خدا کسی کا محتاج نہیں

خداوند عالم ہی تمام کی تمام ضروریاتِ زندگی کا پیدا کرنے والا ہے اور ان کا خالق ہے یہ بات ابھی ثابت کر چکے ہیں کہ خالق اپنی مخلوق کا محتاج نہیں ہے چونکہ خداوند عالم تمام چیزوں کا خالق ہے لہٰذا وہ کسی شے کا محتاج نہیں ہے۔

خدا اس کامل اور مکمل حقیقت کا نام ہے کہ جو کسی شئے کا محتاج نہیں نہ مکان رکھتا ہے نہ زمان۔ نہ جسم نہ جسمانیات اور تمام چیزیں اس کی محتاج ہیں۔

ہو سکتا ہے کہ آپ کے ذہن میں سوال اٹھے کہ جب خداوند عالم جسم نہیں مکان نہیں، کسی شے کا محتاج نہیں یہ سب کچھ نہیں نہیں تو آخر خدا ہے کیا ؟

جواب کے لئے یہ مثال کافی ہے کہ:

بجلی ـــــــــــ جامد نہیں

بجلی ـــــــــــ سیال نہیں ہے (بہنے والا مادہ)

بجلی ـــــــــــ گیس نہیں ہے

آیا یہ نہیں نہیں کیا اس بات کی دلیل بن سکتے ہیں کہ بس بجلی کوئی چیز نہیں

ہے ـــــــــ کیا آپ یہ کہیں گے کہ بجلی ان چیزوں کے علاوہ ایک دوسری حقیقت کا نام ہے۔

بس خدا کے بارے میں بھی ہم یہی کہتے ہیں کہ

خدا ـــــــــ جسم نہیں ہے

خدا ـــــــــ مکان نہیں ہے

خدا ـــــــــ دیکھا نہیں جاتا

یعنی خداوند عالم ان چیزوں کے علاوہ ایک دوسری حقیقت ہے۔ یہ جسم و مکان نقص ہے اور خدا کی ذات کہ جو عین کمال ہے اس میں ان چیزوں کا گذر نہیں ہے یہ تمام باتیں خدا کو تمام دوسری چیزوں سے جدا اور ممتاز کر دیتی ہیں۔

درحقیقت یہ وہ خدا ہے کہ جس کا اعتقاد رکھنا چاہیئے۔ اسی خدا کو فطرت انسانی قبول کرتی ہے۔ ہر عاقل اور منصف مزاج اس حقیقت کے سامنے سربسجود ہے وہ لوگ جو خدا کے لئے جسم۔ فرزند اور دوسری بشری صفات کے قائل ہیں، اصلاً انھوں نے خدا کو صحیح معنوں میں پہچانا ہی نہیں۔ اور یہ لوگ اسلامی تعلیمات سے کس قدر دور ہیں۔

چونکہ دنیا کے سامنے خداوند عالم کا صحیح تصور پیش نہیں کیا گیا جس کی بنا پر مادہ پرست وجود خدا کے منکر ہو گئے۔ اگر ان کے سامنے صحیح معنوں میں خدا کے عقیدہ کو پیش کیا جائے تو عجب نہیں یہ لوگ حقیقی خدا کے سامنے سربسجود ہو جائیں۔

نواں سبق

علم ازلی وابدی ولامحدود

یہ بڑے بڑے قوی ہیکل "بلڈوزر" جو سڑک بنانے میں کام آتے ہیں اور دوسرے اہم کاموں میں استعمال کئے جاتے ہیں ایک معمولی سا آدمی بھی اس قوی ہیکل "بلڈوزر" کو دیکھ کر بآسانی یہ پتہ لگا سکتا ہے کہ جس انجینیئر نے اس بلڈوزر کو بنایا ہے وہ میکینک اور دوسرے ضروری علوم میں مہارت کامل رکھتا تھا۔ بلکہ آپ ہر اس چیز کو دیکھ کر جس میں مہارت فن، ظرافت، پائیداری اور باریکیاں پائی جاتی ہوں یہ پتہ لگا سکتے ہیں کہ ان کے بنانے والے کس قدر ان چیزوں کے اصول و قوانین عمل و ردِّ عمل سے واقفیت رکھتے تھے اور ان تمام جزئیات سے بھی باقاعدہ آشنا تھے۔

ناقابل قیاس

لیکن اس عظیم کائنات میں کس قدر اسرار و رموز پوشیدہ ہیں، کس قدر استحکام، کس قدر ظرافت ——— اس کو ہم ایک بلڈوزر یا اور دوسری چیزوں سے جنھیں انسانی ہاتھوں نے درست کیا ہے قیاس اور مقابلہ نہیں کر سکتے ——— جس طرح سے ایک بلڈوزر کی ترکیب و تنظیم اس کے بنانے والے کے علم و فن کی عکاسی و ترجمانی کرتی ہے اسی طرح کائنات کے اسرار و رموز خداوند عالم کے لامحدود علم و قدرت کو ہماری عقلوں کے سامنے مجسم کر دیتے ہیں۔

نمونے کے طور پر چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

نیوٹن

(۱) نیوٹن کا کہنا ہے ___ آنکھ اور کان کے بارے میں مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت مجسّم ہو کر نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے کہ جس ذات نے "کان" کو بنایا ہے وہ ان تمام اسرار ورموز اور قوانین سے باقاعدہ واقف تھا جو "آواز" سے تعلق رکھتے ہیں اور جس ذات نے "آنکھ" بنائی ہے وہ ان تمام اصول وقوانین سے باخبر تھا جو "نور" اور دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں اسی طرح سے آسمانوں کی وسعتوں کو دیکھ کر جن میں ایک خاص قسم کا نظم ونسق حکم فرما ہے تو وہ ذات کہ جس نے ان آسمانوں کو وجود بخشا ہے وہ ایک لامتناہی علم ودانش کی مالک ہے۔ (دائرۃ المعارف وجدی جلد ۱۰ ص ۴۴۸)۔

(۲) جس وقت تاریکی چھا جاتی ہے چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہوتا ہے جبکہ ہاتھ کو ہاتھ سوجھائی نہیں دیتا لیکن اسی گھٹاٹوپ اندھیری رات میں ایک چیز ادھر اُدھر اڑتی پھرتی نظر آتی ہے بغیر روک ٹوک کے۔ گویا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اندھیری رات اس کے لئے روزِ روشن کی حیثیت رکھتی ہے یہ **چمگادڑ** ہے کہ جو اپنی مہارت دکھاری ہے کبھی غور فرمایا کہ آخر کیا وجہ ہے جبکہ سارا جہان خاموشی اور خواب کے عالم میں پڑا ہوا ہے رات کی تاریکی ہر قدم پر سدّراہ بن جاتی ہے لیکن اس چمگادڑ کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ خداوند عالم نے اس مختصر سی جان میں ایک عظیم اور حیرت انگیز مشینری کو ودیعت کر دیا ہے اور وہ مشینری "راڈار" ہے۔

راڈار کا کام یہ ہے کہ وہ فضا میں ایسی لہریں منتشر کرتا ہے کہ جو ساری فضا کو چھالیتی ہیں۔ اگر ہوائی جہاز یا اور کوئی چیز فضا میں گذرتی ہے تو وہ لہروں کو منتشر ہونے سے

روک لیتی ہے اور وہ لوگ جو وہاں پر موجود ہوتے ہیں وہ انھیں لہروں کے ذریعہ سے پتہ لگا لیتے ہیں کہ اس وقت فضا میں کون سی چیز ہے اور کتنے فاصلہ پر ہے۔

یہی عظیم اور حیرت انگیز مشینری اس مختصر سی جان میں خداوند عالم نے ودیعت فرمائی ہے کہ جس کے ذریعہ سے وہ رات کی اس گھٹاٹوپ تاریکی میں بھی پتہ لگا لیتی ہے کہ اس کی راہ میں کون سی چیز رکاوٹ بن رہی ہے اسی بنا پر یہ اس راستہ کو چھوڑ کر ایک دوسرا راستہ اختیار کرتی ہے۔

(۳) کیڑے مکوڑے جو دیکھنے میں بہت ہی معمولی معلوم ہوتے ہیں اور ظاہری نظر رکھنے والے خیال کرتے ہیں کہ ان میں کوئی خاص قسم کی باریکی یا کوئی حیرت انگیز بات نہیں پائی جاتی۔

لیکن اگر ان میں غور و فکر کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک "جاندار" موجود کی زندگی کی بقا کے لئے جو چیزیں درکار ہیں وہ تمام چیزیں ان میں بطور احسن و اکمل پائی جاتی ہیں جن دانشمندوں نے ان چھوٹے چھوٹے کیڑوں کے بارے میں تحقیقات کی ہیں ان کا کہنا ہے کہ:۔ چونکہ یہ کیڑے اس بات پر قادر نہیں ہیں کہ اپنے سروں کو ادھر اُدھر ہلا سکیں اور اپنے آس پاس کی چیزوں کو دیکھ سکیں۔

لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ خداوند عالم نے ان کو اس نعمت سے محروم رکھا ہو بلکہ اس ضرورت کو پوری کرنے کے لئے ان کو اس قسم کی آنکھیں عنایت کی ہیں کہ جسکے ذریعہ سے وہ اپنے آس پاس اور اِدھر اُدھر کی چیزوں کو باقاعدہ دیکھ سکتے ہیں۔ واقعاً کس قدر حیرت انگیز بات ہے کہ خود کیڑے کی جان کتنی مختصر اور اس میں آنکھ کا وجود کتنا مختصر ان تمام چیزوں کے باوجود بھی قادر مطلق اور عالم مطلق نے کتنی باریکیاں اور حیرت انگیزیاں ہیں جو اس میں بھر دی ہیں۔

ان چند مثالوں پر غور وفکر کرنے کے بعد یہ بات بالکل واضح اور روشن ہو جاتی ہے کہ ان چیزوں کا پیدا کرنے والا، زیورِ وجود سے آراستہ کرنے والا لامتناہی علم ودانش کا مالک ہے اب جو سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ خداوند عالم نے ان چیزوں کو جو پیدا کیا ہے ان کی خلقت کے بعد آیا ان کا علم بھی رکھتا ہے؟

ہاں! یقیناً:

خدا کائنات کی ہر شئے کی خواہ وہ کسی جگہ کیوں نہ ہو، خبر رکھتا ہے۔ آسمان کی پیشانی پر ایک چھوٹے سے دور ترین ستارے کی چمک سے بھی سمندروں کے دور ترین ساحلوں پر مضطرب موجوں کے تلاطم سے، پہاڑ کے دامنوں میں انتہائی گہرے، حیرت انگیز خوفناک دروں سے عندلیب سحر کی خوش الحانیوں سے، درندوں کی چنگھاڑ سے، درختوں اور پتوں کے جھرمٹ میں جگنوں کی چمک دمک سے، سمندروں کی گہرائیوں میں انواع واقسام کی مچھلیوں کی تعداد سے ـــــــــ ہاں۔ بلند پہاڑوں جھکے ہوئے آسمانوں، وسیع دریاؤں، لق ودق صحراؤں ہیرے جواہرات سے بھری کانوں سے بھی ــــ خلاصہ چھوٹے سے چھوٹے ذرہ سے لیکر بڑی سے بڑی چیز سب کا علم پروردگار عالم کو ہے۔ قرآن میں ارشاد ہو رہا ہے ــــ "جو کچھ صحراؤں کے سینوں اور سمندر کی گہرائیوں میں ہے خدا اس سے آگاہ ہے ہر پتہ جو زمین پر گرتا ہے ہر دانہ جو زمین کی تاریکیوں میں اگتا ہے بلکہ ہر خشک وتر اس کے سامنے روشن وواضح ہے"

(سورہ انعام ۵۹)

خدا کیوں عالم ہے؟

اس لئے کہ ــــ کسی شے کا پیدا کرنے والا اپنی مخلوق سے آگاہ ہوا کرتا ہے

اور ہمیشہ وہ اس کا خیال رکھتا ہے اگر آپ کو ساتویں سبق کی مثال یاد ہو تو بات بالکل صاف ہے وہ صورت ذہنی جس کے آپ خالق ہیں اور وہ آپ کی مخلوق. آپ اس ذہنی تصویر سے باقاعدہ واقف ہیں اور ہر وقت اس کی طرف متوجہ ہیں. اور اگر ذرا سی آپ کی توجہ اِدھر اُدھر ہو جائے تو آپ کی یہ تصویر نابود ہو جائے گی۔

جیسا کہ ساتویں درس میں گذر چکا. اگر آپ اپنے صفحہ ذہن پر ایک آدمی کی تصویر کھینچے اور وہ آدمی چل پھر رہا ہو، آپ اس کی حرکات و سکنات سے پوری طرح واقف ہیں اور اس کا کوئی کام آپ کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں ہے. اس کی وجہ صاف ظاہر ہے وہ آپ کی خلق کردہ شے ہے اس کا وجود آپ کے تصور کا اور اس کی بقا آپکی توجہات کی مرہونِ منت ہے اگر آپ اسکا تصور نہ کرتے تو اس کا نام و نشان تک نہ ہوتا ـــ خداوند عالم نے تمام کائنات کو پیدا کیا ہے تمام کائنات کو زیورِ وجود سے آراستہ کیا ہے تمام کائنات کی بقا اسکے فیض کی مرہونِ منت ہے اور اسکی توجہات کا نتیجہ ہے اسی بنا پر خداوند عالم کائنات کی تمام حرکات و سکنات سے واقف ہے کائنات کی ایک مختصر و ناقابلِ احساس حرکت کا بھی علم رکھتا ہے۔

ہاں ـــ ہم نے جو اپنی ذہنی صورت کو وجود بخشا ہے اور خداوند عالم نے جو کائنات کو پیدا کیا ہے، ان دونوں میں ایک عظیم فرق ہے. وہ یہ کہ ہم اپنی بقا اور اپنے وجود میں خداوند عالم کے محتاج ہیں لیکن خدا ساری کائنات سے بے نیاز ہے اور تمام موجودات کا وہی خالق ہے۔ اسی بنا پر خالق حقیقی صرف خداوند عالم کی ذات ہے۔

خالق اور صانع میں فرق

جس شخص نے کمپیوٹر کو بنایا ہے وہ درحقیقت اس کا خالق نہیں ہے بلکہ اس نے

جو کارنامہ انجام دیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ چیزیں اور وہ مواد جو خام صورتوں میں پہلے سے موجود تھے انکو اپنی علمی مہارت اور فنکاری کی بنا پر ایک خاص شکل وصورت دیدی ہے لیکن یہ مشین آئندہ کن کن چیزوں کا حساب کرے گی اس بات سے اسکا بنانے والا غافل ہے اور بالکل یہی صورتحال ان تمام لوگوں کی ہے جنھوں نے اور دوسری چیزیں بنائی ہیں. لہٰذا ان تمام لوگوں کو اپنی بنائی ہوئی چیز کے بارے میں یہ خبر نہیں ہے کہ آئندہ اسکا کیا حشر ہوگا. اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ تمام لوگ اپنی بنائی چیزوں کو بالکل، عدم سے وجود میں نہیں لاتے ہیں بلکہ ان لوگوں نے موجودہ مواد کو ایک خاص شکل وصورت عنایت کی ہے مثلاً ہوائی جہاز جن چیزوں سے بنا ہے وہ تمام چیزیں پہلے کانوں میں موجود تھیں ان لوگوں نے ان چیزوں کو پگھلا کر ایک خاص سانچہ میں ڈھالکر ہوائی جہاز کی شکل وصورت دیدی. اس بنا پر یہ تمام لوگ اپنی بنائی ہوئی چیزوں کے خالق نہیں ہیں جسکی بنا پر یہ لوگ اپنی بنائی چیز کے مستقبل سے بے خبر ہیں اور اس بات کی خبر نہیں رکھتے کہ یہ چیز جو ہم نے بنائی ہے اسکا کیا حشر ہوگا. انھیں باتوں کی بنا پر ہم ان لوگوں کو صانع کہتے ہیں اور خالق حقیقی تو صرف خداوند عالم کی ذات ہے ہاں ان لوگوں کو مجازی طور پر خالق کہا جا سکتا ہے. لیکن خداوند عالم نے جن چیزوں کو پیدا کیا ہے وہ انکو بالکل عدم سے وجود میں لایا ہے اور اس نے جس چیز کو پیدا کیا ہے تو ان تمام چیزوں کو بھی پیدا کیا ہے جو اس چیز کے وجود کیلئے ضروری تھیں. اسی بنا پر خداوند عالم اپنی مخلوقات کی چھوٹی سے چھوٹی حرکت سے بھی واقف ہے جیسا کہ خود قرآن میں ارشاد ہوتا ہے

"کیا خالق اپنی مخلوق کے رازوں سے باخبر نہیں ہے" (سورہ ملک آیۃ ۱۴)

اب ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ ہم اور ساری کی ساری کائنات خداوند عالم کی نگاہ قدرت وعظمت سے پوشیدہ نہیں ہے. سفر ہو یا حضر، کائنات کا کوئی بھی گوشہ ہو دریا کی گہرائیاں ہوں یا آسمان کی وسعتیں صحرا ہو یا گلستاں، جہاں بھی ہوں وہ ہم سے دور نہیں ہے اگر ہم بند قلعہ میں بھی اچھا یا برا کام انجام دیں خدا اس سے آگاہ ہے اور وہ شخص جو ایسے عالم وقادر خدا پر ایمان رکھتا ہو کبھی گناہ یا برا کام نہیں کر سکتا.

دسواں سبق

قادرِ مطلق

وسیع اور پُراسرار کائنات

اگر ان اسرار و رموز سے بھری ہوئی کائنات کی کسی بھی چیز پر غور سے نظر ڈالی جائے اور فکر کی جائے تو جس ذات نے اس کو وجود بخشا ہے اس کی قدرت و عظمت مجسم ہو کر عقل کے سامنے آجاتی ہے۔

اب ذرا ان مثالوں پر غور کیجئے:

محکمہ دفاع

ملک کی فلاح و بہبود کے لئے جہاں یہ ضروری ہے کہ داخلی حالات درست ہوں اور امن و امان قائم ہو وہاں بیگانہ حملوں سے محفوظ رہنے کے لئے ایک "محکمہ دفاع" کی بھی ضرورت ہے تاکہ ملک دشمنوں کے حملوں سے محفوظ رہ سکے اور ترقی کی راہ میں قدم بڑھا سکے۔

جسم انسانی کی حیثیت بھی ایک ملک کی حیثیت ہے جہاں جسم کی صحت و تندرستی کے لئے داخلی نظام کا درست ہونا ضروری ہے وہیں یہ بھی ضروری ہے کہ خارج سے کوئی حملہ آور نہ ہو سکے۔ باقاعدہ دفاع اسی وقت ہو سکتا ہے کہ جب دشمن کے حملے کے مطابق اس کا جواب دیا جائے۔

اب ذرا غور فرمائیے کہ خداوند عالم نے اس جسم انسانی میں کس اعتبار سے محکمہ دفاع "کو ودیعت فرمایا ہے۔

دانشمندوں نے مدتوں غور و فکر کرنے کے بعد یہ بات کشف کی ہے کہ بدن کا دفاعی عملہ متعدد قسم کے " غدود " ہڈی کے گودے اور دوسرے مختلف (CELLS) وغیرہ پر مشتمل ہے۔ گرچہ یہ تمام چیزیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن اس اختلاف کے باوجود بھی اگر کوئی بیگانہ بدن پر حملہ آور ہوتا ہے تو سب مل کر اس کا مقابلہ کرتے ہیں اور اس میں کوئی کسر بھی نہیں اٹھا رکھتے ہیں ان کی تمام تر کوشش یہ ہوتی ہے کہ یہ زہریلا مادہ جو بدن میں داخل ہوا ہے کسی اعتبار سے نابود کر دیا جائے اور اس بات کا موقع نہ دیا جائے کہ بقیہ بدن میں سرایت کر سکے اور خرابیاں وجود میں لا سکے۔

جس وقت کوئی بیگانہ کشور جسم میں داخل ہوتا ہے تو سب کے سب اس نقطہ پر جمع ہو جاتے ہیں کہ جہاں سے وہ داخل ہوا ہے اور فوراً اس بیگانے جراثیم کے سامنے ایک مستحکم دیوار کی طرح کھڑے ہو جاتے ہیں اور مختلف راستوں سے اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ زہریلا مادہ بقیہ جسم میں سرایت نہ کرنے پائے۔

تعجب خیز بات تو یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے کہ ہر جراثیم کے مقابلے میں ایک جیسا عمل انجام دیتے ہوں بلکہ جیسے جراثیم ہوتے ہیں ویسا عمل انجام دیتے ہیں۔

مثلاً بعض تو جراثیم کے جسموں کو نیست و نابود کرتے ہیں بعض زہر کو سارے جسم میں سرایت ہونے سے مانع ہوتے ہیں۔ خواہ وہ زہر کسی قسم کا ہو۔ بعض کا کام یہ ہے کہ وہ جراثیم کو اَدھ مَرا کر دیتے ہیں۔ بعض کا کام زہریلے مادہ کو تہ نشین کرنا ہوتا ہے اور بعض کی ذمہ داری یہ ہے کہ جس وقت باہر سے خون جسم میں داخل کیا جاتا ہے تو وہ چیزیں جو اس جسم کے خون کے مطابق نہیں ہیں ان کو جسم کے خون کے موافق بنانا ہوتا ہے۔

سب سے زیادہ تعجب خیز اور حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ جسم انسانی کا "محکمۂ دفاع" اس بات پر بھی قادر ہے کہ ضرورت کے وقت دفاع کے لئے کچھ ایسے مواد پیدا کرے جنھیں آج تک علمی دنیا کشف نہیں کر سکی ہے۔

کائنات کی وسعتیں

"پالومار" نامی پہاڑ پر رصد خانہ "لسئون" قائم کیا گیا ہے اس کے سربراہ کا بیان ہے:

جب تک اس رصد خانہ کی دوربین ایجاد نہیں ہوئی تھی اس وقت تک دنیا کی وسعت جو ہم لوگوں کو معلوم تھی پانچ سو نوری سال[1] سے زیادہ نہیں تھی لیکن جب اس رصد خانہ کی دوربین وجود میں آئی تو اس وقت دنیا کی وسعت ایک ارب (۱۰۰۰۰۰۰۰۰۰) نوری سال تک پہونچ گئی جس کے نتیجہ میں لاکھوں نئی کہکشائیں کشف ہوئی ہیں اور بعض کہکشائیں تو ہم سے اتنی دور ہیں کہ ان تک پہونچنے کے لئے ایک ارب نوری سال کی مسافت درکار ہے۔ اور اس عظیم مسافت کے بعد جو چیز ہمارے سامنے آتی ہے وہ ایک خوفناک اور تاریک فضا ہے جس میں کوئی چیز بھی دکھائی نہیں دیتی۔ وہاں پر روشنی کا گذر تک نہیں ہے جس کی بنا پر یہ دوربین کسی چیز سے متاثر نہیں ہو پاتی۔ جس کے نتیجہ میں کوئی بھی تصویر ابھر کر سامنے نہیں آپاتی۔ لیکن اس گھٹا ٹوپ تاریکی کے باوجود بھی یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ اس تاریک فضا میں لاکھوں، کروڑوں کہکشائیں موجود ہیں اور یہ انھیں کہکشاؤں کی قوت جاذبہ ہے جس کی بنا پر ہماری دنیا قائم اور باقی ہے۔

"یہ دنیا جس میں ہم اور آپ زندگی بسر کر رہے ہیں اپنی تمام وسعتوں اور تمام

---

[1] نوری سال سے مراد وہ مسافت ہے جسے "نور" ایک سال میں طے کرتا ہے اور نور کی رفتار فی سکنڈ تین لاکھ کیلومیٹر ہے۔

کہکشاؤں کے باوجود اس عظیم کائنات کے مقابلہ میں ایک معمولی سے ذرے کی حیثیت رکھتی ہے اور یہ بات یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ اس عظیم دنیا کے علاوہ کوئی اور دنیا ہے یا نہیں۔"

اس بیان کی روشنی میں اب ذرا مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کے کلمات کی طرف توجہ تو فرمایئے حقیقت کس طرح مجسم ہو کر سامنے آجاتی ہے:

"پروردگارا!

ہماری قدرت سے باہر ہے کہ تیری عظمت اور قدرت کی تہ تک پہونچ سکیں۔ ہاں اتنا جانتے ہیں کہ تو حیّ و قیوم ہے۔ نہ تجھے نیند آتی ہے اور نہ اونگھ ______ نہ نگاہیں تجھ تک پہونچ سکتی ہیں اور نہ بصارتیں تجھے پا سکتی ہیں ______ فکر کی تجھ تک رسائی نہیں ____ لیکن تو لوگوں کی نگاہوں سے واقف ____ ان کی تمام عمریں تیرے علم میں ______ اور تو ہر چیز پر قادر ہے ______

باوجود اس کے کہ تیری پیدا کردہ چیزوں میں سے کسی ایک کو بھی صحیح معنوں میں نہیں سمجھ سکے ہیں۔ پھر بھی تیری قدرت و طاقت نے ہماری آنکھیں خیرہ کر دی ہیں اور تیری عظمت کو ہمارے سامنے مجسم کر دیا ہے۔ جب صورت حال یہ ہے کہ جو کچھ ہماری نظروں سے پوشیدہ ہے یا ہماری آنکھیں اس کے دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتیں، غیب کے پردے ہمارے اور ان کے درمیان پڑے ہوئے ہیں وہ ان نظر آنے والی چیزوں سے کہیں زیادہ عظیم ہیں ______" (نہج البلاغہ خطبہ ۱۵۹)

یقیناً خداوند عالم نے ان تمام چیزوں کو اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کیا ہے اور کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے کہ جو اس قدرت کی حدوں سے باہر ہو۔ یہ دنیا اسی خدا کے ارادے سے باقی ہے اور جب تک وہ چاہے گا باقی رہے گی۔ جھلمل جھلمل کرتے ہوئے ستارے، یہ دمکتا ہوا ماہتاب، یہ چمکتا ہوا آفتاب سب کے سب اس کی قدرت کے گیت

گار ہے ہیں۔ یہ دنیا کا عجیب و غریب نظام اس کی قدرت کاملہ کا قصیدہ پڑھ رہا ہے خداوند عالم اس بات پر بھی قادر ہے کہ جب چاہے اس عظیم کائنات کو جس کا ہر ذرہ غور وفکر کے قابل ہے درہم برہم کردے اور اس کی جگہ ایک نئی دنیا وجود میں لائے۔ ہرگز ایسا نہیں ہے کہ دنیا کو پیدا کرنے کے بعد اس کے اختیار میں کچھ نہ ہو بلکہ حرکت وسکون اضطراب اور امن سب اسی کے کرم کا نتیجہ ہے بغیر اس کے ارادے کے نہ تو کوئی چیز وجود میں آسکتی ہے اور نہ باقی ہی رہ سکتی ہے اس کائنات کا وجود اور اس کی بقا سب اس کے ارادے کا نتیجہ ہے۔

اسی بنا پر اس جہان پر عظمت کا پیدا کرنے والا، باقی رکھنے والا، نظم ونسق کی حفاظت کرنے والا صرف خداوند عالم ہے۔

نظام بالائے نظام

خداوند عالم نے اس دنیا میں گرچہ ایک خاص قسم کا نظام معین کیا ہے جسکی بنیاد پر آئندہ ہونے والے واقعات کی خبر دی جا سکتی ہے اور مستقبل کے بارے میں پیشن گوئی کی جا سکتی ہے لیکن بعض مواقع ایسے بھی آتے ہیں کہ جس وقت خداوند عالم اپنی قدرت کا خاص ایک جلوہ لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے جس میں ایک عجیب قسم کا نظام حکم فرما ہوتا ہے اور یہ نظام موجودہ اور عام نظام پر فوقیت رکھتا ہے۔

اس عجیب نظام کی مثالیں دامن تاریخ میں تو بے شمار بلکہ ہماری روزمرہ کی زندگی میں بھی کم وبیش آتی رہتی ہیں۔ یہی وہ مواقع ہیں جب یہ بات روشن ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ دنیا کی بقا خداوند عالم کے ارادے کی مرہون منت ہے۔ ہم سب کے سامنے ایسی کتنی مثالیں موجود ہیں خداوند عالم نے کس طرح صاحبان قدرت

وطاقت، جاہ وجلال سے سب کچھ چھین لیا اور ان کو کوڑی کا محتاج کر دیا اور کس طرح مظلوموں اور فقیروں کو صاحبِ اقتدار و شوکت بنا دیا۔

یہی وجہ ہے کہ وہ اشخاص جو خداوند عالم پر ایمان رکھتے ہیں وہ اپنی زندگی میں کسی وقت بھی اور کسی لمحہ بھی مایوس نہیں ہوتے۔ بلکہ جس وقت مایوسی کی تاریکی ہر طرف چھا جاتی ہے اس وقت بھی امید کی شمع ان کے دل میں روشن رہتی ہے اور اس شخص کو اتنا یقین واطمینان ہوتا ہے کہ اس بھیانک اور ڈس لینے والی تاریکی میں بھی خدا اس کو نجات دلا سکتا ہے اور امید کی صبح سے ہمکنار کرا سکتا ہے۔

جناب موسیٰ اور فرعون کے واقعہ کو ہم سب نے متعدد بار سنا اور پڑھا ہوگا۔ ظلم ڈھانے میں فرعون اپنی آپ مثال تھا۔ یہ فرعون تھا جو بنی اسرائیل کے لڑکوں کو صرف اس لئے قتل کروا دیتا تھا کہ جناب موسیٰ وجود میں نہ آسکیں۔ کیونکہ اس نے سن رکھا تھا کہ جناب موسیٰ کے ہاتھوں اس کا تخت وتاج خاک میں ملے گا۔ فرعون اپنے تئیں یہ خیال کئے ہوئے تھا میں اپنی اس تدبیر اور ان مظالم کی بنا پر اس بات پر قدرت پیدا کرلوں گا کہ جناب موسیٰ وجود میں نہ آئیں۔

لیکن اس کی تمام کوششیں نقش بر آب ثابت ہوئیں اور ساری تدبیریں رائیگاں اور خود فرعون ہی کی آغوش میں جناب موسیٰ نے پرورش پائی۔

جناب موسیٰ کی مادر گرامی کو خدا کی طرف سے یہ الہام ہوا کہ موسیٰ کو ایک صندوق میں رکھ کر دریائے نیل کی موجوں کے حوالے کر دیں۔ موجوں نے صندوق کو اپنی آغوش میں لیا اور لوریاں دیتی ہوئی فرعون کے قصر کی طرف لے گئیں۔ صندوق کا قصر سے نزدیک ہونا تھا کہ زوجۂ فرعون کی نظر صندوق پر پڑی صندوق کو دریا سے اٹھایا، دیکھا کہ ایک خوبصورت بچہ اس میں کھیل رہا ہے۔ یہ دیکھ کر زوجۂ فرعون نے فرعون سے کہا کتنا

اچھا ہو کہ ہم اس بچہ کو اپنی اولاد قرار دیں۔ زوجۂ فرعون کی یہ تمنا پوری ہوئی اور فرعون اس بات پر راضی ہو گیا۔

وہی بچہ جس کے لئے لاکھوں کروڑ بچے قتل کر ڈالے گئے فرعون نے پوری طاقت صرف کر دی جو کچھ اس کے امکان میں تھا اس میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی لیکن پھر بھی عاجز و ناتواں رہا، جناب موسیٰؑ وجود میں آ کے رہے اور خود اسی کے ہاتھوں جناب موسیٰؑ پروان چڑھے اسی کے گھر میں پلے بڑھے اور جس تخت و تاج کی حفاظت کے لئے فرعون دن رات کوشاں رہتا تھا، آخر کار جناب موسیٰؑ نے اس کے غرور شاہی کو خاک میں ملا دیا۔ تخت و تاج کو مسمار کر دیا۔ یہ خدا کی لامحدود قدرت کا ایک کرشمہ تھا۔

جناب یوسفؑ اور ان کے بھائیوں کا قصہ بھی ہم سب نے سنا اور پڑھا ہوگا جناب یوسفؑ کے بھائیوں نے جان توڑ کوشش کر ڈالی کہ جناب یوسفؑ کو قتل کر ڈالیں اور اسی بنا پر انھوں نے جناب یوسفؑ کو کنویں میں ڈال دیا۔ ظاہری اسباب و نظام کی بنا پر جناب یوسفؑ کا ڈوب کر مر جانا ضروری تھا۔ لیکن خداوند عالم نے جناب یوسفؑ کو بچا کر ظاہر کر دیا کہ ان ظاہری اسباب کے علاوہ بھی اسباب ہیں جو تمھارے اختیار سے باہر ہیں لیکن ہمارے اختیار میں ہیں۔ تمھارا خیال تھا کہ تم یوسفؑ کو پانی میں ڈبو دو گے لیکن ہم اسے عزیز مصر بنائیں گے۔

کفارِ مکہ نے آپس میں مل کر یہ معاہدہ کیا کہ پیامبر اسلامؐ کو قتل کر ڈالا جائے اور مسلمانوں کو طرح طرح کی اذیتیں پہونچائی جائیں۔ انھیں سب باتوں کی بنا پر تین سال تک پیامبر اسلامؐ کو "شعب ابی طالب" میں محصور رکھا اور بالکل قطع تعلق کر لیا اور کسی بھی قسم کی مدد کرنا جائز نہ تھا۔ کفار کی خواہش تھی کہ ان لوگوں کو اتنی ایذا دو کہ بھوک و پیاس کی شدت سے یہ لوگ دنیا سے رخصت ہو جائیں اور اسلام کی آواز یہیں پر دفن

ہو کر رہ جائے۔

آخر میں تو تمام قبیلے والوں نے مِل کر یہ فیصلہ کیا کہ ہم سب مِل کر پیامبر اسلامؐ کو قتل کر ڈالیں اور اس بات کے لئے جتنا بھی انتظام کر سکتے تھے کر ڈالا ذرا بھی کسر اٹھا نہ رکھی ظاہری اسباب کی بنا پر پیامبر اسلام کے بچنے کی کوئی امید نہ تھی۔ لیکن خدا کے ارادے نے ان کی تمام کوششوں پر پانی پھیر دیا اور ان کی امیدوں پر مایوسی کی اوس چھڑک دی۔ اور خود اپنے پیامبرؐ کی کس طرح حفاظت فرمائی جس کے نتیجہ میں دین مقدس اسلام دن دونی رات چوگنی ترقی کرتا گیا اور کفر و شرک کی تاریکی کافور ہوتی گئی۔

اگر ان چند مثالوں پر غور کیا جائے اور تھوڑی بہت فکر کی جائے تو یہ بات صاف اور واضح ہو جاتی ہے کہ دنیا کا سارا نظام خداوند عالم کے ارادے کا پابند ہے اور وہ جب چاہے ایک اور نظام جو اس موجودہ نظام کے علاوہ ہو اور اس پر حاکم ہو جاری کر سکتا ہے۔

اب اس مقام پر عقل چراغ ہدایت لیکر آگے بڑھتی ہے اور انسان کو متوجہ کرتے ہوئے یوں خطاب کرتی ہے کہ:

وہ خدا جو اتنی قدرت و طاقت والا ہو اور اتنا مہربان ہو تو حق یہ ہے کہ ہم اس کی بارگاہ میں سرِ تسلیم خم کر دیں اس کی جناب میں جبہ سائی کریں صرف اسی کی عبادت کریں اس نے جن باتوں کا حکم دیا اس کی تعمیل میں ہمیشہ کوشاں رہیں اور ہمیشہ اس کی مخالفت سے پرہیز کریں گناہ کرنا تو در کنار فکر گناہ بھی نہ کریں۔

یہ خدا ہی کا کرم ہے جس نے ہم کو مختلف منزلوں اور متعدد راستوں سے گذار کر عقل و شعور کی اس منزل تک پہونچایا ہے۔ ہمارے پاس جو کچھ بھی عقل و شعور و احساس کی دولت ہے یہ اس کی بدولت ہے اب اس صورت میں کیا درست ہے کہ ہم اس

خدا کو بھول جائیں اس کی مخالفت وگناہ میں سرگرم رہیں۔

بے شک جو شخص ایسے قادر مطلق اور مہربان خدا پر ایمان کامل رکھتا ہے وہ بڑی سے بڑی مشکلوں میں بھی نہیں پریشان ہوتا بلکہ ہشاش بشاش اور چہرے سے سکون واطمینان کے آثار نظر آتے ہیں۔

بڑی سے بڑی مصیبتیں جس میں عام لوگ ہوش وحواس کھو بیٹھتے ہیں ایسی عظیم مشکلیں جس میں بظاہر کوئی مشکل حل ہوتی نظر نہیں آتی ہے لیکن جو شخص خدا پر ایمان رکھتا ہے اس کی نظر میں یہ ساری کی ساری مصیبتیں اور مشکلیں قابل حل ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ایسے سخت اور بھیانک مواقع پر بھی یہ شخص ایک عزم راسخ اور مصمم ارادے کے ساتھ مشکل کو حل کرنے کی فکر و کوشش میں لگا رہتا ہے اور اپنے اسی مصمم ارادے سے مایوسیوں کے پہاڑ کے پرخچے اڑا دیتا ہے کیونکہ اس کو اس بات کا یقین ہے کہ میری پشت پناہ وہ ذات ہے جس کی قدرت وطاقت کی کوئی حد وانتہا نہیں اس کا ایک ہلکا سا اشارہ ان تمام مشکلات کو پانی کر دے گا۔

ذرا آپ عرب کے اس ماحول کا تصور کریں جس وقت رسولِ خداؐ کی آواز پر لبیک کہنے والا چند اشخاص کے علاوہ کوئی بھی نہیں تھا بلکہ پورا عرب مل کر آنحضرتؐ کی مخالفت پر تلا ہوا تھا ہر طرف مخالفت کی آندھیاں چل رہی تھیں۔ چاروں طرف سے عداوت کے پتھر برسائے جا رہے تھے آنحضرتؐ کو قتل کرنے کی مسلسل کوششیں جاری تھیں۔ اگر کوئی بھی آنحضرتؐ کی آواز پر لبیک کہتا تو وہ مصائب کا شکار ہو جاتا۔ مگر اسی ظلم وجور سے بھرے ہوئے ماحول میں بلالؓ نے آنحضرتؐ کی آواز پر لبیک کہی۔ لبیک کہنا تھا کہ مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ یہاں تک کہ ریگستان کی اس چلچلاتی دھوپ میں جہاں پروانا گرتا تو بھن جاتا۔ بلالؓ کو اس تپتی ہوئی زمین پر لٹا کر ایک دہکتا ہوا پتھر سینہ پر

رکھ کر اور تازیانے لگانا شروع کر دئے لیکن بلالؓ کی زبان پر احداً احداً کے سوا کچھ نہ تھا۔ آخر کار ظالم تھک گئے اور بلالؓ نے عملاً بتا دیا کہ جو کوئی خدا پر ایمان رکھتا ہے وہ ان مصائب سے ہرگز نہیں گھبراتا۔ اور آخر کار کامیابی اسی کے قدموں کا بوسہ لیتی ہے۔

بے شک جس شخص کے دل میں ایمان خداوندی کی شمع روشن ہو یاد خدا سے دل لبریز ہو وہ کبھی اپنے کو تنہا محسوس نہیں کرتا اور کبھی بھی مایوس نہیں ہوتا۔

یقیناً یہ شخص ہمیشہ اپنے کو سعادت مند بنانے کے لئے اور شریفانہ زندگی بسر کرنے کے لئے سعی و کوشش میں لگا رہتا ہے اور کبھی بھی ذلت و خواری اس کی زندگی میں راہ نہیں پاتی یہی شخص ہمیشہ باعزت و با سکون زندگی بسر کرتا ہے۔ اور مشکلات کے مقابلہ میں سینہ سپر رہتا ہے۔

گیارہواں سبق

عبادت صرف خدا کی

انسان نے جب سے روئے زمین پر قدم رکھا ہے اس وقت سے اب تک مسلسل موجوداتِ عالم کے بارے میں غور و فکر میں مشغول و مصروف ہے کہ اس کائنات کا پیدا کرنے والا کون ہے۔ کائنات کے خالق کی تلاش اس کی فطرت میں شامل ہے اور اسی فطری تقاضے کی بنا پر وہ مسلسل سعی و کوشش میں لگا ہوا ہے۔

جب انسان تمدن اور سماجی ماحول سے کافی دور تھا جنگلوں اور غاروں میں زندگی بسر کر رہا تھا جب اس کی نظر اپنے گردوپیش کے ماحول پر پڑی، آسمان و زمین، دن رات، آفتاب و ماہتاب، ستاروں کے جھرمٹ اور دامن شب میں ان کی آنکھ مچولیاں نسیم سحر کے فکر آفریں جھونکے، زمین کو بالیدگی عطا کرنے کے لئے بارش کی رم جھم، لہلہاتے کھیت مہکتے چمن گلستانوں میں طائران خوش الحان کی نغمہ سرائیاں، غرض جس پر بھی نظر پڑی، جہاں نگاہ ٹھہری ہر ایک میں ایک خاص قسم کا نظم و ضبط پایا اور جب اس انسان کی نظر اپنے وجود پر پڑی، اپنے جسم کے ہر عضو کے درمیان ایک خاص قسم کا نظام پایا جو اس کی زندگی کی بقا کے لئے سرگرم عمل ہے اور ایک خاص مقصد کے تحت اپنی تمام ذمہ داریوں کو انجام دے رہا ہے۔

ان تمام باتوں پر غور کرنے کے بعد ذہن انسانی میں یہ نتائج برآمد ہوئے ہیں،

① ان کا کوئی پیدا کرنے والا ضرور ہے۔ کیونکہ یہ حیرت انگیز نظم و ضبط کسی اتفاقی حادثہ کا نتیجہ نہیں ہے۔

② اس وسیع کائنات کا ایک مقصد ہے جس کے تحت اس کی خلقت ہوئی ہے اور چونکہ انسان بھی اس عظیم کائنات کا ایک جزو ہے لہٰذا اس کی زندگی کا بھی ایک مقصد اور ھدف ہے۔

③ اس وسیع کائنات کا پیدا کرنے والا بے پناہ قدرت وعظمت کا مالک ہے اسکی عظمتوں کے سامنے سر بسجود ہونا چاہئے اور اسکی عبادت کرنا ضروری اور لازمی ہے۔

④ اس کائنات کا خالق اس کائنات کی تمام چیزوں سے باخبر ہے اور ہر ایک کا علم رکھتا ہے انسان کے تمام حرکات وسکنات اور سارے اعمال وافعال پر اس کی نگاہ ہے۔

لہٰذا اب اس کی عبادت اور پرستش کیلئے کسی کو واسطہ بنانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ انسان براہِ راست خالق کائنات کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو سکتا ہے، فرشتوں ستاروں، بتوں یا دوسری مخلوقات کو واسطہ بنا کر عبادت کرنے کا کوئی معقول مفہوم نہیں ہے بلکہ "شرک" ہے۔

توحید سے انحراف کے اسباب

اب تک جو کچھ بیان کیا گیا یہ انسانی پاکیزہ سرشت اور غیر آلودہ فطرت کی ترجمانی ہے۔ یہ اس وقت کا تذکرہ ہے جب انسانی فطرت ماحول اور سماج کی غلط تعلیمات اور بیہودہ رسم ورواج سے ملوث نہ ہوئی ہو۔ خاندان اور معاشرے کی غلط تربیت اس پر اثر انداز نہ ہوئی ہو، یہ جو ہم کہتے ہیں کہ انسان فطرۃً خدا پرست ہے یہ اس وقت ہے جب انسانی ذہن رسم ورواج سے آلودہ نہ ہوا ہو۔ اب انسان شاہراہ توحید سے کیونکر منحرف ہوا۔ خدا کو چھوڑ کر بت کے سامنے کیوں سر تسلیم خم کرنے لگا۔ اس کے مختلف اسباب ہیں جن میں سے بعض کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

① بعض بت پرست یہ کہتے تھے کہ "چونکہ ہماری عقلیں خدا تک پہونچنے سے قاصر ہیں اور اس کی کوئی سمت اور جہت بھی نہیں ہے تاکہ اس طرف رخ کر کے اس کی عبادت کریں. لہذا ہم مجبور ہیں کہ ہم کچھ ایسے اشخاص اور ایسی چیزوں کی عبادت کریں جو اس کے نزدیک محترم اور مقرب بارگاہ ہوں تاکہ یہ ہم سے خوش ہو کر ہمارے اور خدا کے درمیان واسطہ بن جائیں اور ہمیں خدا سے قریب کر دیں"

یہ لوگ اس بات سے غافل ہیں گرچہ خدا کی کوئی سمت اور جہت نہیں ہے، لیکن وہ ہر شئے پر حاوی ہے اور ہر جگہ ہے. کوئی بھی جگہ اس سے خالی نہیں ہے. لہذا جس طرف بھی رخ کیا جائے خدا موجود ہے اور بغیر کسی واسطے کے اس سے راز و نیاز کر سکتے ہیں اور اس کی عبادت بجالا سکتے ہیں.

"فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ" (سورہ بقرہ آیۃ ۱۱۵)

جس طرف بھی رخ کرو خدا اس طرف ہے.

② کبھی یہ ہوتا تھا کہ کسی قبیلہ کا سردار جس کی لوگ بے حد عزت و احترام کرتے تھے اس کی عظمت و بزرگی کے قائل تھے، جب اس سردار کا انتقال ہو جاتا تو اس کی یاد میں اس کا مجسمہ بناتے اور اس کا احترام کرتے. خدا کی عبادت کرتے وقت اس کی طرف بھی توجہ کرتے مگر عبادت خدا ہی کی کرتے. لیکن رفتہ رفتہ ان کی توجہات خدا سے ہٹ کر اس مجسمہ پر مرکوز ہو گئیں اور دھیرے دھیرے اس مجسمہ نے بت کی صورت اختیار کر لی اور اب عبادت صرف اسی بت کی ہونے لگی. آنے والی نسلیں اسی بت کی عبادت کو اصل عبادت سمجھ بیٹھیں. تاریخ کے دامن میں یہ بات موجود ہے کہ قابیل کی اولاد نے اپنے بزرگ خاندان "وُد" کی یاد میں ایک مجسمہ تیار کیا اور اس کا احترام رفتہ رفتہ عبادت اور پرستش کی صورت اختیار کر گیا اور لوگ اسی کے سامنے سر بسجود ہونے لگے اور اس کی

عبادت کرنے لگے۔ (بحار الانوار جلد ۳ ص ۲۵۰ طبع جدید)

(۳) انسان بعض موجودات کا احترام اس بنا پر کرتا تھا کہ وہ اس کے لئے فائدہ بخش اور مفید ہیں اور ان چیزوں کو مظہر خداوندی تصور کرتا تھا اور یہی احترام آہستہ آہستہ عبادت میں تبدیل ہو گیا اسی نظریے کے تحت قدیم ایران میں آفتاب اور آگ کی پوجا عام تھی اور ہندوستان کی آریائی قوم بھی اس نظریے کی حامی تھی۔ بعد میں آنے والی نسلیں یہ سمجھ نہ سکیں کہ ہمارے بزرگ ان چیزوں کے احترام کے قائل تھے یا ان کی عبادت کیا کرتے تھے۔

اس قسم کی تمام باتیں مل کر دنیا میں شرک اور بت پرستی کا سرچشمہ قرار پائیں۔ انسان توحید کی شاہراہ سے ہٹ کر شرک کی پُرپیچ وادیوں میں بھٹکنے لگا۔ اس نے اپنے عقائد کے سلسلے میں کبھی غور و فکر کرنے کی زحمت گوارا نہ کی اور اپنے آباء و اجداد کے غلط نظریے کو ہی حرف آخر خیال کر بیٹھا۔

ادیانِ الٰہی اور شرک

ادیان الٰہی کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ انسان کو شرک کی پُرپیچ وادیوں سے نکال کر شاہراہ توحید پر گامزن کریں۔ قرآن کریم انبیاء کی جانفشانیوں کا تذکرہ کرتا ہے کس طرح سے انھوں نے اس راہ میں تبلیغ کی اور کس انداز سے لوگوں کو توحید کی دعوت دی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ ان الفاظ میں ملتا ہے۔ انھوں نے وہاں کے لوگوں سے دریافت کیا کہ:۔

"—— یہ مجسّمے کیا ہیں جن کی تم عبادت کرتے ہو؟

—— ہم تو اسی راستے پر چل رہے ہیں جن پر ہمارے آباء و اجداد چلا کرتے تھے۔

—— تم بھی گمراہ ہو اور تمہارے آباء و اجداد بھی کھلی ہوئی گمراہی کا شکار تھے۔"

اب جناب ابراہیم علیہ السلام نے انداز تبلیغ بدل دیا انھوں نے یہ فیصلہ کرلیا کہ یہ لوگ منطقی دلیلوں سے سمجھنے والے نہیں ہیں اب ان کو عملی طور پر دکھانا چاہیئے کہ یہ بُت پرستش کے لائق نہیں ہیں۔

ایک بار جب تمام لوگ شہر کے باہر چلے گئے اور بت خانہ بالکل خالی ہوگیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے موقع کو غنیمت شمار کرتے ہوئے سارے بتوں کو توڑ ڈالا، اور "تبر" بڑے بت کی گردن میں ڈال دی۔ جب لوگوں کو اس کی اطلاع ہوئی تو سخت ناراض ہوئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہنے لگے "کیا تم نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے؟؟"

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں وہ چیز ارشاد فرمائی جس سے انلوگوں کو اپنے آئین و مذہب کی عدم حقانیت کا باقاعدہ احساس ہو جائے۔ وہ جواب یہ تھا "خود انھیں سے سوال کرو"

یہ جواب سنکر تھوڑی دیر تک سوچتے رہے پھر شرمساری سے کہنے لگے کہ آپ کو تو معلوم ہے کہ یہ بول نہیں سکتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ "پھر ایسے بے بسوں کی عبادت کیوں کرتے ہو جو اپنے آپ سے دفاع تک نہیں کر سکتے؟ ذرا غور و فکر سے کام لو، عقل کو بھی استعمال کرو۔[1]"

ان عظیم رہبروں کی ہمیشہ کوشش یہی رہی کہ انسان کو توحید کا پرستار بنایا جائے ان کو ہمیشہ اس کی طرف دعوت بھی دیتے رہے اور انھیں یہ بات بھی باور کراتے رہے کہ ہر وقت اور ہر جگہ خدا کی عبادت کی جاسکتی ہے اور بغیر کسی واسطہ کے بجالائی جاسکتی ہے۔

[1] اقتباس از سورہ انبیاء آیات ۵۱ـ۷، سورۂ صافات آیات ۹۸ ـ ۸۲

سر تسلیم خدا کی بارگاہ عظمت میں خم ہونا چاہئے۔ خدا کی عبادت میں کسی کو بعنوان شریک، شریک نہیں کیا جا سکتا اور اگر وقتِ عبادت کسی غیر کو ملحوظ خاطر رکھا گیا تو یہ عبادت مورد قبول واقع نہ ہو گی۔

آثارِ توحید

آزادی اور استقلال

جو شخص خدائے واحد پر یقین رکھتا ہے اور اس بات پر اعتقاد ہے کہ وہ ہر چیز کا جاننے والا، اور ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے، دنیا کی تمام چیزیں اسی کی بنائی ہوئی ہیں اب دنیا کی بڑی سے بڑی طاقتیں بھی اس پر ذرہ برابر اثر انداز نہیں ہو سکتیں۔ دولت و ثروت بھی اس کا سر اپنے سامنے خم نہیں کروا سکتیں۔ اب وہ اپنے آپ میں ایک خاص قسم کا استقلال محسوس کرتا ہے جو اس کو دوسروں سے بے نیاز کر دیتا ہے ہاں اس کا سر صرف خدائے وحدہٗ لاشریک کی بارگاہِ قدس میں جھکے گا اور اسی ذات سے اپنی مشکلات کا حل طلب کرے گا۔

قدیم ایرانیوں کا رویہ یہ تھا کہ وہ اپنے حکمرانوں اور بادشاہوں کے سامنے بے چوں و چرا سر نیاز خم کر دیتے اور ان کو مظہر خداوندی خیال کرتے تھے اپنی تمام

آزادی اور شخصیت کو ان کے قدموں پر نثار کر دیتے تھے۔ ان لوگوں کو نہ انفرادی آزادی حاصل تھی اور نہ اجتماعی۔

جنگ قادسیہ کے موقع پر عربوں کا نمائندہ جب ایران کے سردار سے ملاقات کے لئے آیا تو وہ بغیر کسی تکلف کے زمین پر بیٹھ گیا اور ان کے رعب و دبدبہ کو ذرا بھی نظروں میں نہ لایا۔ جب ایران کے سردار نے اس سے اس کا مقصد دریافت کیا تو اس نے جواب میں کہا:

"خداوند عالم نے ہمیں منتخب کیا ہے تاکہ ہم لوگوں کو انسان پرستی سے نجات دلائیں اور خدا پرستی کی طرف دعوت دیں انھیں غلامی کی قید و بند سے آزادی دلائیں باطل ادیان سے چھٹکارا دلائیں اور اسلام جیسے عدل پرور اور عدالت گستر نظام کی دعوت دیں۔"[1]

واقعی اور حقیقی عدل

خدا پر عقیدہ رکھنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ قانون خداوندی کی پیروی کریں جس کی بنیاد عدل و انصاف پر ہے یہ بات بالکل واضح ہے کہ قانون الٰہی کی پیروی ہی عدالت کو دنیا میں عام کر سکتی ہے اور اسی قانون کے سایہ میں ظلم و جور سے نجات مل سکتی ہے۔

---

[1] تاریخ طبری جلد ۵ صـ ۲۲۶۹ صـ ۲۲۷۱۔

اس کے برخلاف شرک اور بت پرستی کبھی بھی دنیا میں عدالت کو عام نہیں کرسکتی بلکہ ہمیشہ جور و ستم پھیلتا رہے گا۔ کیونکہ ہر قوم و قبیلہ نے اپنے لئے ایک الگ خدا بنا رکھا ہے اور وہ اپنے خدا کے بھروسے پر دوسرے قبیلے پر ظلم و جور کو روا سمجھتا ہے جسکے نتیجے میں فساد بڑھتا ہی جاتا ہے اور جہالت روز بروز پھیلتی جاتی ہے۔

عقیدہ توحید انسان کو آزاد، پاکیزہ خیال، متحد اور مطمئن بناتا ہے ظلم و جور کے بھیانک ماحول سے نکال کر امن و امان کے دامن میں جگہ دیتا ہے۔

ان تمام باتوں کو پیش نظر رکھنے کے بعد اب کلمہ توحید کے راز کس قدر واضح ہو جاتے ہیں۔

قُوْلُوْا لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا

دل کی گہرائیوں سے کہو کہ خدا کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے تاکہ کامیاب و کامران ہو جاؤ۔

توحید یا شرک

خیر و شر

مشرکین کا یہ عقیدہ ہے کہ موجوداتِ عالم کی دو قسمیں ہیں (۱) خیر (۲) شر، اور اسی بنیاد پر وہ اس بات کے قائل ہیں کہ اس کائنات کے دو خالق ہیں۔ ایک وہ خدا جس نے خیر (اچھائیوں) کو وجود دیا ہے اور اس کا نام "یزداں" ہے۔ دوسرا وہ خدا جس نے شر (برائیوں) کو پیدا کیا ہے اور اس خدا کو یہ لوگ "اہرمن" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ خدا کو ہر نقص و عیب سے پاک اور منزہ ہونا چاہئے اور اسی بنا پر یہ دو خداؤں کا عقیدہ وجود میں آیا مگر یہ لوگ اس بات سے غافل تھے کہ یہ نظریہ ان کو توحید سے نکال کر شرک کی وادی میں کھڑا کر دے گا۔ اسی کے ساتھ ایک دوسرے اشتباہ کا بھی شکار ہو گئے جو کہ اصل اور بنیادی تھا۔ اور وہ اشتباہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے موجودات کی دو قسمیں کی ہیں ایک "خیر" اور دوسرے "شر"۔

لیکن اگر پورے نظام کائنات کو نظر میں رکھا جائے اور وسعت فکر و نظر سے کام لیا جائے تو ہر چیز اپنی جگہ "خیر" ہے اور "شر" کا وجود نہیں ہے، ان لوگوں کا خیال ہے کہ خیر اور شر میں کوئی واسطہ نہیں ہے اور ایک دوسرے کا وجود بالکل جداگانہ ہے اور چونکہ خیر اور شر دو الگ الگ حقیقتیں ہیں لہٰذا دونوں کے جداگانہ خالق ہیں۔ یزداں خیر کا خالق ہے اور اہرمن شر کو وجود دینے والا، مگر یہ تصور اس مسئلہ کا حل نہیں ہے۔

کیونکہ اگر ذرا بھی غور و فکر سے کام لیا جائے تو اکثر مقامات ایسے ہیں جہاں خیر و شر کا وجود ایک دوسرے سے بالکل جدا نہیں ہے۔ جیسے کہ بارش یہ کسانوں، کاشتکاروں اور باغبانوں وغیرہ کے لئے نعمت ہے اسی لئے یہ لوگ بارش کے لئے دعائیں کرتے ہیں مگر یہی بارش ان لوگوں کے لئے جن کے مکانات مٹی اور گارے سے بنے ہوئے ہیں ایک عذاب ہے یہ لوگ ہمیشہ بارش کے نہ ہونے کی دعا کرتے ہیں۔

بارش کا دو الگ الگ وجود نہیں ہے کہ جن میں ایک خیر ہو اور دوسرا شر۔ تاکہ ہر ایک کا پیدا کرنے والا دوسرے سے جدا ہو۔ یہاں تو بارش کا صرف ایک وجود ہے تو اب اس کے لئے دو خالق کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ لہٰذا اب یہ بات بالکل واضح ہے کہ مشرکین کا نظریہ "ثنویت" اس مسئلے کا حل نہیں ہے۔

اس مسئلے کا حل جو قرآن اور احادیث سے استفادہ ہوتا ہے اور جس کی عقل سلیم بھی تائید کرتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ تمام چیزیں جن کی اچھائیاں ہمارے لئے روشن نہیں ہیں مثلاً بھوک، پیاس، رنج و غم سردی گرمی، زہریلے جانور سانپ بچھو وغیرہ۔۔۔ یہ سب اس بنا پر ہے کہ ہم ان تمام چیزوں کو بہت ہی سطحی نگاہ سے دیکھتے ہیں لہٰذا ان کا صرف ایک پہلو ہم دیکھ پاتے ہیں لیکن اگر ہم ذرا وسعت نظر سے کام لیں اور ساری دنیا کے نظام کو نگاہ میں رکھیں تو بہت جلد ہم اس حقیقت سے واقف ہو جائیں گے کہ ہر چیز اپنی جگہ لاجواب ہے اور خیر ہی خیر ہے۔ مزید وضاحت کے لئے ذیل کی باتوں پر غور فرمایئے۔

حفاظتی اقدامات

انسان کا جسم گوشت اور ہڈیوں کا مجموعہ ہے جس کی بنا پر یہ خطرات سے

محفوظ نہیں ہے صرف آگ اس بات پر قادر ہے کہ چند لمحوں میں اس کو جلا کر بالکل خاکستر اور راکھ کا ڈھیر بنا دے دوسری چیزیں اسے نقصان پہونچا سکتی ہیں۔ اس کو ختم کر سکتی ہیں ایک معمولی سا تصادم اس کی ہیئت اجتماعی کو بگاڑ سکتا ہے۔ اس قسم کے خطرات سے محفوظ رکھنے کے لئے خداوند عالم نے اس بدن میں ایسی چیزیں ودیعت فرمائی ہیں جو بدن کو خطرات سے محفوظ رکھتی ہیں اور ہلاک ہونے سے بچاتی ہیں۔

(۱) بھوک اور پیاس ہو سکتا ہے ابتدا میں اچھی معلوم نہ ہوں اور ان کو لوگ ایک زحمت خیال کریں۔ مگر یہی چیزیں بدن میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ بدن میں جو لاتعداد چھوٹے چھوٹے "خلیے" ہیں یہ اس قدر حساس ہیں کہ ذرا بھی ان کی غذا میں کمی واقع ہو جائے تو یہ فوراً دم توڑ دیتے ہیں جس کے نتیجے میں انسان بھی موت سے ہمکنار ہونے لگتا ہے تو یہ بھوک اور پیاس کا احساس انسانی زندگی کی بقا کے لئے بہت ہی ضروری اور لازمی ہے

(۲) درد و غم کا احساس بھی ایک عظیم نعمت ہے۔ انسان کے اعصاب جو ایک جال کی طرح سارے جسم میں پھیلے ہوئے ہیں یہ انسان کے بدن میں مواصلاتی کام انجام دیتے ہیں۔ یہ معمولی سے رنج و درد سے انسان کو باخبر کر دیتے ہیں اور انسان کو اس بات پر آمادہ کرتے ہیں کہ وہ اس تازہ مصیبت کے مقابلے میں کوئی اقدام کرے تاکہ وہ صحیح و سالم رہے۔

اگر یہ درد و غم کا احساس نہ ہوتا تو مریض کبھی بھی علاج کی طرف توجہ نہ دیتا اگر یہ احساس کی دولت انسان کے پاس نہ ہو تو اس کا جسم جل کر بھسم ہو جائے اور اسے خبر بھی نہ ہو۔ ہڈیاں ٹوٹ جائیں اور اس کا پتہ نہ چلے۔ اسی طرح انسان زندگی کی نعمت

سے محروم ہو جائے۔

یہ جو انسان میں اس قدر حساسیت پائی جاتی ہے جس کی بنا پر انسان ذرا سی بھی تکلیف برداشت نہیں کر پاتا یہ اس بنا پر ہے کہ انسان برابر خطرات سے آگاہ ہوتا رہے اپنی سلامتی اور بقا کے لئے کوشاں رہے اور اگر جسم کو کوئی نقصان پہونچا ہے تو اس کا علاج کرے تا کہ دوبارہ صحیح و سالم ہو کر اپنی زندگی کو باقی رکھے۔ اور آئندہ کے لئے احتیاطی تدابیر اختیار کرے۔

سختگی اور پختگی

دانشوروں کا کہنا ہے کہ دنیا دنیائے حرکت اور کمال ہے۔ ترقی اور کمال کا سختیوں اور دشواریوں سے ایک خاص ربط ہے اور دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے کیونکہ یہی مشکلات اور سختیاں ہیں جو روح انسانی کو قوی اور پختہ بناتی ہیں یہی سختیاں ہیں جو بڑے بڑے سورماؤں اور عظیم مفکروں کو وجود میں لاتی ہیں جب تک انسان مشکلات اور مصائب کی بھٹی میں تپایا نہیں جاتا اس وقت تک اس کی روح کندن نہیں بنتی اور اس کے جوہر سامنے نہیں آپاتے۔ یہی سختیاں اس کے کمال کے ظہور کا سبب قرار پاتی ہیں اور اسے ارتقائی مدارج تک پہونچاتی ہیں۔

تاریخ بشریت میں عظیم شخصیتیں وہی ہیں جنھوں نے زندگی کے نشیب و فراز دیکھے ہیں اور مشکلات کو مسکرا کر برداشت کیا ہے۔ شمع اس وقت روشنی پھیلاتی ہے جب خود جلتی ہے ؎

رنگ لاتی ہے حنا پتھر پہ گھس جانے کے بعد

نیپولین کا کہنا ہے کہ "آلام و شدائد انسانی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے

ہیں اور اسے کامل تر بناتے ہیں۔"

دشواریاں اور مشکلات انسان کے پوشیدہ کمالات اور صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کا بہترین ذریعہ اور وسیلہ ہیں جس کی بنا پر انسان مادی، معنوی، علمی، صنعتی..... تمام منزلوں کو بآسانی طے کر سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جتنے بڑے بڑے لوگ گزرے ہیں ان میں سے اکثر وہ ہیں جو بہت ہی معمولی اور حقیر جھونپڑیوں میں زندگی بسر کرنے والے تھے۔ سختیوں اور مشقتوں نے انکے اندر پوشیدہ صلاحیتوں کو اجاگر کر دیا اور فکری رہوں کو کھول دیا۔ کمال اور ترقی کی دشوار گذار راہیں بھی ان کے لئے آسان ہو گئیں۔

تندیٔ باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

علم اور تمدن کی تاریخ گواہ ہے کہ سختیاں ہی آج کی تمام ترقیات کا پیش خیمہ ہیں کیونکہ اگر یہ سختیاں نہ ہوتیں تو انسان کو کبھی یہ فکر تک نہ ہوتی کہ اس سے بہتر زندگی بھی بسر کی جا سکتی ہے اور جب فکر نہ ہوتی تو تلاش و کوشش کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے اور جیسے جیسے انسان مشکلات پر قابو پاتا گیا ویسے ویسے ترقی کی راہیں روشن ہوتی گئیں۔

اب یہ بات صاف روشن ہو جاتی ہے وہی لوگ سختیوں اور مشکلات سے بیزار ہیں جو ان کے عظیم فوائد سے آشنا نہیں ہیں۔

اچھائی اور برائی کا معیار

آریہ جو سردی، گرمی، سانپ، بچھو..... کے برے ہونے کے قائل تھے، وہ

اس بنا پر تھے کہ ان لوگوں نے اچھائی اور برائی کا معیار اپنی ذات کو قرار دیا تھا اور اپنے ذاتی فائدے اور نقصان کی بنا پر چیزوں کی اچھائی (خیر) یا برائی (شر) کے معتقد تھے۔ جب کہ اپنے ذاتی مفاد کو معیار قرار دینا سراسر خلاف عقل ہے بلکہ دیکھنا چاہیئے کہ یہ چیز نظامِ کائنات کے لحاظ سے کیسی ہے اور اس نظم کائنات میں کیا کردار ادا کر رہی ہے۔

جب ہم کائنات کو نظر میں رکھنے کے بعد چیزوں کا مطالعہ کریں گے تو ہمیں بہت جلد اس بات کا یقین ہو جائے گا وہ چیزیں جنھیں ہم برا خیال کرتے تھے ان کا وجود اس کائنات کی ترقی اور کمال کے لئے کس درجہ ضروری ہے۔ اسی سردی اور گرمی کی بنا پر رشد و نمو پیدا ہوتا ہے۔ خزاں بہار میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ ہر ایک ذرہ بے حس میں حیات دوڑنے لگتی ہے۔

جو لوگ اچھائی اور برائی کا معیار اپنی ذات کو قرار دیتے ہیں ان کی مثال اس چیونٹی جیسی ہے جو انسان کے بارے میں اس نظریئے کا اظہار کرے کہ اس انسان کے وجود کا کیا فائدہ یہ تو صرف ہمیں کچلا کرتا ہے اور اس کا کوئی کام نہیں اور چونکہ اس کا وجود ہمارے لئے بے فائدہ ہے لہذا یہ "شر محض" ہے اور اس کے وجود سے کیا فائدہ؟

یا یوں کہیں یہ ہوائی جہاز، یہ بڑی بڑی مشین چونکہ ہمارے لئے مفید نہیں ہیں لہذا بالکل بے فائدہ اور مضر ہیں۔

کیا انسان چیونٹیوں کے اس فیصلے کو قبول کرنے پر تیار ہے جو انسان اور اس کی مصنوعات کے بارے میں کیا ہے۔

انسان کبھی بھی اس فیصلے کو قبول نہیں کرے گا اور یہ کہے گا کہ یہ فیصلہ ایک

زبردست اشتباہ کا نتیجہ ہے اور وہ اشتباہ یہ ہے کہ اس نے سود و زیاں فائدہ اور نقصان کا معیار اپنی ذات کو قرار دیا ہے اور اپنے ذاتی مفاد پر ہر ایک چیز کو پرکھا ہے یہ بالکل ایسا ہے جیسا کہ سمندر کے ساحل پر بسنے والا یہ کہے کہ یہ بخارات جو سمندر سے اٹھتے ہیں یہ بالکل بے فائدہ اور مضر ہیں کیونکہ بخارات کی بنا پر ہماری زندگی حبس کا شکار ہو گئی ہے۔ اس آب و ہوا نے تو ہمیں کام کرنے سے روک دیا ہے۔ فضا میں ہمیشہ ایک گھٹن سی رہتی ہے۔ جبکہ ہم یہ بات بخوبی جانتے ہیں کہ یہی بخارات سمندری علاقوں سے ہواؤں کے دوش پر پرواز کرتے ہوئے خشک اور گرم علاقوں کو بارانِ رحمت بنکر سیراب کرتے ہیں جس سے درخت ہرے ہو جاتے ہیں کھیتیاں لہلہا اٹھتی ہیں۔ گرمی سے جھلستے ہوئے علاقوں میں زندگی کی لہر دوڑنے لگتی ہے وہاں کے بسنے والے اسی بخار کو جو بارش کی شکل میں برستا ہے اپنے لئے ایک عظیم نعمت شمار کرتے ہیں۔ یہی بارش انسان کو قحط کی لعنت سے محفوظ رکھتی ہے۔

ساحل نشینوں کی غلطی صرف اتنی ہے کہ انھوں نے صرف اپنے ذاتی مفاد کو پیشِ نظر رکھا ہے اور اسی کو اچھائی اور برائی کا معیار بھی قرار دیا۔ اگر یہ لوگ ساری کائنات کو نظر میں رکھنے کے بعد فیصلہ کرتے تو کبھی بھی سمندر سے اٹھنے والے بخارات کو برا نہ جانتے۔

گذشتہ بیانات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اچھائی اور بُرائی کا معیار کبھی اپنی ذات اور اپنے ذاتی مفاد کو نہ قرار دینا چاہیئے بلکہ ہر چیز کو نظامِ کائنات کے لحاظ سے دیکھنا چاہیئے اور نظامِ کائنات کو معیار قرار دینا چاہیئے اور پھر اس کے بعد کوئی فیصلہ کرنا چاہیئے اور فیصلہ کرتے وقت ماضی، مستقبل اور حال کو بھی پیشِ نظر رکھنا چاہیئے۔

تیرھواں سبق

خدائے عادل

گذشتہ اسباق پر ایک نظر

① اس کائنات کا نظم و ضبط خود اس بات کا بہترین گواہ ہے کہ اس کائنات کو وجود بخشنے والا "عالم" بھی ہے اور "قادر" بھی۔

② اس کے علم و قدرت کا اندازہ ہماری محدود فکر و عقل نہیں لگا سکتی کیونکہ ہم صرف انھیں چیزوں سے اس کے علم و قدرت کا اندازہ لگا سکتے ہیں جنھیں ہم دیکھتے اور درک کرتے ہیں اور یہ چیزیں اس عظیم اور لا محدود کائنات کا ایک معمولی سا حصہ ہیں۔ اس کائنات کا ہر ذرہ اس کی بے پناہ عظمتوں کی ترجمانی کرتا ہے۔

③ ساری کائنات اس خدائے وحدہٗ لا شریک کی محتاج ہے مگر وہ کسی کا بھی محتاج نہیں ہے۔

④ خداوند عالم اپنے تمام بندوں پر بے انتہا مہربان ہے اور اس نے اپنی تمام نعمتوں کو تمام بندوں کے لئے عام کر رکھا ہے اور اس میں کسی کی کوئی تفریق نہیں ہے۔

جیسا کہ خداوند عالم قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

اَللّٰہُ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَاءً وَّصَوَّرَکُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَکُمْ وَرَزَقَکُمْ مِنَ الطَّیِّبَاتِ۔ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ فَتَبَارَکَ اللّٰہُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ۔ (سورہ مومن آیۃ ۶۴)

"وہ خدا ہے جس نے زمین و آسمان کو تمھاری آسائش اور فائدے کے لئے پیدا کیا اور تمھیں بہترین شکل و صورت میں پیدا کیا۔ اور تمھاری روزی کے لئے پاکیزہ غذائیں فراہم کیں اور خدا تمھارا پروردگار ہے وہ بابرکت ہے اور عالمین کا پالنے والا ہے۔"

اب آیئے خود اپنے آپ سے سوال کریں وہ خدا جس نے اس قدر نعمتیں اپنے بندوں کے لئے عام کر رکھی ہیں اور تمام ضروریات زندگی کو فراہم کیا ہے، کیا وہ خدا ظالم ہو سکتا ہے؟ جبکہ ہمیں یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ ظلم و ستم ہمیشہ جہالت اور کمزوری کا نتیجہ ہے یا منصب و مقام وغیرہ کی تلاش اسے ظلم پر آمادہ کرتی ہے اور خداوند عالم کی ذات ان تمام چیزوں سے پاک اور منزہ ہے۔ ظلم و ستم کے اسباب اور اس کا سرچشمہ یہ چیزیں بھی ہوتی ہیں۔

احتمالِ شکست و ناکامی

جب ایک کارخانہ کا مالک یہ دیکھتا ہے کہ دوسرے کارخانہ کا وجود اس کے منافع پر اثر انداز ہو رہا ہے اور ہو سکتا ہے کہ کبھی اس کو نقصان بھی اٹھانا پڑ جائے تو اس احتمال کے پیش نظر اس بات کی بھرپور کوشش کرتا ہے کہ جس طرح سے بھی ہو سکے دوسرے کارخانے کو ٹھپ کرا دیا جائے اور اس کا بازار بند کر دیا جائے اور وہ اس سلسلہ میں ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ ہاں اگر کوئی طاقت اسے اس کام سے باز رکھ سکتی ہے تو وہ صرف ایمان خداوندی ہے جو اسے باطنی طور پر ظلم کرنے سے منع کیا کرتا ہے۔

❖ ❖ ❖

محرومیت

جب انسان اپنے جائز حقوق حاصل کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرتا ہے اور زحمتیں برداشت کرتا ہے مگر جب اسے ناکامی اور محرومیت نصیب ہوتی ہے تو اس وقت اس میں ایک انتقامی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جو اسے آپے سے باہر کر دیتی ہے اور پھر وہ ہر وہ حربہ استعمال کرنا چاہتا ہے جس سے اپنے مدمقابل کو زک پہونچا سکے اور پھر وہ جائز اور ناجائز کے فرق کو بھی روا نہیں رکھتا ہے جس کے نتیجے میں عدل کا دامن اس کے ہاتھوں سے چھوٹ جاتا ہے اور وہ ظلم کر بیٹھتا ہے۔ اور یہی محرومیت کبھی اس کو قتل و غارتگری پر بھی آمادہ کر دیتی ہے اور مقابل کی آہ وزاری اس کے لئے اطمینان بخش ہوتی ہے۔ اور اس کے کانوں کو بھلی معلوم ہوتی ہے۔

جہالت

وہ قوانین جنھیں انسان کی محدود عقل و فکر نے بنایا ہے ان کا نفاذ اکثر و بیشتر ظلم و بے انصافی کا سبب قرار پاتا ہے انسان کا علم خواہ جتنا بھی ہو مگر محدود ہے اور وہ جس دنیا میں زندگی بسر کر رہا ہے اس کے اسرار و رموز لامحدود ہیں۔ جب ایک محدود نظریہ کا بنایا ہوا قانون لامحدود دنیا پہ منطبق ہوگا تو اس سلسلے میں ظلم و جور کا وجود میں آنا ایک لازمی نتیجہ ہے۔

سیاہ فاموں پر جو ظلم کے پہاڑ ڈھائے جا رہے ہیں اور ان کے حقوق کو غصب کیا جا رہا ہے وہ صرف اس بات کا نتیجہ ہے کہ ان قانون بنانے والوں نے اپنی جگہ یہ طے کر لیا ہے کہ ہمارا بنایا ہوا قانون سب سے بہتر ہے اور اس کے علاوہ کوئی اور قانون نہیں ہو سکتا۔ ان لوگوں نے رنگ و نسل کے فرق کو معیار شرافت و عزت سمجھا ہے جن کی

بنا پر سفید فام کو سیاہ فام پر برتری حاصل ہے۔ درانحالیکہ یہ بات سب جانتے ہیں شرافت کا معیار علم و عمل ہے اور انسان کے روحانی صفات ہیں جو اسے تمام دوسرے موجودات سے منفرد کر دیتی ہیں اور اس سلسلے میں سیاہ و سفید کی کوئی قید نہیں ہے۔

ان تمام باتوں کا سرچشمہ انسان کی جہالت، کمزوری، ضعف، وغیرہ ہے اور ان باتوں میں سے کسی ایک کا تصور بھی خدا کے بارے میں نہیں کیا جا سکتا۔ کوئی چیز اسکی نظر سے پوشیدہ نہیں ہے اور کوئی بھی شے اس کے دائرۂ اختیار سے باہر نہیں ہے۔ ہر چیز کا اسے علم ہے اور ہر چیز پر اس کی قدرت ہے ساری دنیا اس کی محتاج ہے مگر وہ کسی کا بھی محتاج نہیں ہے۔ لہٰذا خدا کے بارے میں ظلم و ستم کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ یہ تمام باتیں اس قدر واضح اور روشن ہیں جن میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے اور جو لوگ اس حقیقت سے انکار کرتے ہیں یا تو دانستہ طور پر انکار کرتے ہیں یا پھر حقیقت عدل سے واقف نہیں ہیں۔

عدل کیا ہے؟

عدل کے معنیٰ ہیں تمام انسانوں کے حقوق کی مراعات کی جائے۔ بلا وجہ اور بغیر کسی استحقاق کے کسی ایک کے ساتھ کوئی مراعات نہ برتی جائے۔ کلاس میں جتنے بھی شاگرد ہیں ان میں سے جتنے شاگرد اچھے نمبر لاتے ہیں ان سب کو ایک نظر سے دیکھا جائے اور سب کو ایک ساتھ ترقی دی جائے اب ممتحن یا کسی استاد کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ ایک شاگرد کو تو اوپری درجات میں جگہ دے اور دوسرے کو اس ترقی سے محروم رکھے جب کہ دونوں کے نمبر ایک جیسے ہیں اب اگر شاگردوں کے درمیان فرق کیا جائے تو یہ

شاگردوں کے حق میں ظلم ہوگا۔

ہاں اگر ان مقامات پر "حق" کا مسئلہ نہ ہو صرف احسان کی بنیاد پر بعض کو ترقی دی جائے تو اس صورت میں بقیہ افراد پر ظلم نہ ہوگا۔ جیسے کہ کوئی شخص فقراء کی دعوت یا ان کی کوئی مدد کرنا چاہتا ہے اور یہ شخص صرف بعض فقیروں کی دعوت کرے، یا دعوت تو سب کو دے مگر بعض کی زیادہ مدد کرے اور بعض کی کم۔ تو اس صورت میں جن کو دعوت نہیں دی گئی ہے یا جن کی کم مدد کی گئی ہے تو ان لوگوں کے حق میں کوئی ظلم نہیں ہوا ہے۔ کیونکہ اس شخص کی گردن پر کسی کا حق نہیں تھا اور نہ یہ دعوت استحقاق کی بنیاد پر ہوئی تھی بلکہ یہ تو اس شخص نے صرف احسان کی غرض سے کیا تھا۔

البتہ وہاں پر عدالت اور مساوات لازمی اور ضروری ہے، جہاں حقوق کے اعتبار سے سب ایک جیسے ہوں اور اس صورت میں بعض کو نظر انداز کر دینا سراسر ظلم اور ناانصافی ہوگی لیکن وہ مقامات جہاں کسی کا کوئی حق نہ ہو تو اس صورت میں ظلم اور ناانصافی کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا ہے اور اس صورت میں بعض کو نظر انداز کر دینا ان کے حق میں ظلم نہیں کہلائے گا۔

وہ لوگ جو خلقت کائنات کے بارے میں یہ اعتراض کرتے ہیں کہ خداوند عالم نے سب کو ایک جیسا کیوں نہیں پیدا کیا یہ موجودات کے درمیان اختلاف کیسا ؟ سب کے ساتھ ایک جیسا برتاؤ کیوں نہیں کیا گیا اور یہ موجودات کا اختلاف خداوند عالم کی عدالت کے خلاف ہے۔

یہ اعتراض کرنے والے دراصل عدالت کا صحیح مفہوم نہ سمجھ پائے اور غلط فہمی کا شکار ہوگئے۔ کیونکہ یہ ساری کی ساری موجودات خداوند عالم پر کوئی حق نہیں رکھتیں تاکہ یہ اختلاف و تفاوت اس بات کا سبب قرار پاتا کہ ان میں بعض کے حق میں ظلم ہوا ہے۔

جب کسی کا کوئی حق ہی نہیں ہے تو پھر ظلم کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر خداوند عالم کسی ایک کو بھی پیدا نہ کرتا تب بھی کوئی ظلم اور ناانصافی نہ تھی۔

لیکن چونکہ خداوند عالم بے پناہ علم وقدرت کا مالک ہے اور اس کا کوئی بھی فعل حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں ہوتا لہذا اب ہم یہ سوال کر سکتے ہیں کہ اس اختلاف اور تفاوت کی مصلحت کیا ہے؟

کیا یہ اختلاف اور تفاوت نظام کائنات کے لئے لازمی اور ضروری ہے؟

یہ وہ سوالات ہیں جن کا جواب انشاء اللہ آئندہ سبق میں پیش کیا جائے گا۔

چودہواں سبق

نشیب و فراز زندگی

مخلوقات میں تفاوت کا راز

آپ نے یقیناً فضائی راکٹ "اپولو" کا نام سنا ہوگا۔ یہ علمی اور ٹکنالوجی میدان میں انسانی ترقی کا شاہکار ہے۔

یہ راکٹ بادلوں کو چیرتا ہوا فضا کا سینہ شگافتہ کر کے چاند تک پہنچا اور انسان نے سرزمین چاند پر اپنا قدم رکھا اور دنیائے فکر و عمل میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا۔

اگر راکٹ کو نظر میں رکھیں تو ہم دیکھیں گے کہ یہ عظیم راکٹ پیچ، بولٹ اور مختلف قسم کی چھوٹی بڑی مشینوں سے آراستہ ہے۔ ایک وہ حصہ جہاں سے اسے کنٹرول کیا جاتا ہے، ایک اس کا اصلی حصہ، اس کا ایک وہ حصہ جو چاند پر اترے گا، وہ حصہ جو واپس آئے گا، ضروری ایندھن کا ذخیرہ، جرنیٹر، مواصلاتی نظام، حفاظتی وسائل .... ان میں سے ہر ایک اپنا مخصوص کام انجام دیتا ہے۔ یہ بات صاف اور واضح ہے کہ اگر اس راکٹ میں انواع و اقسام کی چیزیں نہ ہوتیں تو ہرگز "اپولو" کا وجود نہ ہوتا اور نہ اس کے ذریعے سخت اور دشوار ترین مسافت طے کی جاتی اور نہ اس دنیا کا انسان چاند کی سرزمین پر قدم رکھتا۔

اس مثال سے جو چیز ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ ایک منظم اور مرتبط مجموعہ میں مختلف اور متفاوت چیزوں کا وجود لازمی اور ضروری ہے۔

اب ایک نظر اس دنیا پر ڈالتے ہیں تاکہ دیکھیں کہ اس دنیا میں بھی زیر و بم زندگی

اور نشیب وفراز حیات بے مقصد اور بے سبب نہیں ہے۔ یقیناً زندگی کی زیبائی حیات کی کشش اور پیچیدگی اسی اختلاف اور نشیب وفراز کا نتیجہ ہے۔

اگر ساری کائنات یک رنگ اور یک انداز ہوتی ، فکر انگیز اور دلنواز رنگینیاں نہ ہوتیں تو پھر انسان کا وجود بے معنیٰ ہوتا، یہ بھی بے معنیٰ ہوتا کہ وہ پانی پیئے، سبزیاں اگلائے اور کھائے، تلاطم خیز موجوں سے تحریک چلانا سیکھے، بے آب وگیاہ صحراؤں سے سکون واطمینان کا درس لے۔

غنچوں سے شگفتگی، قطرہائے شبنم سے پاکیزگی، سینہ آب دریا سے لطافت اور نرمی، آبشاروں سے تواضع اور فروتنی۔

دنیا کی خوبصورتی، زیبائی، کشش، جاذبیت سب انھیں رنگینیوں اور نشیب وفراز حیات کی مرہون منت ہیں۔ یہ تمام اختلافات نہ تو بے جا اور بے کار ہیں اور نہ ہی برخلاف عدالت۔

خلاف عدالت تو اس صورت کو کہتے ہیں جب دو چیزیں ہر لحاظ سے برابر ہوں مگر قانونی حیثیت سے ان کے ساتھ یکساں برتاؤ نہ کیا جائے۔

گذشتہ سبق میں اس بات کی طرف اشارہ کیا تھا کہ ظلم وستم صرف اس صورت میں ہے کہ کسی ایک چیز سے استفادہ کرنے کا ہر ایک کو برابر کا حق ہو لیکن ان کے درمیان تفاوت اور امتیاز برتا جائے۔

لیکن یہ دنیا کی چیزیں، پہلے ان کا کوئی وجود نہ تھا اور ان میں کوئی کسی چیز کی حقدار نہ تھیں، تاکہ ان کے درمیان اختلاف اور تفاوت کا وجود عدل کے خلاف ہوتا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر یہ اختلاف اور تفاوت نہ ہوتا تو اس دنیا کا بھی کوئی وجود نہ ہوتا۔ یہ دنیاوی چیزوں کا آپس میں اختلاف اور تفاوت ہی دنیا کی خلقت

کا سبب ہے۔ یہ مخلوقات کا آپس میں مختلف ہونا اس بات کا سبب ہے کہ یہ چیزیں وجود پیدا کریں، ایٹم، نظام شمسی، کہکشاں، گیاہ، سرسبزی و شادابی، حیوانات ان تمام چیزوں کا وجود موجودات کے مختلف ہونے کی بنا پر ہے۔

اب آپ کی توجہات انسان کے درمیان جو تفاوت ہے اس کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں

انسانوں کے درمیان اختلاف بھی دنیا کی دیگر مخلوقات کے تفاوت اور اختلاف سے جدا نہیں ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ کیوں تمام انسان ہوش اور استعداد کے لحاظ سے برابر نہیں ہیں؟ تو سب سے پہلے تو یہ اعتراض کرنا چاہیئے کہ نباتات اور جمادات کو کیوں ہوش و استعداد سے محروم رکھا گیا؟

لیکن حقیقت یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں کوئی بھی صورت قابلِ اعتراض نہیں ہے۔ کیونکہ یہ اعتراض اس وقت صحیح ہوتا جب کسی کا حق پائمال ہوا ہو۔ لیکن دونوں صورتوں میں کسی کا بھی وجود پہلے سے نہ تھا اور نہ کوئی کسی چیز کا مستحق تھا تا کہ ان کے درمیان تفاوت کا وجود عدل و انصاف کے خلاف ہوتا۔

اس حقیقت کی طرف بھی توجہ کرنا چاہیئے کہ خداوند عالم نے ہر انسان کو صرف اسی قدر ذمہ دار قرار دیا ہے اور صرف اسی قدر اس سے اطاعت چاہی ہے جتنی اس میں تاب و توانائی ہے کسی سے بھی اس کے ہوش و استعداد سے زیادہ مطالبہ نہیں کیا ہے۔ اور یہ بات بالکل مطابقِ عدالت ہے۔

ذرا اس مثال پر توجہ فرمائیے:

اگر ایک اسکول کا پرنسپل درجہ ششم کا سوال ان طلبہ سے کرے جو ابھی پہلے کلاس میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں تو پرنسپل کا یہ سوال یقیناً ظلم ہوگا۔ لیکن اگر یہی پرنسپل درجہ اول

کا سوال پہلے کلاس کے طلبہ سے کرے اور درجہ ششم کا سوال چھٹے کلاس کے طلبہ سے کرے یہ تو عین عقلمندی اور مطابق عدالت ہے۔ اس صورت میں کوئی بھی اسے ظالم نہیں کہے گا بلکہ ہر ایک اسے انصاف پسند اور عادل کہے گا۔

اسی طرح سے اگر تمام موجودات کے سر ایک جیسی ذمہ داری سونپی جاتی تو اس صورت میں یقیناً موجودات کا آپس میں مختلف ہونا ظلم اور بر خلاف عدالت ہوتا۔ لیکن ہمیں یہ بات بدیہی طور پہ معلوم ہے کہ ہر ایک کے سر ایک جیسی ذمہ داری نہیں سونپی گئی ہے بلکہ ہر ایک سے اسی قدر مطالبہ کیا گیا ہے جتنی اس میں استعداد اور سکت ہے۔

جس طرح سے ایک مشین کے چھوٹے سے پرزے سے اسی کام کی امید رکھی جائے جو ایک بہت بڑے پرزے سے توقع ہے تو یہ یقیناً ظلم اور خلاف عدالت ہے۔ لیکن اگر ہر ایک پرزے سے اس کی حیثیت کے مطابق کام لیا جائے تو یہ عین عدالت ہے۔

اس کے علاوہ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ خداوند عالم حکیم ہے اور اس کا کوئی کام مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔ ہمیں اس بات کا بھی یقین ہے کہ ساری کائنات پر ایک خاص قسم کا نظام حکم فرما ہے اور اس دنیا کا کوئی بھی ذرہ بغیر کسی نظم و ضبط کے وجود میں نہیں آیا ہے۔ گذشتہ اسباق میں یہ بات تفصیل سے گذر چکی ہے کہ دنیا میں کوئی بھی چیز غیر منظم نہیں ہے ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ سطحی اور پہلی نظر میں وہ چیز بے فائدہ اور غیر منظم نظر آئے۔ اور یہ بھی اس بنا پر ہے کہ ہماری عقل کی رسائی اس کی حقیقت تک نہیں ہے۔ یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ کسی چیز کا نہ جاننا اس کے نہ ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

گذشتہ بیانات کی بنیاد پہ یہ بات بالکل صاف اور روشن ہو جاتی ہے کہ موجودات کا آپس میں اختلاف اور تفاوت یقیناً مصلحت کی بنا پہ ہے اور وجود کائنات کیلئے اسکا ہونا نہایت ضروری اور لازمی ہے۔ گرچہ ہماری ناقص عقل اسکی حقیقت سمجھنے سے قاصر ہی کیوں نہ رہے۔

اگر یہ کہا جائے یہ تو بہرحال ممکن تھا کہ تمام افراد ہوش اور استعداد کے لحاظ سے برابر ہوتے اور مختلف قسم کے ذوق ان میں یکجا ہوتے۔ اس کے بعد یہ تمام افراد ضرورت اور احتیاج کے مطابق آپس میں تمام کام تقسیم کر لیتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں یہ ہوتا کہ آرام طلب افراد اس کام کو اختیار کرتے جس میں محنت کم اور منفعت زیادہ ہوتی۔ زحمت طلب اور کم فائدہ والا کام کوئی نہ کرتا وہ یوں ہی پڑا رہ جاتا۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک ہوش اور استعداد کے لحاظ سے برابر ہے۔ لہٰذا کوئی بھی ایسے م کو کیوں اختیار کرنے لگا جس میں محنت مشقت زیادہ ہو فائدہ کم ہو اور کوئی خاص شہرت وغیرہ بھی نہ ہو۔

استفادہ زندگی کے ہر پہلو سے

انسان کی روح اخلاقی زیورات سے آراستہ ہونے کے لئے اور کمال کی آخری منزل تک پہنچنے کے لئے عجیب صلاحیت کی مالک ہے۔

آرام ومشکلات کا آہستہ آہستہ سامنا کرتے ہوئے رفتہ رفتہ زندگی کی تلخیاں اور شیرینی کا ذائقہ چکھتے ہوئے انسان کی روح کامل ہوتی جاتی ہے۔

زندگی کا نشیب وفراز انسان کو صبر وشکیبائی کی تعلیم دیتا ہے، کبھی انسان نعمتوں میں گھرا رہتا ہے اور کبھی اس کے چاروں طرف مشکلات ہی مشکلات ہوتی ہیں۔

خوش قسمت تو وہ ہے جو زندگی کے ہر موڑ سے گذرتے ہوئے اپنی روح کو کامل بناتا رہے۔

اگر دولت وثروت کا مالک ہے تو غریب اور بینوا کی دستگیری کرے، یتیموں کی سرپرستی کرے۔ اس طرح سے اپنی روح کو کامل سے کامل تر بناتا رہے اور اس طرح انسان کی محبت اپنے دل میں کوٹ کوٹ کر بھر لے۔ گرچہ یہ انسان اس بات پر بھی قادر ہے کہ اپنی

تمام دولت وثروت عیش وطرب کی نذر کر دے۔ اور اس طرح اپنی روح کو کمال کے بجائے اور پستی میں گرا دے۔

اگر تنگ دست اور فقیر ہے تو بجائے اس کے کہ دوسروں کے مال پر ڈاکہ ڈالے ان کے حقوق غصب کرے، قناعت، صبر اور عزت نفس کے ساتھ زندگی بسر کرے اور اپنے صبر وعزم واستقلال کے پنجوں سے زندگی کی تمام مشکلات کو ریزہ ریزہ کر دے اور راہِ زندگی کو صاف اور ہموار بنا دے۔

زندگی کے تمام نشیب وفراز، روح کے کمال اور اس کی ترقی کے لئے ہیں خوش قسمت اور ہوشیار وہ ہے جو زندگی کی ہر راہ سے گذرتے وقت اپنی روح کو کامل سے کامل تر بناتا جائے۔

اب اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ انسان خود کو اپنے ہاتھوں فقیر اور تنگ دست بنا دے۔ اگر ہم نے ایسا کیا تو ہم نے بہت غلط کام کا ارتکاب کیا ہے، کیونکہ اس صورت میں ہم نے اس ہوش واستعداد کی قدر نہ کی جسے خداوند عالم نے ہماری ذات میں ودیعت فرمایا ہے بلکہ مقصد صرف اتنا ہے کہ اگر ہم مسلسل کوشش کرتے رہے، لیکن ہماری کوششوں کا کوئی خاص نتیجہ نہ نکلا یا ایکا ایکی ہم دولتمند اور ثروت مند سے فقیر اور تنگ دست ہو گئے، سرمایہ لٹانے والا کوڑیوں کا محتاج ہو گیا۔ اس تمام صورتوں میں ہرگز یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ ہم بدبخت ہو گئے، تباہ وبرباد ہو گئے بلکہ ہمیشہ یہ عزم اور ارادہ رکھنا چاہیئے کہ زندگی کے سمندر میں جس قدر اور جس طرف بھی غوطہ لگائیں خواہ نعمتوں اور آرائشوں میں ڈوبے ہوئے ہوں اور خواہ فقر اور تنگ دستی میں ہچکولے کھا رہے ہوں۔ زندگی کے ہر انقلاب سے ہر تبدیلی سے ہر نشیب وفراز سے اپنی روح اور اخلاقی قدروں کو اجاگر کرتے چلیں۔ نفس کو پاکیزہ سے پاکیزہ تر بنائیں صفحہ دل پر ایمان کے نقش ابھاریں۔ جس شخص کی زندگی کا یہ لائحہ عمل ہو گا اور یہ نقطۂ نگاہ ہو گا تو زندگی کبھی بھی اس کی نگاہ میں بے مقصد نظر نہیں آئے گی۔ دنیا کے کسی بھی حادثہ

کو بے مقصد اور خلاف عدالت تصور نہیں کرے گا بلکہ ہر ایک چیز کو اپنی کامیابی کا وسیلہ قرار دے گا۔

اس سلسلہ میں قرآن کریم کا ارشاد ہے:

"وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ۔ (سورۂ انعام آیہ ۱۶۵)

"خداوند عالم نے تم میں سے بعض کو بعض پر برتری دی ہے تاکہ جو کچھ اس نے تمھیں دیا ہے اس میں تمھارا امتحان لے اور تمھیں آزمائے۔"

آزمائش اور امتحان سے مطلب یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ تم کس طرح اپنی حالت سے استفادہ کرتے ہو۔ دنیا میں رونما ہونے والا ہر واقعہ انسان کے روحی کمالات کو اجاگر کرتا ہے بشرطیکہ اس سے صحیح طور پر استفادہ کیا جائے۔ یہ خود پروردگارِ عالم کا لطف عام اور عدل ہے۔

دنیا میں نشیب و فراز اور اختلافات کا راز یہ ہے جو کسی بھی صورت سے عدالت کے منافی نہیں ہے۔

اگر دنیا کے بعض حوادث کے سلسلے میں ہم اس کی عدالت اور اس کا فائدہ معلوم کرنے سے قاصر رہے اور اس کی وجہ ہماری سمجھ میں نہ آسکی تو ہمیں ہرگز یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ یہ حادثہ خلاف عدل اور سراسر ظلم ہے۔ کیونکہ کائنات کو اس ذات نے وجود بخشا ہے جس کے یہاں ظلم وستم کی کوئی بھی گنجائش نہیں ہے۔ اور جو کچھ ہمارے لئے چاہتا ہے وہ اس کے رحم وکرم کا تقاضا ہے۔

یہ وہ حقیقت ہے جسے ہم نے حوادث کی پیشانی پر بارہا دیکھا ہے ہماری ظاہری اور سطحی نگاہ نے کسی حادثہ کو مضر اور نقصان دہ بتایا۔ لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد جب

حقائق سامنے آئے تو ہمیں معلوم ہوا کہ یہ حادثہ مضر اور نقصان دہ تو تھا ہی نہیں بلکہ ہمارے لئے بہت کافی فائدہ بخش اور مفید تھا۔

قرآن کا ارشاد ہے:

" وَعَسٰی اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْئًا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔" (سورہ بقرہ آیۃ ۲۱۶)۔

" بہت سی ایسی چیزیں ہیں جنھیں تم پسند نہیں کرتے درانحالیکہ وہ تمھارے لئے بہتر اور فائدہ مند ہیں۔

اور بہت سی ایسی چیزیں ہیں جنھیں تم پسند کرتے ہو درانحالیکہ وہ تمھارے لئے نقصان دہ ہیں۔ خدا جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ہو۔"

پندرھواں سبق

ضرورتِ انبیاء

انسان کی خلقت کس لئے؟

آیا خداوند عالم نے انسان کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ اس دنیا کے توالد و تناسل میں اس کی حیثیت مشین کے ایک پرزے کی طرح ہو۔ اور انسان مشینی اور صنعتی انسان کہلائے؟

آیا انسان کی خلقت صرف عیش و عشرت کے لئے ہے؟

یا انسان اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ زمین میں پوشیدہ ذخیروں کا پتہ چلائے اور اپنی دولت و ثروت میں برابر اضافہ کرتا رہے۔ انسانی خواہشات کے چراغ کی لو کو اور بڑھا دے؟

ہاں ـــــ اس کے علاوہ کوئی اور نظریہ پیش نظر نہیں ہے؟

بہت سے لوگ ایسے ہیں جو انسان کی حقیقت سے ناواقف اور اس کی عظمت و منزلت سے بے بہرہ ہیں ان لوگوں نے انسان کے صرف مادی پہلو پر نظر رکھی ہے اور اس عظیم سکے کے دوسرے رخ سے بالکل غافل ہیں۔

لیکن وہ لوگ جو انسان شناس ہیں ان کا کہنا ہے کہ انسانی زندگی کے تین پہلو ہیں (۱) مادی اور شخصی زندگی۔

(۲) اجتماعی زندگی۔

(۳) دنیائے روح و حقیقت۔

وہ لوگ جو صرف پہلے پہلو پر نظر جمائے رہے وہ انسان کے لئے بے قید و شرط آزادی کے قائل ہو گئے خواہ ایسی آزادی انسان کے لئے نقصان دہ ثابت کیوں نہ ہو۔ یہ لوگ انسان کی حقیقت سے ناواقف ہیں اور دوسرے دو اہم پہلوؤں سے بالکل غافل ہیں۔

وہ لوگ جنھوں نے صرف پہلے اور دوسرے پہلو کو نظر میں رکھا اور تیسرے پہلو کو نظر انداز کر دیا یہ لوگ انسان کے لئے ایک ایسے سماج کی تشکیل دیتے ہیں جس میں اخلاقی اور انسانی صفات کی کوئی جگہ نہیں ہے۔

سماجیات کے ماہر "ٹوین بی" نے مجلہ لائف LIFE کے خبرنگار کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا:

"ہم نے اپنے کو مادیات کے سپرد کر دیا ہے اور اس طرح ہم مادّی ضروریات سے بے نیاز ہو گئے ہیں لیکن اخلاقی لحاظ سے ہم بالکل فقیر اور محتاج ہیں۔ اور میرا عقیدہ تو یہ ہے کہ ابھی غنیمت ہے کہ ہم غلط راستے کو چھوڑ کر صحیح راہ اختیار کر لیں اور مذہب کے پابند ہو جائیں" ________ (ماہ نامہ "مسائل ایران" دی ماہ)

محققین اور عاقبت اندیش حضرات نے انسان کے دونوں پہلوؤں کو نظر میں رکھتے ہوئے قدم آگے بڑھایا اور انسان کے تینوں پہلوؤں پر نظر ڈالی اور اس کی غرض خلقت کا مطالعہ کیا تو صحیح طور سے انسان کی معرفت حاصل کی اور اگر تینوں پہلوؤں کو نظر میں رکھے بغیر انسان کی معرفت حاصل کی جائے تو وہ معرفت ناتمام اور ناقص ہوگی۔ اس کے علاوہ اگر تیسرے پہلو کو مدنظر رکھا جائے تو اس وقت انسان میں اتنی صلاحیت اور استعداد نمودار ہوتی ہے جو زندگی کے ہر میدان میں اس کو قوت بخشتی ہے، خواہ انفرادی زندگی ہو خواہ اجتماعی، زندگی کے مسائل سمجھنے اور سلجھانے کا طریقہ سکھاتی ہے۔

صحیح نقطۂ نظر بھی یہی ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ وہ کمال کے ہر پہلو پر نظر رکھے اور ان کو حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ کیونکہ خلقت کمالات کے حصول کے لئے ہوئی ہے۔

اس بیان کے بعد یہ سوال بالکل مناسب ہے: کیا انسان کی فطرت اور اس کا ضمیر زندگی کے تینوں پہلوؤں میں اس کی راہنمائی کر سکتا ہے؟

سوال کے لئے ذرا ایک تفصیلی جائزہ لیتے ہیں۔

فطرت اور ضمیر

بعض ماہرین نفسیات نے "ضمیر" کے وجود سے انکار کیا ہے ان کا کہنا ہے کہ ہم جسے ضمیر اور فطرت کے نام سے یاد کرتے ہیں وہ اصل تربیت اور سماج کا اثر ہے جس میں بچہ نے زندگی گذاری ہے ورنہ ضمیر کوئی مستقل چیز ہو ایسی کوئی بات نہیں ہے۔

جبکہ ماہرین نفسیات کی کثیر تعداد اس بات کی معتقد اور معترف ہے کہ انسانی وجود کی گہرائیوں میں ایک حقیقت موجود ہے جس میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ اچھائیوں اور برائیوں کو تشخیص دے سکے۔ وہ بچے جو ابھی ماحول اور سماج کے ہمرنگ نہیں ہوئے ہیں ان کی فطرت اور ضمیر میں بھی کوئی انحراف نہیں ہے۔ وہ بہت اچھی طرح اچھائیوں اور برائیوں، نیکی اور بدی کی حقیقت سے واقف ہیں۔ یہ وہ حقیقت ہے جو انسان کی ساختہ اور پرداختہ نہیں۔

یہ بات ضرور ہے کہ بعض اچھائیاں اور برائیاں رسم ورواج کی تابع ہیں جیسے بعض مخصوص لباس اور بعض مخصوص غذائیں ایک جگہ اچھی خیال کی جاتی ہیں اور دوسرے ماحول میں حقارت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ لیکن جس شخص کے پاس تھوڑی بہت عقل ہے اور عنانِ فکر عقل کے ہاتھوں میں ہے وہ تمام خوبیوں اور برائیوں کے سلسلے

میں یہ فیصلہ نہیں کر سکتا ہے کہ سب کی سب عادات و رسوم کی پابند ہیں۔ اسے اس حقیقت کا یقین ہے کہ امانت، عدل و انصاف، وفاداری، ضعیفوں کی مدد، خدمتِ خلق، برادری اور برابری .... ان کا تعلق انسان کے وجود کی گہرائیوں سے ہے۔ یہ وہ چیزیں ہیں جو ہر وقت اور ہر جگہ قابل ستائش ہیں۔ اس کے برخلاف ظلم و ستم، خیانت، بے وفائی، خود پسندی یہ وہ چیزیں ہیں جو ہر ماحول اور ہر سماج میں قابلِ لعنت و ملامت ہیں۔ ان تمام چیزوں کی اچھائی اور برائی کوئی مصنوعی نہیں ہے۔

لہٰذا ہمیں اس بات کا اعتراف کرنا پڑے گا انسان کے وجود کی گہرائیوں میں ایک حقیقت ضرور موجود ہے جسے فطرت اور ضمیر کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ لیکن اس حقیقت کی طرف بھی توجہ کرنا ضروری ہے:

ضمیر تنہا اس بات پر قادر نہیں ہے کہ وہ زندگی کے تمام شعبوں میں انسان کی راہنمائی کرے اور زندگی کے ہر موڑ پر ہدایت کرے۔ کیونکہ ضمیر اور فطرت دونوں ہی کو تعلیم و تربیت کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ضمیر اس معدن کی طرح ہے جو پہاڑ کے دامن میں پوشیدہ ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کو تلاش کیا جائے اور اس کو پاک و صاف کیا جائے تاکہ استعمال کے قابل ہو سکے اور کندن بن سکے۔ ضمیر اور فطرت بسا اوقات ماحول اور سماج کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں اور اپنی اصلی اور صحیح راہ سے منحرف ہو جاتے ہیں اور ان کا وجود اس قدر بے نور ہو جاتا ہے کہ بعض ماہرینِ نفسیات بھی انکے وجود سے انکار کر بیٹھتے ہیں۔

لہٰذا ایک سعادت مند اور پُر افتخار زندگی کے لئے ایک معصوم رہبر کی ضرورت ہے جو ہر شعبۂ حیات میں انسان کی راہنمائی اور ہدایت کر سکے۔

بشری نظریات

جناب عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے ہزاروں سال پہلے سے آج تک انسان نے اجتماعی اور انفرادی اصلاح کے لئے مختلف نظریات پیش کئے ہیں. لیکن چونکہ انسان کی معلومات نہایت محدود ہے سعادت اور کمال کے تمام پہلوؤں پر اس کی نظر نہیں ہے انسان اخلاقی اور مادی پہلوؤں سے بطور کامل آشنا نہیں ہے اس بنا پر انسان کبھی اس بات پر قادر نہ ہو سکا کہ وہ کوئی ایسا نظریہ پیش کر سکے جو انسان کے تمام فطری تقاضوں کا بھرپور جواب ہو۔

ڈاکٹر "برزر" کا کہنا ہے کہ میں نے چند سال قبل "اینشٹائن" کو کہتے ہوئے سُنا:

"علم ہمیں ان چیزوں سے آگاہ کرتا ہے جو ہیں. لیکن دین (وحی) ہمیں ان چیزوں سے آگاہ کرتا ہے جنھیں "ہونا چاہیے"[1]"

وکٹر ہیگو کا کہنا ہے: انسان جتنی زیادہ ترقی کرتا جائے گا۔ اسی اعتبار سے دین کی ضرورت زیادہ ہوتی جائے گی۔[2]

اس کے علاوہ افکار و نظریات کی راہ میں ایک اہم اعتراض یہ ہے کہ اگر یہ بات تسلیم کرلی جائے کہ انسانی عقل نے جن نظریات کا اظہار کیا ہے کہ وہ صد در صد صحیح اور کامل ہیں. لیکن انسانی نظریات کے پاس کوئی نفاذی ضمانت نہیں ہے کیونکہ بہت سے لوگوں کے لئے یہ بات علم اور تجربہ کے ذریعہ ثابت ہو چکی ہے کہ شراب، جوا، چوری، جرم یہ تمام چیزیں سماج کے لئے کس قدر مضر اور نقصان دہ ہیں لیکن اُسکے

---

[1] کتاب فائدہ ولزوم دین ص۵ نقل از "الثقافتہ الاسلامیہ" مقالہ ڈاکٹر پلر بروز، زیر عنوان اسلام میں رابطہ علم و دین.

[2] کتاب سابق ص۶ نقل از آئین سخنوری جلد ۲ تالیف و ترجمہ ذکاء الملک فروغی.

باوجودیہ حضرات اسی میں گرفتار ہیں اور اس کو چھوڑنے پر تیار نہیں ہیں۔

اس حقیقت سے سب اچھی طرح واقف ہیں کہ وہ "اقوام متحدہ" جس کے دنیا کے اکثر و بیشتر ممالک ممبر ہیں۔ دنیا کا یہ عظیم ترین ادارہ اس قدر مجبور اور ناتواں ہے کہ اس کے اکثر دستور و قوانین صرف کاغذ کی حدود تک محدود رہ جاتے ہیں اور اس کے آگے دنیائے عمل میں قدم نہیں رکھتے ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ انسانی افکار و نظریات کے پاس کوئی "نفاذی ضمانت" نہیں ہے وہ افکار و نظریات کو قبول کر لیتا ہے۔ لیکن خود ہی ان پہ کاربند نہیں رہتا ہے۔

لیکن آسمانی قوانین جن کا سرچشمہ علم خداوندی ہے جو لامحدود ہے جہاں اشتباہ اور خطا کا گمان تک نہیں ہے۔ اور اس کی منزل پیغمبروں کا قلب مطہر ہے لہٰذا آسمانی قوانین کے اثرات کہیں زیادہ ہیں۔

اس کے علاوہ ہر فعل کے انجام یا ترک پر جزا اور سزا معین کی گئی ہے۔ یہ چیز آسمانی قوانین کو اور زیادہ عملی بنا دیتی ہے۔ عقل اور فکر تنہا کوئی "نفاذی ضمانت" نہیں رکھتے بلکہ ضروری ہے کہ جس چیز کو انسانی عقل نے تشخیص کیا ہے غیب سے اس کی تائید اور توثیق ہو تاکہ وہ عملی ہو سکے۔

یہاں تک یہ بات باقاعدہ روشن ہو گئی کہ فطرت، ضمیر اور بشری نظریات تنہا انسان کے لئے سعادت کی راہیں معین نہیں کر سکتے ہیں اور نہ بطور کامل اسکی راہنمائی کر سکتے ہیں۔ ہاں ان تمام چیزوں میں یہ صلاحیت پائی جاتی ہے کہ پیغمبروں کی نجات بخش گفتار اور آسمانی قوانین کے ذریعہ ان کی صحیح تربیت کی جائے تاکہ یہ چیزیں منحرف اور بے راہ روی کا شکار نہ ہونے پائیں اور انسان کو نیکی اور کامیابی کے ساحل سے ہمکنار کر دیں۔

حضرت علی علیہ السلام نہج البلاغہ کے پہلے خطبہ میں انبیاء علیہم السلام کی غرض بعثت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"خداوند عالم نے پیغمبروں کو اس لئے بھیجا کہ وہ فراموش شدہ نعمتوں کو یاد دلائیں اور عقل و فکر کے پوشیدہ خزانوں کو ابھاریں اور صحیح راہ پر لگائیں۔"

اگر یہ بات تسلیم بھی کر لی جائے کہ تمام انسانی افکار و نظریات صحیح ہیں تو کیا قدرتمند اور صاحبان ثروت و اقتدار اس بات کی اجازت دیں گے کہ حق کو باطل سے جُدا کیا جاسکے اور اس کی معرفت حاصل کی جاسکے۔ بلکہ یہ صاحبان ثروت و اقتدار اپنے اقتدار اور تمام دوسری کوششوں سے حق کے حقیقی چہرے کو چھپا دیں گے تاکہ لوگ صحیح اور غلط کے درمیان تمیز نہ دے سکیں اور حق کو قبول نہ کر سکیں۔

اس کے برخلاف وہ قوانین جو خدائی ہیں لوگ معجزات اور دوسری نشانیوں کے ذریعہ ان کی سچائی کو پرکھ سکتے ہیں کہ خداوند عالم نے ان قوانین کو پیغمبروں کے ذریعہ ہم تک بھیجا ہے۔ ان پر ایمان لانا اور ان پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اس طرح سے ان تمام لوگوں پر بھی حجت خدا تمام ہو جاتی ہے جو اس کے آئین کی مخالفت کرتے ہیں تاکہ قیامت کے دن ان کے لئے کوئی بہانہ باقی نہ رہے اور یہ نہ کہہ سکیں کہ ہمارے پاس کوئی ذریعہ ہی نہ تھا جس کے ذریعہ ہم دین الٰہی کی معرفت حاصل کر سکتے۔

ضرورت بعثت

چونکہ:

(۱) زندگی کے ہر شعبہ میں کمال کی ارتقائی منزل طے کرنا غرض خلقت ہے۔

(۲) تنہا فطرت اور ضمیر اسے کمال کی آخری منزل تک نہیں پہنچا سکتے ہیں۔

(۳) بشری نظریات بھی تمام فطری تقاضوں کا صحیح جواب دینے سے قاصر ہیں۔ اسکے علاوہ ان کے پاس کوئی "نفاذی ضمانت" بھی نہیں ہے۔

(۴) انبیاء کا آنا اور معجزات کے ذریعہ ان کی نبوت کا ثابت ہونا اور ہر ایک کیلئے حق اور باطل کا جدا ہو جانا جس کے بعد کوئی بہانہ باقی نہ رہے تاکہ حق کی عدم معرفت کا عذر پیش کیا جاسکے۔

اب یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ کمال کی ارتقائی منزل طے کرنے کے لئے انبیاء علیہم السلام کا آنا ضروری اور لازمی ہے۔ انبیاء کی غرض بعثت یہی ہے کہ وہ اس ارتقائی سفر میں انسان کو ان تمام باتوں کی طرف متوجہ کریں جو ضروری ہیں اور جن کی انھیں ضرورت ہے تاکہ سعادت حقیقی کی راہ میں قدم اٹھائیں۔ یہ تصور بالکل غلط ہے کہ خداوند حکیم اپنی مخلوقات کو بغیر کسی دستور حیات کے چھوڑ دے یا وہ اپنی مخلوقات کو قدرتمندوں کے حوالے کر دے تاکہ یہ لوگ انسان کو اپنے ناجائز مقاصد کے لئے استعمال کریں اور اسے اس کے ارتقائی سفر سے باز رکھیں۔

عظیم فلسفی بوعلی سینا اپنی کتاب "شفا" میں تحریر فرماتے ہیں:

"انسان کی بقاء اور حصول کمال کے لئے انبیاء کی بعثت پلک اور ابرو کے اوپر بال اگنے سے اور تلوے کی گہرائی[1] سے کہیں زیادہ ضروری اور لازمی ہے[2]"

غرض خلقت کے حصول کے لئے مادی اور معنوی منزل میں کمال حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ خداوند عالم انبیاء علیہم السلام کو بھیجے تاکہ مشعل وحی کے ذریعہ بشریت کی ہدایت کریں۔

---

[1] جس کے بغیر انسان صحیح طور سے کھڑا نہیں ہو سکتا ہے۔ [2] کتاب شفا بحث الہیات فصل نبوت۔

ہشام بن حکیم کا بیان ہے:

ایک شخص (جو خدا پر ایمان نہیں رکھتا تھا) نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا کہ آپ نے ضرورت بعثت اور انبیاء علیہم السلام کو کہاں سے ثابت کیا ہے؟ اور اس کی کیا دلیل ہے؟

امام نے ارشاد فرمایا:

"جب ہم یہ بات ثابت کر چکے ہیں کہ ہم کو ایک ذات نے پیدا کیا ہے جس میں مخلوقات کی کوئی صفت نہیں پائی جاتی ہے وہ حکیم ہے اور ہر چیز سے بلند و بالا ہے، لوگ نہ تو اس کو دیکھ سکتے ہیں اور نہ اس کا لمس کر سکتے ہیں تاکہ اس سے بحث و گفتگو کریں اور اپنے احکام اس سے دریافت کریں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ لوگوں کے درمیان اس کے نمائندے ہوں تاکہ اس کے اور مخلوقات کے درمیان واسطہ اور رابطہ ہو۔

لوگوں کو ان کے سود و زیاں سے آگاہ کریں اور ان کی بقا اور فنا جس چیز سے مربوط ہے اس کی طرف انھیں متوجہ کریں اور بتائیں کہ کون سے کام انھیں انجام دینا ہے اور کس چیز سے پرہیز کرنا ہے۔ پس ایسے افراد کا وجود ضروری ہے جو لوگوں کے درمیان امر و نہی کے فریضہ کو انجام دیں۔

خالق اور مخلوق کے درمیان واسطہ ہوں یہ مقدس ہستیاں انبیاء علیہم السلام ہیں جو خداوند عالم کے برگزیدہ بندے ہیں۔ جنھیں خدا نے ادب و حکمت کے زیور سے آراستہ کیا ہے اور انھیں مبعوث فرمایا ہے انبیاء اور پیغمبر گرچہ شکل و صورت کے لحاظ سے تمام لوگوں سے مختلف

نہیں ہیں لیکن روحی اور معنوی صفات میں کوئی ایک بھی ان کا شریک نہیں ہے۔ خداوند عالم نے انھیں علم و حکمت کے ذریعہ ان کی تائید کی اور انھیں معصوم قرار دیا ہے۔ ہر عصر و زمان میں انبیاء اور پیغمبروں کی شناخت اور ان کے دعویٰ کی صداقت کے لئے دلیلیں معیّن کی اور ان کو معجزات عطا فرمائے تاکہ زمین حجت حق سے خالی نہ رہے[1]۔"

آسمانی قوانین کسی خاص محور پر گردش نہیں کرتے ہیں بلکہ زندگی کے تمام شعبوں پر ان کی گرفت ہے۔

حکومت، عدالت، اقتصاد، حکمت، پاکیزگی، شرافت، برادری، برابری، تہذیب، تربیت، علم و دانش، قدرت و طاقت، انفرادی اور اجتماعی وظائف، عبادت، .... اور وہ عمومی قوانین جو اپنے دامن میں جزئیات لئے ہوئے ہیں، یہ تمام کی تمام چیزیں ایک آسمانی دین کا مقصد اور ہدف ہیں۔ اور اس طرح سے انسان کی پرورش اور تربیت کی جاتی ہے کہ وہ زندگی کے تینوں پہلوؤں میں باقاعدہ کمال حاصل کرے اور اپنے ارتقائی سفر کو سعادت مندی اور کامیابی کے ساتھ طے کر سکے۔

آسمانی ادیان نے کسی خاص طبقہ کو مورد نظر قرار نہیں دیا ہے بلکہ تمام طبقات پر نگاہ رکھی ہے اور تمام انسانوں کے حقوق بیان کئے ہیں۔ پس وہ لوگ جو یہ خیال کرتے ہیں کہ دین اور مذہب حکمراں اور ثروت مند طبقہ کی پیداوار ہے یا اسے زمین داروں اور سرمایہ داروں نے اپنے ذاتی اور شخصی مفاد کی حفاظت کے لئے وجود دیا ہے اور اسے گڑھا ہے، ایسا خیال کرنے والے دین کے مطالب و مقاصد سے ناواقف ہیں تاریخ

---

[1] اصول کافی جلد ۱ صفحہ ۱۶۸۔ طبع آخوندی۔

کے صفحات اس حقیقت پر گواہ ہیں کہ جب مرسلِ اعظمؐ نے دین کی تبلیغ شروع کی تو اس میں سرمایہ داروں کا کوئی ہاتھ نہ تھا اور نہ ان کی پشت پناہی حاصل تھی بلکہ دین نے ہمیشہ سرمایہ داروں اور زمیں داروں کے ستم و ظلم کے خلاف آوازِ انقلاب بلند کی اور ان سے سرِ میدان جنگ کی۔

حکمراں، علماء و دانشمند، دیہاتی و شہری، تہی دست اور آسودہ حال...... نے صرف اس لئے دین اسلام قبول کیا کہ ان کے تمام فطری تقاضوں کا جواب صرف اسلام کے دامن میں موجود تھا۔ تنہا دین میں یہ صفت پائی جاتی ہے کہ وہ تمام افرادِ بشر کو کمال کی راہ پر گامزن کرے اور اس ارتقائی سفر میں ہر قدم پر ان کی رہنمائی کرتا ہے خوش قسمتی سے آج کل علماء و دانشمند حضرات دین کی عظمت اور اہمیت کے قائل ہو رہے ہیں اور اس حقیقت کے معترف ہیں کہ حقیقی امن و امان اطمینان بخش اور آسودہ زندگی صرف دین اور ایمان کے سایہ میں میسّر ہے اور بس۔

ضرورتِ معجزہ

جب یہ بات باقاعدہ روشن ہو گئی کہ سعادت کامل کے حصول کے لئے پیغمبروں اور انبیاء علیہم السلام کی رہنمائی کی سخت ضرورت اور احتیاج ہے اور صرف انہی کی تعلیمات کے سایہ میں سعادت مند زندگی کی تعمیر ہو سکتی ہے اور انہی کی ڈالی ہوئی بنیاد پر منزلِ ارتقاء کی تعمیر کی جا سکتی ہے جس کی بنیاد پر انسان اپنے دل کی گہرائیوں میں انبیاء علیہم السلام سے ایک خاص عقیدت، خلوص اور محبت محسوس کرتا ہے۔

یہ عقیدت اور خلوص اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ لوگ تعلیمات انبیاء کی تبلیغ اور نشر و اشاعت کی راہ میں کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کرتے بلکہ انبیاء علیہم السلام کی فرمائشات کو اپنی خواہشات پر مقدم رکھتے اور ان کے احکام کی اطاعت کرتے ہوئے اپنی خواہشات کا گلا گھونٹ دیتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام سے یہ عقیدت، خلوص اور دل کی گہرائیوں سے ان کے احکام نافذ کرنا یہ سب چیزیں بعض جاہ طلب اور اقتدار پرست کی نگاہوں میں کھٹکیں اور وہ اس فکر میں پڑ گئے کہ کس طرح سے اس عقیدت اور خلوص سے غلط فائدہ اٹھایا جائے تاکہ اپنی خواہشات پوری کی جائیں۔

لہٰذا اگر کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا اور کچھ لوگ اس کے گرد جمع بھی ہو گئے تو ہمیں بغیر سوچے سمجھے اس کا معتقد نہ ہو جانا چاہئے اور بغیر تحقیق کے اس کا کلمہ نہ پڑھنا چاہئے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ یہ شخص اپنے دعوے میں جھوٹا ہو اور اس نے غلط اور بے بنیاد دعویٰ کیا ہو کیونکہ اب تک متعدد افراد نبوت کا دعویٰ بھی کر چکے ہیں اور اکثر ان کے معتقد بھی ہو گئے تھے۔

دعوئ نبوت کی صداقت اور حقانیت دریافت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہر پیغمبر اپنے دعوئ نبوت کے ثبوت میں کوئی ایسی مستحکم دلیل پیش کرے جس سے سب کو اطمینان اور یقین حاصل ہو جائے تاکہ اس طرح سچے اور برحق نبی اور جعلی پیغمبروں کے درمیان امتیاز کیا جا سکے اور ایک کو دوسرے سے جدا کیا جا سکے۔

وہ دلیل اور وہ نشانی جس کے ذریعہ انبیائے برحق کی معرفت حاصل کی جاتی ہے اس کو معجزہ کہا جاتا ہے۔ مخلوقات کو اشتباہ اور جعل سازوں سے محفوظ رکھنے کے لئے خداوند عالم نے انبیاء علیہم السلام کو معجزات عطا فرمائے ہیں تاکہ نبی برحق کی معرفت

میں کوئی کسر نہ رہ جائے اور حقانیت باقاعدہ آشکار ہو جائے۔

یہاں تک ہم یہ بات سمجھ چکے کہ انبیاء علیہم السلام کا صاحب معجزہ ہونا نہایت ضروری اور لازمی ہے تاکہ لوگوں کو اس بات کا یقین ہو جائے کہ یہ خدا کی طرف سے بھیجے گئے ہیں اور اس کے نمائندہ ہیں اور جو کچھ یہ حضرات فرما رہے ہیں سب حق اور حقیقت ہے تاکہ لوگ آسودہ خاطر ہو کر ان کے احکام سنیں، ان پر ایمان لائیں اور اپنی عملی زندگی میں ان کی باتوں پر عمل کریں۔

معجزہ کیا ہے؟

معجزہ یعنی وہ کام جسے انبیاء علیہم السلام اپنے دعوئ نبوت کے ثبوت میں ارادہ اور مشیت خداوندی سے انجام دیتے ہیں۔ جبکہ دوسرے لوگ اس کام کی انجام دہی سے بالکل قاصر ہیں۔

معجزہ صرف ثبوت رسالت کیلئے

بعض بہانہ کے متلاشی لوگ اپنے ذاتی عناد اور عداوت کی بنا پہ نہ کہ ثبوتِ رسالت کے لئے بلکہ انبیاء سے پرخاش کی بنا پر ان سے اس بات کا مطالبہ کرتے تھے کہ وہ فلاں فلاں کام انجام دیں اور بسا اوقات تو ایسی چیزوں کا سوال کرتے تھے جو عقلی طور پر محال ہیں لیکن انبیاء علیہم السلام نے اپنی نبوت کے اثبات کے لئے بکثرت معجزات پیش کئے تھے جس کی بنا پر وہ ان لوگوں کے مطالبات کا کوئی جواب نہ دیتے تھے اور انھیں یہ بات سمجھا دیتے تھے کہ ہمارا مقصد افراد بشر کی ہدایت ہے اور انھیں ان کے انجام سے ڈرانا ہے اور بعض ضروری مواقع پر مشیت اور ارادۂ خداوندی سے معجزات بھی پیش کرتے تھے۔

قرآن حکیم ایسے افراد کے جواب میں ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰہِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۔ (سورۂ عنکبوت آیۃ ۵۰)۔

"میں تو صرف ایک ڈرانے والا ہوں. تمام نشانیاں خدا کے پاس ہیں"۔

قرآن ایک جگہ اور ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا کَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ یَّاْتِیَ بِاٰیَۃٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ ۔ (سورۂ مومن۔ آیۃ ۷۸)۔

"کسی نبی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ بغیر اذنِ خدا کے کوئی نشانی (معجزہ) پیش کرے"۔

سولھواں سبق

عصمتِ انبیاء

خداوند حکیم اور مہربان نے انبیاء مبعوث فرمائے تاکہ ان کی رہبری میں کاروانِ بشریت صحیح راہ پر گامزن رہے اور ضلالت کی وادیوں میں نہ بھٹکے۔ معراجِ کمال وارتقاء کی آخری منزل تک پہنچ جائے اور اپنے کو انسانی صفات اور اخلاقی عادات سے آراستہ کرے۔

اسی بناء پر خداوند حکیم اور مہربان نے اپنے تمام انبیاء کو ہر قسم کی خطا اور اشتباہ اور گناہ سے محفوظ اور معصوم رکھا تاکہ زندگی کے ہر شعبے میں انسان کی صحیح اور کامل رہنمائی کر سکیں اور ان میں احکام خدا کی اطاعت اور فرمانبرداری کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھر دیں اور انھیں اِدھر اُدھر بھٹکنے سے محفوظ رکھیں۔

وہ دلیل جو ضرورت انبیاء کے ذیل میں بیان کی گئی ہے، وہی دلیل انبیاء کے لیے عصمت کو ضروری قرار دیتی ہے۔ انسانیت کی رہبری کے لئے انبیاء کا معصوم ہونا نہایت ہی ضروری ہے۔ کیونکہ بعثتِ انبیاء کی غرض اور مقصد انسان کی تربیت اور کاروانِ بشریت کی ہدایت کی طرف رہنمائی ہے۔ یہ مقصد صرف عصمتِ انبیاء کے سایہ میں حاصل ہوتا ہے۔ یہ بات بدیہی ہے کہ گناہ، خطا، اشتباہ، بے مقصد امور، ان تمام چیزوں کا انجام یہ ہے کہ لوگ متنفر ہو جائیں گے اور ان کا اعتماد اٹھ جائے گا اور اس طرح مقصدِ بعثت فوت ہو جائے گا اور لوگوں کی ہدایت اور تربیت نہ ہو پائے گی۔

یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ کوئی بھی عقلمند اپنے مقصد و ہدف کو بے کار نہیں کرتا ہے۔ بطور مثال ایک شخص کی خواہش ہے کہ اس کی محفل جشن میں معزز اور محترم

ہستیاں شرکت کریں، اسے اس بات کا بھی علم ہے کہ یہ شخصیتیں اس وقت تک تشریف نہیں لائیں گی جب تک انھیں باقاعدہ دعوت نہ دی جائے۔ ان لوگوں کو دعوت دینے کے لئے وہ کبھی بھی ایسے شخص کو منتخب نہیں کرے گا جس کو دیکھتے ہی یہ لوگ متنفر ہو جائیں، بلکہ وہ ایسے شخص کو تلاش کرے گا جو اُن لوگوں کے نزدیک محترم اور قابلِ اعتماد ہو۔ اگر اس کے علاوہ کوئی اور صورت اختیار کی تو کوئی بھی اس کے فعل کو عاقلانہ نہ کہے گا اور نہ اس شخص کو عقلمند کہے گا بلکہ سب اس کی مذمت ہی کریں گے۔

خداوند حکیم اور مہربان نے ان تمام چیزوں کا لحاظ رکھا ہے جو انسان کی ہدایت اور تربیت میں مؤثر ہیں۔ خداوند عالم نے کبھی یہ نہ چاہا کہ انسان ہوا و ہوس کا پیرو رہے اور ہوس رانوں کا آلۂ کار بنا رہے۔ جس کی بنا پر وہ اپنے ارتقائی سفر کو طے نہ کر سکے اور اپنی زندگی کو کامل نہ بنا سکے۔

خداوند عالم نے معصوم انبیاء کو بھیجا تاکہ لوگوں کی ہدایت کریں اور بہترین طریقہ پر ان کی تربیت کریں۔

انبیاء علیہم السلام کا معصوم ہونا کیوں ضروری ہے؟ ایک ذرا تفصیلی جائزہ لیتے ہیں:

تربیت

گذشتہ درس میں یہ بات پڑھ چکے ہیں کہ بعثت انبیاء کی غرض انسان کی تعلیم و تربیت ہے۔ یہ بات بدیہی ہے کہ تربیت میں معلم اور مربی کا عملی کردار اُسکے قول سے کہیں زیادہ مؤثر ہوتا ہے۔

مربی (تربیت کرنے والا) کے کردار میں یہ اثر ہے کہ وہ لوگوں میں ایک

بنیادی انقلاب پیدا کرسکتا ہے۔ تربیت کے اصول میں یہ بات قطعی ہے کہ انسان نفسیاتی طور پر مربی کے اخلاق و کردار، عادات و اطوار کو اپنانے کی کوشش کرتا ہے اور اتنا زیادہ اسکا ہمرنگ ہو جاتا ہے جس طرح صاف وشفاف پانی میں آسمان کا عکس۔ یہ پانی بھی آسمانی رنگ کا معلوم ہوتا ہے۔

صرف گفتار میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ صحیح طور پر تربیت کرسکے ۔ بلکہ تربیت (جوکہ مقصد بعثت ہے) کے لئے ضروری ہے کہ انبیاء علیہم السلام ایسے صفات و عادات سے آراستہ ہوں جس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہ ہو اور ان سے خطا و لغزش کا بھی امکان نہ ہو، تاکہ کامیابی سے انسان کی تربیت کرسکیں اور ایک مقدس مقصد کی طرف اس کی صلاحیتوں کو جذب کرسکیں۔

یہ واضح ہے کہ جو خود گناہگار ہوگا خواہ اس نے گناہ کا ارتکاب کتنی ہی تنہائی میں کیا ہو کسی کو اس کی خبر تک نہ ہوئی ہو اور یہ شخص اپنے کو لوگوں کے سامنے کتنا ہی زیادہ پارسا و پاکیزہ ظاہر کرے، ایسے شخص میں ہرگز وہ روحی استقامت اور معنوی ثبات نہ ہوگا جسکی بنا پر وہ انسانوں میں بنیادی اور روحی انقلاب لا سکے۔

جو شخص خود شراب خوار ہے وہ دوسروں کو شراب خواری سے کیونکر روکے گا، اور کیونکر اس لت سے برسرپیکار ہوگا۔

انبیاء علیہم السلام خاص کر آنحضرتؐ کا گناہ آلود اور فساد پرور معاشرے سے سخت اذیت محسوس کرنا اور سماج کے درد میں بیکل رہنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ یہ تمام حضرات گناہ اور خطا سے پاک تھے۔

انبیاء علیہم السلام کی کامیابی کا ایک اہم راز ہے کہ ان کے کردار گفتار رافعال واقوال میں زبردست اتحاد تھا۔ یہی گفتار و کردار کا اتحاد تھا جس نے سماج میں انقلاب

برپا کر دیا اور لوگوں کی منزل کمال وارتقاء کی طرف رہنمائی کی۔

جذب واعتماد

کہنے والے پر جس قدر اعتماد ہوگا اور جتنا زیادہ ایمان ہوگا، اسی قدر لوگ اسکی بات کو جذب اور قبول کریں گے اس کے برخلاف جس قدر اعتماد وایمان میں کمی ہوگی لوگ اسی قدر اس کی بات کو کم قبول کریں گے۔

انبیاء علیہم السلام جو احکام خداوندی کے ترجمان تھے اور لوگوں کو گناہ کی آلودگی سے باز رکھنے والے تھے ان کے لئے یہ بات بدرجہ اولیٰ لازمی ہے کہ وہ ہر عالی صفت سے متصف ہوں اور ہر انسانی اخلاق سے آراستہ ہوں۔ ہر قسم کے گناہ، خطا بلکہ اشتباہ سے دور ہوں تاکہ لوگوں کا اعتماد بڑھتا جائے اور ایمان وعقیدت میں اضافہ ہوتا جائے اور جس قدر یہ ایمان مستحکم ہوگا اسی قدر لوگ ان کی باتوں کو زیادہ سے زیادہ جذب اور قبول کرینگے۔ اوران کے احکام کے نفاذ کے لئے ان کو عملی بنانے کے لئے ہر ممکن کوشش کریں گے۔ اور دل کی گہرائیوں سے ان کو اپنا رہبر اور ہادی مانیں گے تاکہ بعثت کا مقصد حاصل ہو جائے اور انسان معراج کمال تک پہنچ جائے۔ اگر یہ صورت نہ ہوئی (انبیاء کا معصوم ہونا) تو مقصد بعثت حاصل نہ ہوگا۔ یہ بات حکمت خداوندی سے بہت دور ہے۔

یہ انبیاء کی عصمت تھی جس کی بنا پر لوگ ان کے دل باختہ اور عاشق ہو گئے تھے۔ بعض لوگ محبتِ پیغمبرؐ میں اس قدر آگے بڑھ گئے تھے اور خود فراموش ہو گئے تھے کہ اطاعتِ پیغمبرؐ میں اپنی جان تک کی بازی لگادی۔

آیا ہوسکتا ہے کہ ایک انسان ہر قسم کے گناہ ولغزش سے پاک پاکیزہ ہو اور اصطلاح میں معصوم ہو؟ آیئے اس سوال کا جائزہ لیتے ہیں اور اس سلسلے میں گفتگو کرتے ہیں۔

حقیقی محبّت

انبیاء علیہم السلام عشقِ الٰہی سے سرشار تھے۔ اور کیوں نہ ہوں؟ کیونکہ یہ حضرات خداوندِ عالم کو تمام دوسرے لوگوں سے زیادہ پہچانتے تھے۔ اس کی عظمت، بزرگی، شکوہ، جلال سب ان کی نگاہ کے سامنے تھیں۔ ان کو خدا کی بزرگی کا یقین تھا۔ خدا کو قابلِ عشق اور اس کو اطاعت کے لائق جانتے تھے۔ صرف اس کی رضا اور خوشنودی ان کی نظروں کے سامنے تھی۔ خدا کے علاوہ کوئی بھی چیز ان کی نظروں میں نہ آتی تھی۔ تمام چیزوں کو اس پر فدا کر دیتے تھے۔ وہ یہ جانتے تھے کہ کس کی اطاعت کرنا چاہیئے۔

یہی وجہ تھی کہ انبیاء علیہم السلام تبلیغ کی راہ میں ہر مشکل اور ہر حادثہ کا استقبال کرتے تھے۔ وہ بحرانی دور میں بھی کشادہ روی اور خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے اور خدا کی طرف متوجہ رہتے تھے، خدا کی راہ میں سختیاں برداشت کرنے میں انھیں خوشی محسوس ہوتی تھی۔

انبیاء علیہم السلام کی فداکاریاں، جانبازیاں، قربانیاں اور اس کے مقابلہ میں لوگوں کی بدسلوکی، بدرفتاری ...... سب تاریخ کے دامن میں محفوظ ہے۔ مشکلات میں ثابت قدم رہنا، پامردی سے ان کا مقابلہ کرنا، خدا کے احکام کی تبلیغ کرنا ان سب کا سرچشمہ عشقِ خداوندی کے علاوہ اور کیا ہے۔

جو راہِ خدا میں اس قدر ڈوبا ہوا ہو، فکر و خیال میں صرف خدا اور صرف خدا کا تصور ہو، دل و دماغ کی گہرائیوں میں بس اسی کا خیال ہو تو کیا ایسے شخص سے خدا کی نافرمانی کی امید کی جاسکتی ہے ــــــ نہیں۔ بلکہ یہ شخص ہمیشہ اس کی اطاعت میں ہمہ تن مشغول و مصروف رہے گا۔

رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا گیا یا رسول اللہؐ آپ (عبادت میں) اس قدر کیوں زحمت برداشت کرتے ہیں جبکہ آپ ہر قسم کے گناہ سے پاک وپاکیزہ ہیں؟ تو اس وقت رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا:

«اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا»

کیا میں شکر گزار اور سپاس گزار بندہ نہ بنوں۔[1]

حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام پیغمبر اسلامؐ کی صفات کی طرف اشارے فرماتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

«خداوند عالم نے آنحضرتؐ کو رسول اور پیغمبر بنا کر مبعوث فرمایا اس حالت میں کہ آپؐ لوگوں کو بشارت دینے والے اور ان کو ڈرانے والے تھے۔ اپنے بچپن میں سب سے برتر اور بڑھاپے میں سب سے افضل وبہتر تھے۔ آپؐ کی طبیعت ہر متقی سے پاکیزہ تر تھی باران جود وسخا ہر سخی سے کہیں زیادہ وسیع اور تیز تھی»۔[2]

«آپؐ ہر متقی و پرہیزگار کے امام اور ہر ہدایت یافتہ کی روشنی ہیں»۔[3]

ہاں انبیاء علیہم السلام کی معرفت کامل اور عشق حقیقی انھیں ہر خطا اور ہر لغزش سے محفوظ رکھے تھا۔ ارتکاب گناہ کیسا، بلکہ یہ لوگ خیال اور تصورِ گناہ سے کوسوں دور تھے۔

معرفتِ کامل

تمام انسانوں کی فکر اور معرفت ایک جیسی نہیں ہے۔ ایک جاہل کبھی بھی جراثیم

---

[1] تفسیر نور الثقلین ج ۲ ص ۳۶۷ ۔ [2] تاریخ طبری ج ۵ ص ۲۲۷، ص ۲۲۶۹ ۔ [3] نہج البلاغہ خطبہ ۱۱۵۔

کے بارے میں اس طرح فکر نہیں کرے گا جیسا کہ ایک ڈاکٹر فکر کرتا ہے۔ ایک وہ ڈاکٹر جس نے مدتوں جراثیم کے بارے میں تحقیق اور جستجو کی ہے اور برسوں خوردبین کے ذریعہ اس کی آزمائش کی ہے اور اس کے اثرات کو دیکھا ہے اسے ان تمام اشخاص کا انجام معلوم ہے جو اس مسئلہ میں لااُبالی ہیں اور جراثیم کو کوئی اہمیت نہیں دیتے ہیں یہ ڈاکٹر کبھی بھی جراثیم کے بارے میں لاپرواہی نہیں برتے گا۔

اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ جاہل جراثیم کے اثرات سے ناواقف گندہ پانی استعمال کرلیتا ہے اسے کسی چیز کی کوئی فکر بھی نہیں ہوتی ہے۔ لیکن وہ ڈاکٹر ہرگز اس پانی کو استعمال نہیں کرے گا بلکہ اس کے استعمال کی فکر بھی نہیں کرے گا۔

اس اجتناب کا سبب ڈاکٹر کا علم اور اس کی معرفت ہے جس طرح سے جاہل کیچڑ کو استعمال نہیں کرتا ہے کیونکہ کیچڑ کے مضرات سے آگاہ ہے اور اس کے نقصانات کا اسے علم ہے۔ لیکن ایک سال کا بچہ کیچڑ سے بھی پرہیز نہیں کرے گا کیونکہ اسے اس کے نقصانات کا بالکل علم نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اکثر اشخاص تدریجی نقصانات کو کوئی خاص اہمیت نہیں دیتے ہیں جبکہ یہی لوگ بلائے ناگہانی سے وحشت زدہ ہو جاتے ہیں اور اس کے روک تھام کی کوشش کرتے ہیں جیسے وہ شخص جس کے دانت میں کیڑے لگ گئے ہیں وہ ان کو نکلوانے میں کاہلی اور سستی برتتا ہے اور ڈاکٹر تک جانے کے لئے آج اور کل لگائے رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے سارے دانت خراب ہو جاتے ہیں پھر یہ شخص مختلف امراض کا شکار ہو جاتا ہے اور طرح طرح کے درد میں مبتلا ہو جاتا ہے لیکن یہ شخص جب گردے میں تکلیف محسوس کرتا ہے تو فوراً ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے اور اس کا باقاعدہ علاج کراتا ہے۔

اگر کوئی پڑھا لکھا ڈاکٹر شراب خواری کا عادی بن جائے تو وہ اس وجہ سے کہ وہ شراب کے روحانی اور معنوی نقصانات سے بے خبر ہے۔ خواہشاتِ نفس کی پیروی کرتے

ہوئے اس کے تدریجی ضرر کو کوئی خاص اہمیت نہیں دیتا ہے۔

عام طور سے لوگ گناہ کو ایک سطحی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس کے تمام دوسرے پہلوؤں پر نظر نہیں ڈالتے ہیں، گناہ کا اثر روح اور جسم پر کیا ہوتا ہے اس سے لوگ بے بہرہ رہتے ہیں۔ لیکن انبیاء علیہم السلام جو معرفت اور علم کے لحاظ سے تمام لوگوں سے افضل اور برتر ہیں وہ گناہ کی حقیقت سے خوب واقف ہیں۔ دنیائے آخرت میں گناہ کے اثرات کیا ہوں گے اسے وہ اسی دنیا میں اپنی معنوی طاقت کی بنا پر مشاہدہ کرتے ہیں۔ لہٰذا کبھی بھی خواہشاتِ نفس کے سامنے تسلیم نہیں ہوتے ہیں اور نہ وہ اپنے دامن کو گناہ سے آلودہ کرتے ہیں بلکہ ان کے دل و دماغ میں فکر گناہ بھی راہ نہیں پاتی ہے۔

عالم آخرت اور عالم برزخ میں گناہ کے اثرات کا باقاعدہ مشاہدہ کرتے تھے اور لوگوں کے سامنے بیان کرتے تھے۔ اس ذیل میں پیغمبر اسلامؐ سے متعدد روایتیں وارد ہوئی ہیں ان میں سے بعض کو یہاں ذکر کیا جاتا ہے:

حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا بیان ہے: ہم حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے ہمراہ پیغمبر اسلامؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے دیکھا کہ آنحضرتؐ بشدت گریہ فرمارہے ہیں۔ میں نے رسول خدا کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہؐ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہو جائیں۔ آپ گریہ کیوں فرمارہے ہیں؟

آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا: میں جس شب معراج میں لے جایا گیا، وہاں میں نے اپنی امت کی عورتوں کو سخت ترین عذاب میں مبتلا دیکھا۔ ایک عورت کو دیکھا کہ بال باندھ کر لٹکا دی گئی ہے اور اس کا بھیجہ آگ کی شدت سے کھول رہا ہے۔ دوسری عورت کو دیکھا کہ زبان باندھ کر لٹکا دی گئی ہے اور اس کی حلق میں کھولتا ہوا پانی ڈالا جارہا ہے ایک دوسری عورت کو دیکھا کہ وہ اپنے بدن کا گوشت کھارہی ہے اور اس کے پیر کے نیچے

آگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں، ایک اور عورت کو دیکھا کہ اس کے ہاتھ پیر باندھ دیئے گئے ہیں اور جہنم کے سانپ و بچھو اس پر مسلط ہیں......... کسی کے گوشت کو آگ کی قینچی سے کاٹ رہے ہیں، کوئی کتے کی صورت میں ہے نیچے کی طرف سے آگ ڈالی جاتی ہے اور منھ سے نکلتی ہے۔ عذاب کے فرشتے اس پر آگ کے کوڑے برسا رہے ہیں.......

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے خدمتِ رسولؐ میں عرض کی کہ ان عورتوں نے کیا کیا تھا جو اس طرح کے عذاب میں مبتلا ہیں؟

پیغمبر اسلامؐ نے ارشاد فرمایا: وہ عورت جو اپنے بالوں میں لٹکی ہوئی تھی یہ وہ عورت ہے جو دنیا میں اپنے بالوں کو نامحرموں سے نہیں چھپاتی تھی۔ وہ عورت جو زبان پر لٹک رہی تھی یہ وہ عورت ہے جو اپنے شوہر کو اذیت دیتی تھی۔ وہ عورت جو اپنے بدن کا گوشت کھا رہی تھی یہ وہ عورت ہے جو نامحرموں کیلئے آرائش کرتی تھی۔ وہ عورت جس کے ہاتھ پیر باندھ دیئے گئے تھے اور اس پر جہنم کے سانپ اور بچھو مسلط تھے یہ وہ عورت ہے جو وضو، طہارت، پاکیزگی لباس اور غسلِ جنابت اور حیض کو کوئی اہمیت نہیں دیتی تھی اور نماز کو ہلکا اور سبک خیال کرتی تھی... وہ عورت جس کے گوشت کو آگ کی قینچی سے کاٹا جا رہا تھا یہ وہ عورت ہے جو اپنے کو اجنبی اور نامحرم کے سپرد کر دیتی تھی، وہ عورت جو کتے کی صورت میں محشور ہوئی تھی اور اس کے نیچے سے آگ ڈالی جاتی تھی اور منھ سے نکلتی تھی یہ وہ عورت تھی جو دنیا میں گاتی بجاتی تھی.......

اس کے بعد آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا: لعنت ہو اس عورت پر جو اپنے شوہر کو غصہ دلائے اور خوش قسمت ہے وہ عورت جس سے اس کا شوہر راضی اور خوشنود ہو۔"[1]

رسولِ خداؐ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ میں نے بعض لوگوں کو دیکھا کہ انھیں آگ کے قلابے میں لٹکایا گیا ہے۔ میں نے جبرئیلؑ سے پوچھا یہ لوگ کون ہیں؟ جبرئیلؑ نے کہا: یہ وہ لوگ

---

[1] بحار الانوار جلد ۱۸ صفحہ ۳۵۱

ہیں جنھیں خدا نے رزق حلال دیا تھا اور انھیں حرام سے بے نیاز و مستغنی کر دیا تھا لیکن یہ لوگ حرام کا ارتکاب کرتے رہے۔

دوسرے بعض لوگوں کو دیکھا کہ اُنکی جلد آگ کے دھاگے سے سِلی جارہی تھی پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو لڑکیوں سے نا جائز روابط رکھتے تھے۔[1]

آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا: جو لوگ سود خوار ہیں خداوند عالم ان کے پیٹ کو آتش جہنم سے بھر دے گا جس قدر انھوں نے سود کھایا ہوگا۔[2]

اس طرح آنحضرتؐ نے شراب خواری اور دوسرے گناہوں کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے۔ یہ وہ بیانات ہیں جو انسانوں کو گناہ سے روکتے ہیں۔ چہ جائیکہ پیغمبرؐ جو خود اپنی نگاہوں سے برزخ اور آخرت میں گناہوں کے اثرات دیکھ رہے تھے۔

مختصر یہ کہ آخرت کی یاد، آخرت میں گناہوں کے اثرات کا مشاہدہ، یہ وہ چیزیں ہیں جس کی بنا پر فعل گناہ تو درکنار انبیاء فکر گناہ بھی نہ کرتے تھے۔

خداوند عالم قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

وَاذْكُرْ عِبَادَنَا إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ أُولِي الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ ۝ إِنَّا أَخْلَصْنَاهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ۝ وَإِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ ۝ (سورۂ ص آیہ ۴۵/۴۶/۴۷)

اے میرے پیغمبر! یاد کیجیے ہمارے بندوں میں سے ابراہیمؑ، اسحٰقؑ اور یعقوب کو، کہ سب صاحب اقتدار اور با بصیرت تھے ہم نے انھیں اس بنا پر خالص قرار دیا کہ وہ آخرت کی یاد کیا کرتے تو بیشک یہی ہمارے نزدیک منتخب اور نیک بندے ہیں۔

---

[1] بحار الانوار جلد ۱۸ ص ۳۲۳ ۔ [2] ثواب الاعمال و عقاب الاعمال ص ۳۳۶

سترہواں سبق

حضرت موسیٰ علیہ السلام

جناب موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت مصر میں دو قبیلہ "قبطی" اور "سبطی" نام کے رہتے تھے۔ مصر کے فرمانروا "فراعنہ" قبطی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے اور سبطی جناب یعقوب علیہ السلام کی نسل کے افراد تھے، اور بنی اسرائیل کے نام سے مشہور تھے بنی اسرائیل پہلے "کنعان" میں رہتے تھے اور یہی ان کی قدیمی جائے پیدائش تھی لیکن جب جناب یوسف علیہ السلام مصر کے حاکم ہوئے تو اس وقت بنی اسرائیل کنعان سے مصر آگئے اور یہیں رہنے لگے۔ شروع شروع میں ان کی تعداد کوئی خاص نہیں تھی مگر دھیرے دھیرے ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور باعزت قوم میں شمار ہونے لگا۔

جناب یوسف علیہ السلام کی وفات کے بعد اور مسلسل نافرمانیوں کی بنا پہ یہ لوگ اپنی عزت و آبرو کھو بیٹھے اور اس قدر گر گئے کہ قبطی ان پر مسلط ہو گئے اور ان کا استحصال کرنے لگے۔ ان سے سخت سے سخت کام لیتے تھے اور ان پر ظلم و جور روا رکھتے تھے۔

مصر کے بادشاہ کا لقب "فرعون" تھا جو قبطی خاندان کا ایک فرد تھا۔ اس کے ہاتھ سبطیوں کے خون سے رنگین تھے۔ وہ اس قدر طاقتور اور بااقتدار تھا کہ اس کا مقابلہ کرنے کی کوئی فکر تک نہ کرتا تھا۔ وہ اس قدر "خود پسندی" میں ڈوبا ہوا تھا کہ اپنے کو خدا کہنے لگا اور لوگوں کو اپنی عبادت اور بت پرستی کرنے پر مجبور کرنے لگا۔

لیکن فرعون اس بات سے غافل تھا کہ خداوند عالم کبھی بھی لوگوں کو نورِ ہدایت سے دور نہیں رکھے گا اور اس کو اس بات کا علم نہ تھا کہ ہمیشہ سے سنت خدا یہ چلی آ رہی ہے کہ

خداوندعالم نے پیغمبروں کے ذریعہ لوگوں کو جہل اور ظلم وستم سے نجات دلائی ہے۔ فرعون اس بات کا احتمال تک نہ دیتا تھا کہ ہوسکتا ہے کہ غیب کے پردوں سے کوئی ہاتھ باہر آئے اور کوئی کارنامہ انجام دے۔

پیشن گوئی کرنے والوں نے فرعون کو یہ اطلاع دی تھی کہ عنقریب بنی اسرائیل کی نسل سے ایک ایسا بچہ پیدا ہوگا جو اس کی بادشاہت اور سلطنت کے لئے زبردست خطرہ ہوگا۔ یہ سُن کر فرعون غصہ سے بھر گیا اور فوراً ہی یہ حکم دے دیا کہ بنی اسرائیل کے تمام بچے قتل کر دیئے جائیں اور بنی اسرائیل کا کوئی بھی بچہ زندہ نہ بچے۔

تمام تر کوششوں اور ناکہ بندیوں کے باوجود جناب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ بنی اسرائیل کے سروں پر جو خطرہ منڈلا رہا تھا اس کے ڈر سے جناب موسیٰ ؑ کی والدہ نے اپنی تمام تر محبتوں کے باوجود الہام خداوندی کے اشارے پر جناب موسیٰ ؑ کو ایک صندوق میں رکھ کر دریائے نیل کی موجوں کے حوالے کر دیا۔

اپنے محل میں، دریائے نیل کے کنارے، فرعون اور اس کی زوجہ، دریائے نیل کی موجوں کو دیکھ رہے تھے کہ یکایک نظر صندوق پر پڑی، جس میں ایک بچہ لیٹا ہوا دریائے نیل کی بلند خیز موجوں پر آرام کر رہا تھا۔ جس وقت زوجۂ فرعون کی نظر اس معصوم بچہ کے چہرہ پر پڑی تو اس کا دل بھر آیا اور اس بات پر راضی نہ ہوا کہ اس چھوٹے سے بچّے کو دوبارہ دریا کے حوالے کر دیا جائے وہ اپنے دل میں بچّے کی محبت محسوس کرنے لگی۔ اس نے فرعون سے اس بات کی اجازت مانگی کہ اس بچہ کی حفاظت محل میں کی جائے اور اپنے بچہ کی طرح رکھا جائے۔ فرعون راضی ہوگیا اس امید پر کہ ایک دن یہ بچہ اس کے کام آئے گا اور اس کا سہارا ہوگا۔

دودھ پیتے بچے نے کسی بھی دایہ کے پستان کو منھ تک نہ لگایا اور یہ بات ایک

مشکل بن گئی۔ آخر کار جناب موسیٰ کی والدہ بلائی گئیں اور دایہ کے فرائض ان کے سپرد کئے گئے۔ انھوں نے جناب موسیٰ کو اپنی گود میں لیا اور دودھ پلانا شروع کر دیا۔

کس قدر حیرت انگیز ہے۔

فرعون خود اپنے دامن میں اپنے دشمن کی پرورش کر رہا ہے!

جناب موسیٰ علیہ السلام بڑے ہوئے خداوند عالم نے انھیں علم و حکمت سے نوازا۔ فرعون کے دربار کے تمام ظلم و ستم جناب موسیٰ نے اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے۔ جناب موسیٰ علیہ السلام صرف ظلم ہی نہیں بلکہ مظالم کو دیکھ کر روحی اذیت محسوس کرتے اور اس کے انسداد کے لئے ہمیشہ سوچتے رہتے تھے۔

جناب موسیٰؑ نے ایک دن راستہ میں ایک فرعونی کو دیکھا جو بنی اسرائیل کے ایک فرد سے دست و گریباں تھا۔ بنی اسرائیل کے فرد نے جناب موسیٰ کو دیکھ کر انھیں اپنی مدد کے لئے پکارا۔ جناب موسیٰ آگے بڑھے اور ایک زبردست گھونسہ اس فرعونی کو رسید کیا جس کی وجہ سے وہ وہیں پر مر گیا۔

جناب موسیٰ علیہ السلام کا ارادہ اس فرعونی کو قتل کرنے کا نہ تھا۔ لہٰذا کہنے لگے کہ یہ حادثہ ایک شیطانی کام تھا اور شیطان انسان کو گمراہ کرنے والا اور کھلا ہوا دشمن ہے۔

جناب موسیٰؑ آگے بڑھ گئے۔ دوسرے روز جناب موسیٰؑ نے پھر اسی اسرائیلی کو دیکھا کہ ایک دوسرے فرعونی کے ساتھ دست و گریباں ہے۔ اس نے پھر اپنی مدد کیلئے حضرت موسیٰؑ کو پکارا۔ جناب موسیٰؑ آگے بڑھے کہ دونوں کو الگ کر دیں اسرائیلی اس خوف سے کہ کہیں حضرت موسیٰؑ اس کو نہ ماریں کہنے لگا کہ "کیا آپ مجھے کل کے شخص کی طرح قتل کرنا چاہتے ہیں؟"

اس واقعہ کے بعد ہر وقت جناب موسیٰؑ کی نقل و حرکت پر نظر رکھی جانے لگی۔

فرعونیوں کو اس بات کا مکمل یقین ہو گیا تھا کہ فرعونِ وقت کے قاتل یہی موسیٰ ؑ ہیں۔ اسی لئے فرعون نے جناب موسیٰ ؑ کو قتل کرنے کے لئے لوگوں سے مشورے طلب کئے۔

فرعون کی طرف سے کچھ لوگ جناب موسیٰ ؑ پر مامور کر دیئے گئے تاکہ وہ جناب موسیٰ ؑ کا تعاقب کریں۔ ان دنوں جناب موسیٰ ؑ بہت ہی خوف و ہراس کی زندگی بسر کر رہے تھے کہ ایک "خداشناس" نے جناب موسیٰ ؑ کو اس بات سے آگاہ کیا کہ جس قدر جلد ہو سکے آپ اس شہر سے نکل جائیے کیونکہ فرعونی آپ کے قتل کے درپے ہو گئے ہیں اور آپس میں مشورے کر رہے ہیں۔

خوف و ہراس کے عالم میں جناب موسیٰ ؑ شہر مصر سے شہر "مَدْیَن" کی طرف روانہ ہو گئے اور ظالموں سے نجات پانے کے لئے بارگاہِ خداوندی میں دست بدعا تھے کہ "رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ" خدایا مجھے اس قوم ستمگر سے نجات دے۔

جناب موسیٰ ؑ شہر مَدْیَن میں وارد ہوئے اور آرام کرنے کے لئے ایک کنوئیں کے کنارے ٹھہر گئے۔ کنوئیں کے کنارے بہت سارے لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے تھے لیکن لوگوں کی اس بھیڑ سے دور دو عورتیں اپنے گوسفندوں کو لئے منتظر کھڑی تھیں۔ جناب موسیٰ ؑ ان کی مدد کے لئے آگے بڑھے اور ان سے ان کے انتظار کا سبب دریافت کیا۔ انھوں نے کہا:

ہمارے والد بوڑھے اور ضعیف ہو چکے ہیں لہٰذا مجبوراً ہمیں ان گوسفندوں کو پانی پلانا ہوتا ہے ہم اس بات کے منتظر ہیں کہ یہ لوگ چلے جائیں تاکہ ہم اپنے گوسفندوں کو پانی پلا سکیں۔

جناب موسیٰ ؑ نے ان گوسفندوں کو پانی پلایا اور سیراب کیا۔ عورتیں اپنے گھر واپس چلی گئیں۔ جناب موسیٰ ؑ جو کافی زیادہ تھک چکے تھے اور بھوکے بھی تھے ساتھ میں بھی کوئی

چیز نہ تھی تاکہ اپنی گرسنگی دور کرتے۔ سایہ میں آرام کرنے کے لئے بیٹھ گئے اور خدا سے دعا مانگی کہ وہ ان کی بھوک کا کوئی سامان کر دے۔ "رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ"۔ تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ ان دونوں میں سے ایک لڑکی شرم وحیا کے ساتھ قدم بڑھاتے ہوئے جناب موسیٰؑ کے پاس آئی اور کہنے لگی، "ہمارے والد آپ کو بلا رہے ہیں کہ آپ کو آپ کے کام کی اجرت دیں"۔

ان دونوں لڑکیوں کے والد جناب شعیب علیہ السلام تھے جو خدا کے نبی اور پیغمبر تھے۔

جناب موسیٰؑ اس لڑکی کے ہمراہ ہو لئے اور اس سے کہنے لگے کہ میں تمہارے آگے چلتا ہوں اور تم پیچھے سے راستہ بتاؤ کیونکہ میں اس خاندان (خاندان انبیاء) سے تعلق رکھتا ہوں جو عورت کے جسم پر پشت سے بھی نگاہ نہیں کرتے ہیں۔

اس طرح جناب موسیٰ علیہ السلام جناب شعیب علیہ السلام تک پہونچے اور ان سے اپنا سارا واقعہ بیان کیا۔ جناب شعیبؑ نے حضرت موسیٰؑ کی حوصلہ افزائی فرمائی اور فرمایا کہ اب ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے اب تم ظالموں سے نجات پا چکے ہو۔

وہ لڑکی جو حضرت موسیٰؑ کو بلانے گئی تھی حضرت شعیبؑ سے کہنے لگی، بابا جان آپ ان کو نوکر رکھ لیجئے کیونکہ یہ شخص طاقتور بھی ہے اور امانتدار بھی۔

جناب شعیبؑ جو حضرت موسیٰؑ کی پاکدامنی اور امانتداری سے باخبر تھے ان دو لڑکیوں میں سے ایک کو حضرت موسیٰؑ کی زوجیت میں دے دیا اور یہ عہد لیا کہ حضرت موسیٰؑ دس سال تک وہیں رہیں اور جناب شعیبؑ کے کام انجام دیتے رہیں۔ چنانچہ جناب موسیٰؑ دس سال تک حضرت شعیبؑ کے پاس رہے اور ان کے گلہ کی نگرانی اور چوپانی کرتے رہے۔[۱]

---

[۱] تفسیر نور الثقلین ج ۴، ص ۱۲۳/۱۱۷۔

دس سال کے بعد جناب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اہل وعیال کے ہمراہ مصر کا سفر کیا اثنائے راہ شب کی تاریکی اور سردی کی وجہ سے راستہ نظر نہیں آرہا تھا ہر طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا جس کی بنا پر راستہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ جناب موسیٰؑ اپنے اہل وعیال کے ہمراہ سرگرداں اور پریشان تھے کہ ان کی نگاہیں آگ کے شعلے پر پڑیں فوراً اپنی زوجہ سے کہا: "تم یہیں ٹھہرو میں آگ کی طرف جارہا ہوں ہوسکتا ہے وہاں کوئی مل جائے (اس سے راستہ دریافت کیا جائے) اور تھوڑی سی آگ بھی لیتا آؤں تاکہ سردی کا مقابلہ کیا جاسکے۔" جناب موسیٰؑ تیز قدم بڑھاتے ہوئے آگ کی طرف گئے اور جیسے ہی وہاں پہونچے ایک درخت سے آواز آئی:

"یَامُوسٰی اِنِّیۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ۔۔۔۔۔۔"

"اے موسیٰ میں ہوں خدائے واحد میں ہوں سارے عالم کا پروردگار پس جو کچھ تمھاری طرف وحی کی جارہی ہے اُسے غور سے سنو۔ میں ہوں خدائے یکتا میرے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے۔ صرف میری عبادت کرو مجھے یاد رکھنے کے لئے نماز قائم کرو قیامت یقیناً آنے والی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تاکہ ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جاسکے۔" [1]

جناب موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں میں لکڑی کا ایک عصا تھا جس سے وہ عصا کا کام بھی لیتے تھے اور اسی سے اپنے گوسفندوں کے لئے پتیاں بھی توڑتے تھے اس وحی میں جناب موسیٰؑ کو حکم دیا گیا کہ اپنے عصا کو زمین پر گرادو جناب موسیٰؑ نے اسے زمین پر گرادیا عصا نے ایک اژدہے کی شکل اختیار کرلی۔ یہ دیکھ کر جناب

[1] استفادہ از سورۂ قصص آیات (۳۱۔ ۱۵) (سورہ طٰہٰ آیات۔ ۱۶۔۱۲)

موسیٰؑ ڈرے اور پیچھے ہٹے خوف کے مارے اپنی نگاہوں کو نہیں ہٹا رہے تھے۔ آوازِ غیب آئی، اے موسیٰ واپس آؤ، ڈرو نہیں، مطمئن رہو۔ جناب موسیٰؑ مطمئن ہو گئے سکون قلب مل گیا۔ واپس آئے اور حکم خدا سے ہاتھ بڑھا کر اژدہے کو پکڑ لیا۔ وہ اژدہا حکم خداوندی سے پھر عصا میں تبدیل ہو گیا پھر ایک حکم ہوا کہ اے موسیٰ اپنے ہاتھ کو گریبان میں لے جا کر باہر نکالو۔ جب جناب موسیٰؑ نے ہاتھ گریبان سے نکالا تو اپنے ہاتھ کو نورانی پایا جس سے ایک سفید نور سا چھن رہا تھا۔ یہ نور ایسا نہ تھا جس سے کہ آنکھوں کو تکلیف ہو۔

یہ تھے جناب موسیٰؑ کے معجزات، جو خداوند عالم نے عطا فرمائے تھے تاکہ فرعون اور اس کے حوالی موالی کو ان کی پیغمبری میں کوئی شک وشبہ باقی نہ رہے۔ یہ تمام چیزیں اس لئے جناب موسیٰؑ کو عطا کی گئی تھیں تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ موسیٰؑ بس یوں ہی اپنے دل سے نبوت کا دعویٰ کر رہے ہیں۔

خداوند عالم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا کہ فرعون کے پاس جاؤ۔ اب جناب موسیٰؑ کی رسالت کا آغاز ہو چکا تھا۔

جناب موسیٰ علیہ السلام نے پہلی ہی ملاقات میں فرعون کو اپنی نبوت ورسالت سے آگاہ کیا اور اسے عبادتِ خداوندی کی دعوت دی اور کہا اگر تم پاک وپاکیزہ بننا چاہتے ہو تو میں تم کو تمھارے پروردگار کی طرف رہنمائی کرتا ہوں۔

فرعون نے پوچھا: تمھارا خدا کون ہے؟

جناب موسیٰؑ نے فرمایا: میرا خدا وہ ہے جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور اسی نے ساری چیزوں کو پیدا کیا ہے۔

یہ جواب سنکر فرعون برانگیختہ ہو گیا اور جناب موسیٰؑ سے کہنے لگا کہ میری نظر میں میرے علاوہ تمھارا کوئی اور خدا نہیں ہے اگر تم نے میری پرستش نہ کی تو تمھیں سخت سزا دی جائے گی۔

جناب موسیٰؑ نے کہا! اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے نشانیاں اور معجزات بھی پیش کروں اس وقت کیا کروگے؟

فرعون نے کہا: کہاں ہیں تمھارے پروردگار کی نشانیاں، اگر سچے ہو تو لاؤ دکھاؤ؟

جناب موسیٰ علیہ السلام نے عصا کو زمین پر پھینک دیا، یہ لکڑی کا عصا اژدہا بن گیا اور اپنے دست مبارک کو گریبان میں لے جاکر باہر نکالا اور اس نورانی اور دمکتے ہوئے ہاتھ کو فرعون کے روبرو کر دیا۔ یہ دیکھ کر فرعون کے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ ایک طرف حضرت موسیٰؑ، ان کا خدا اور اس کی نشانیاں تھیں۔ دوسری طرف تخت و تاج، سلطنت و مملکت اور مصریوں پر تنہا حکمرانی تھی۔ خود پسندی اور غرور نے فرعون کو حضرت موسیٰؑ کے سامنے تسلیم ہونے سے روکا۔ لیکن ان نشانیوں کے مقابلے میں سخت حیران تھا۔ اپنے آپ سے کہا: ایسا ہے میں ان کو جادوگر مشہور کر دوں؟ اسی خیال سے اپنے اطرافیوں سے کہنے لگا یہ ایک جادوگر ہے جو تمھیں تمھارے گھروں سے بے گھر کرنا چاہتا ہے تاکہ خود تمھاری جگہ پر قبضہ کرلے۔ اس کے بارے میں تم لوگوں کا کیا خیال ہے؟

کہنے لگے: انھیں روک لو اور جادوگروں کو بلاؤ تاکہ وہ اس پر غلبہ حاصل کریں اور اس کے جادو کو باطل کر کے اس کو رسوا کریں۔

فرعون نے یہ تجویز قبول کرلی۔ فرعون کی دعوت پر اس وقت کے تمام نامی گرامی اور کہنہ مشق جادوگر جمع ہو گئے۔ اس عظیم اجتماع میں فرعون نے جادوگروں سے یہ وعدہ کیا کہ اگر تم موسیٰ پر غالب آ گئے تو میرے نزدیک ہر چیز کے تم مستحق قرار پاؤ گے۔

دلوں میں یہ خیالِ خام لئے کہ بس ابھی اپنے جادو کے ذریعہ موسیٰ پر غالب آجائیں گے اور موسیٰ کو رسوا کر کے فرعون کے نزدیک منصب و مقام کے سزاوار ہوں گے ـــ ان

جادوگروں نے اپنی رسیاں اور لکڑیاں زمین پر پھینک ہی تو دیں۔ جادو کے اثر کی بنا پر یہ رسیاں اور لکڑیاں تماشائیوں کی نظروں میں سانپ معلوم ہونے لگیں جو سانپ کی طرح ادھر ادھر رینگ رہی تھیں۔ یہ دیکھ کر لوگوں نے حیرت کے مارے دانتوں میں انگلیاں دبالیں۔ لیکن موسیٰ خدا کے ساتھ تھے بلکہ یوں کہا جائے کہ خدا موسیٰ کے ساتھ تھا جب جناب موسیٰؑ کی نوبت آئی تو جناب موسیٰؑ نے اپنے عصا کو جادو کے ڈھیر کی طرف پھینک دیا جسے فرعون کے دو جادوگروں نے اکٹھا کر رکھا تھا۔ سب نے دیکھا کہ لکڑی کے عصا نے ایک زبردست اژدہے کی شکل اختیار کرلی۔ اژدہے نے ایک چکر لگایا اور جادوگروں کی بنائی ہوئی ساری چیزوں کو اس طرح نگل گیا گویا کہ اس سے پہلے وہاں کچھ تھا ہی نہیں۔

سب سے پہلے یہی جادوگر حضرت موسیٰؑ پر ایمان لائے سب نے ایک زبان اور ایک دل ہو کر کہا کہ "ہم اس خدا پر ایمان لائے ہیں، جو ساری کائنات کا اور حضرت موسیٰ اور ہارون کا پروردگار ہے۔" سب کے سب سجدے میں گر گئے اور اپنے کئے کی معافی چاہنے لگے۔

یہ دیکھ کر فرعون کے غصہ کا پارہ اور چڑھ گیا۔ اس نے ان جادوگروں کو دھمکی دی۔ مگر یہ لوگ جو جادو اور معجزہ کے فرق کو ہر ایک سے بہتر سمجھ رہے تھے انھیں اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ حضرت موسیٰؑ جادوگر نہیں ہیں ان کے پاس جو قدرت و طاقت ہے وہ خدا کی عطا کی ہوئی ہے اور جناب موسیٰؑ واقعاً ایک سچے نبی ہیں جس کی بنا پر ان جادوگروں پر فرعون کی دھمکی کا ذرا سا بھی اثر نہ ہوا۔ فرعون نے ان سے کہا تم میں یہ جرأت کہ تم میری اجازت کے بغیر ایمان لے آئے میں تمھارے ہاتھ اور پیر کو جسم سے جدا کردوں گا اور تمھیں کھجور کی شاخوں پر سولی دے دوں گا۔ فرعون یہ سوچ رہا تھا

ایمان لانے کے لئے اس کی اجازت شرط ہے۔! مگر شاید اسے یہ معلوم نہیں ایمان لانے کے لئے اس کی اجازت کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

جادوگر کہنے لگے: ہم تجھکو ہرگز اس خدا پر ترجیح نہیں دیں گے جس نے ہمیں پیدا کیا ہے۔ ایمان لانے والوں میں چونکہ ہم پہلے ہیں لہٰذا خداوند عالم سے امید مغفرت رکھتے ہیں تیرا جو جی چاہے انجام دے۔ ہمیں اس بات کا بخوبی علم ہے کہ یہ دنیا صرف چندروزہ ہے اس کو ہرگز دوام وثبات نہیں ہے۔

ایمان میں ڈوبے ہوئے یہ آتشیں الفاظ بھی فرعون اور اس کے ماننے والوں کے لئے بے اثر تھے۔ یہ سب جاہ وجلال کے عاشق اور منصب ومقام کے فریفتہ تھے۔

انہی لوگوں نے بنی اسرائیل کو قیدی بنایا تھا عورتیں جن سے کوئی خطرہ نہ تھا انھیں زندہ رکھتے تھے اور ان سے سخت سے سخت کام لیتے تھے اور بچوں اور جوانوں کو قتل کر دیتے تھے۔ خداوند عالم نے بارہا ان کی کمزوریوں کو ظاہر کیا، انھیں ذلیل وخوار کیا تاکہ اس سے کچھ عبرت حاصل کریں۔ جب بھی ان پر کوئی بلا نازل ہوتی اس وقت جناب موسیٰؑ سے یہ عہد کرتے اگر خدا نے اس بلا کو ہم سے دور کر دیا تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ لیکن جب وہ بلا دور ہو جاتی تھی تو یہ اس عہد کو بھلا دیتے تھے اور پھر دوبارہ ظلم کرنا شروع کر دیتے تھے۔

فرعون اپنی قوم سے کہتا: مجھے اس بات کی اجازت دو کہ میں موسیٰ کے خدا کو قتل کر ڈالوں کیونکہ مجھے اس بات کا خطرہ ہے کہ کہیں وہ تمھیں تمھارے دین سے خارج نہ کر دے۔ مجھے اس بات کا بھی خوف ہے کہ تمھاری سرزمین پر فتنہ وفساد برپا کرے۔

جناب موسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے: میں خدا کے ذریعہ ہر اس شخص سے پناہ مانگتا ہوں جو باغی و سرکش ہو اور قیامت کا منکر ہو۔

اس دوران ایک ایسا شخص ظاہر ہوا جس نے آج تک اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھا تھا۔ اس شخص نے قوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: تم لوگ اسے قتل کرنا چاہتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار " خدا " ہے۔ مگر تم ان نشانیوں کو نہیں دیکھ رہے ہو جسے وہ اپنے ہمراہ لایا ہے؟

فرعون نے کہا: میں نے جو کچھ کہا ہے بس وہی صحیح ہے۔

دوبارہ پھر اسی مرد مومن نے لوگوں کو توجہ کرتے ہوئے کہا: مجھے اس کا خوف ہے کہ کہیں تمھارا بھی انجام قوم نوح، عاد، اور ثمود کی طرح نہ ہو۔ میں ڈر رہا ہوں کہ کہیں خدا تمھیں آتش دوزخ کے حوالے کر دے اور پھر کوئی تمھیں عذاب جہنم سے نجات نہ دلا سکے۔

فرعون نے اس مرد مومن کی نصیحت پر کوئی اعتنا نہ کی اور اپنی سوچ میں ڈوبا رہا۔ اپنے وزیر " ہامان " سے مسکرا کر کہا: میرے لئے ایک بہت اونچا مینار بناؤ تا کہ اس کی بلندی سے آسمان کے راستوں سے آگاہی حاصل کروں۔ ہوسکتا ہے کہ وہاں موسیٰ کے خدا کا پتہ چلا سکوں۔

وہ مرد مومن خدا پر مکمل ایمان و اعتقاد رکھتا تھا اس نے اپنی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے کہا: میری پیروی کرو میں تمھیں راہ راست کی ہدایت کروں گا۔

اے میری قوم دنیا کی زندگانی صرف چند روزہ ہے اس پر مت اتراؤ زندگی' آخرت ہی ثابت اور باقی رہنے والی ہے۔

انسانوں کے سارے اعمال کی وہاں دیکھ بھال کی جائے گی۔ برُے اعمال والوں کو ان کے کیفر کردار تک پہونچایا جائے گا اور نیک اشخاص کو ان کے اعمال کا پورا

پورا بدلہ دیا جائے گا۔

نیکیوں کی جزا بہشت اور جنت ہے

میں تمھیں راہ نجات کی طرف بلا رہا ہوں اور تم لوگ مجھے جہنم اور دوزخ کی طرف کھینچ رہے ہو۔

تم لوگ مجھ سے مطالبہ کر رہے ہو اس بات کا کہ میں خدائے واحد کا انکار کردوں اور دوسرے کو اس کا شریک قرار دوں۔ میں تمھیں اس خدا کی طرف بلا رہا ہوں جو صاحب جود و عطا اور صاحب عزت ہے۔ اس خدا کی طرف ہر ایک کی بازگشت ہے۔

ہر وہ شخص جو حق کو دیکھ رہا ہے، سمجھ رہا ہے، پہچان رہا ہے پھر بھی اس کے سامنے تسلیم نہیں ہوتا تو یہ شخص ہمیشہ آتش جہنم میں رہے گا۔

عنقریب تمھیں میری گفتگو کی صداقت معلوم ہو جائے گی۔

اس کے باوجود فرعون اور فرعون پرستوں نے اپنا راہ نہ چھوڑی خداوند عالم نے اس مرد مومن کو اپنی پناہ میں لے لیا اور فرعون اور فرعون پرستوں کو مبتلائے عذاب کر دیا۔

آخر کار خداوند عالم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ تم اپنی ستم دیدہ قوم کو راتوں رات شہر مصر سے لیکر نکل جاؤ۔ جناب موسیٰؑ اپنی قوم بنی اسرائیل کو لے کر رات کی تاریکی میں دریائے سرخ کی طرف چل پڑے۔ ان کے دلوں میں خوف تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ فرعون اپنے لشکر سمیت آ لے اور ہوا بھی کچھ ایسا ہی۔ فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ حضرت موسیٰؑ اور ان کی قوم کا تعاقب کیا۔ جب بنی اسرائیل کی نظر اس عظیم لشکر پر پڑی تو پریشان ہو گئے۔ پناہ کے سارے راستے بند تھے۔ سامنے نیل کا موجیں مارتا ہوا سمندر اور پیچھے فرعون کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا لشکر۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں پناہ مانگی۔ خدا کی طرف سے ان کو وحی کی گئی کہ اپنے عصا کو آبِ دریا

پر مارو اور پانی سے گذر جاؤ۔ اس وقت پھر عصا قدرت خداوندی کا مظہر بن گیا۔ جناب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا کو پانی پر مارا۔ فوراً ہی خشک راستہ جناب موسیٰؑ کے سامنے تھا۔ جناب موسیٰؑ کے ساتھ بنی اسرائیل نے بھی اس نئے راستہ پر قدم رکھے پانی نے دونوں طرف ایک مستحکم دیوار کی شکل اختیار کرلی۔ بنی اسرائیل دریا سے گذر گئے۔ فرعون اپنے لشکر کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ لیکن اس سوچ میں پڑ گیا کہ واپس جائے یا اسی راستہ پر آگے چل پڑے۔ کیونکہ اس نے خود اپنی نگاہوں سے دیکھا تھا کہ ابھی کس طرح موسیٰ اور ان کے ساتھی اس راستے سے گذرے ہیں اور بالکل صحیح و سالم دریا کے اس پار پہونچ گئے ہیں۔ اس کے باوجود بھی خدا کی اس واضح اور روشن نشانی پر ایمان نہیں لارہا تھا۔ فرعون نے اپنی قوم کو حکم دیا جس طرح موسیٰ کی قوم پانی سے گذری ہے تم بھی گذر جاؤ۔ سب نے ایک ساتھ اطاعت کی اور سب نے دریا میں قدم رکھ دیا تاکہ موسیٰ اور ان کی قوم کو جالیں۔ سبھی سب نشۂ غرور میں چور تھے کہ ایکا ایکی پانی کی دونوں دیواریں ایک دوسرے سے جاملیں۔ راستہ ان کیلئے کنواں بن گیا چاروں طرف سے پانی نے انھیں گھیر لیا۔ جب فرعون نے اپنے کو چاروں طرف سے بلا میں مبتلا دیکھا موت کو سر پر دیکھا تو اس وقت وہ ایمان لایا لیکن اب دیر ہو چکی تھی۔ سب ہی دریا میں غرق ہو گئے۔ سب ہی ہمیشہ کے لئے نیست و نابود ہو گئے۔

قرآن کریم نے فرعون کے آخری لمحات کی اس طرح تصویر کشی کی ہے:

"جس وقت فرعون دریا میں غوطے لگا رہا تھا، کہنے لگا: مجھے اب یقین ہو گیا کہ کوئی خدا نہیں ہے سوائے اس خدا کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں۔ میں اُسکے سامنے تسلیم ہوں (جواب آیا) اب اس وقت ــ؟ درآنحالیکہ اب تک تم گناہ و سرکشی اور فتنہ و فساد برپا کرنے میں مست تھے۔

آج ہم تمھارے اس بدن کو پانی سے باہر لائیں گے تاکہ تمھارے بعد آنے والوں کے لئے ایک عبرت ہو۔ لوگ ہماری بہت سی نشانیوں سے غافل ہیں۔" [1] (سورۂ یونس آیۃ ۹۲-۹۰)۔

اس طرح بنی اسرائیل دریائے نیل عبور کرکے دوسری طرف پہونچ گئے۔ جناب موسیٰ علیہ السلام گرچہ فرعون اور اسکے مظالم سے آسودہ خاطر ہو گئے تھے۔ لیکن اب ان کے لئے سب سے بڑی مصیبت، بنی اسرائیل کی جہالت اور بات بات پر ان کے بہانے تھے۔ بنی اسرائیل جب دریا عبور کرکے دوسری طرف پہونچے تو وہاں کے لوگ بُت پرست تھے۔ اب بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ اس قوم کی طرح ان کے لئے ایک بت تیار کیا جائے تاکہ یہ لوگ بُت پرستی میں بھی کسی سے کم نہ رہیں۔ یہ سُنکر جناب موسیٰ علیہ السلام کو بہت ہی زیادہ افسوس ہوا، فرمانے لگے: تم لوگ کس قدر جاہل اور نادان ہو، جس خدا نے تمھیں فرعون کے ہاتھوں سے نجات دلائی اس کے علاوہ تمھارے لئے کوئی اور خدا تلاش کروں؟

خداوندعالم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اپنی قوم سے الگ ہوکر تیس دن تک اس کی عبادت کریں۔ حضرت موسیٰؑ نے اپنی جگہ اپنے بھائی جناب ہارون کو اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر فرمایا اور قوم کی دیکھ ریکھ کا انھیں حکم دیا۔ جب وہ تیس راتیں گذر گئیں تو خداوندعالم کے حکم سے دس راتوں کا اور اضافہ ہوا۔ چالیس راتیں

---

[1] مصر کے تمام بادشاہوں اور حکمرانوں کا لقب فرعون تھا۔ لیکن وہ فرعون جو جناب موسیٰؑ کے زمانے میں تھا اس کا نام "رامسیس دوم" تھا۔ اس کے ممی کئے ہوئے بدن کا سنہ ۱۸۸۱ء میں انکشاف ہوا اور اس وقت مصر کے میوزیم میں ہے۔ (دائرۃ المعارف امریکہ تحت کلمہ RAMESELS II MUMMY)

گذرنے کے بعد جناب موسیٰ علیہ السلام پر "توراۃ" نازل ہوئی تاکہ اس وقت کی یہودی قوم کے لئے ہادی اور رہنما ہو۔

جناب موسیٰ علیہ السلام کی غیبت کے زمانے میں بنی اسرائیل کے ذہنوں میں پھر بت پرستی کا سودا سمایا۔ "سامری" نامی ایک شخص نے ان کے زر اور زیورات حاصل کر کے سونے کا ایک گوسالہ تیار کیا۔ اسے کچھ اس طرح بنایا تھا کہ اس سے ایک خاص قسم کی آواز نکلتی تھی۔ وہ لوگ جن کی تمام عقل ان کی آنکھوں میں تھی، سامری نے ان سے کہا جناب موسیٰ کا خدا یہی ہے اور یہی تمھارا خدا ہے۔ تمھیں اس کی عبادت کرنا چاہیے۔

لوگ اس بات کو بالکل بھلا بیٹھے تھے کہ خدا کبھی جسم نہیں ہو سکتا ہے کہ وہ کسی زمان یا مکان میں سما جائے۔ ان لوگوں نے جناب موسیٰ علیہ السلام کی تمام تعلیمات کو پسِ پشت ڈال دیا اور ایسی چیز کی پرستش کرنے لگے جو انھیں نہ فائدہ پہونچا سکتی تھی اور نہ نقصان ہی۔ یہ لوگ اس حقیقت سے بالکل غافل تھے اگر خدا لوگوں کے سامنے آتا تو وہ ان کی ہدایت اور رہنمائی کرتا، نہ کہ سامری کے گوسالہ کی طرح بے معنی آواز نکالتا۔ بیہودہ آواز اور ہدایت کی باتوں میں بڑا فرق ہے۔

یہود اس طرح گمراہ ہو گئے، ان لوگوں نے جناب ہارون علیہ السلام کی باتوں اور نصیحت کی ذرا بھی پروا نہ کی۔

جب جناب موسیٰ علیہ السلام واپس آئے اور اپنی قوم میں اس عظیم انحراف اور تبدیلی کو دیکھا تو کبیدہ خاطر ہو گئے اور جہالت کے پتلے افراد کی سرزنش کی۔

سامری سے فرمایا: دیکھ میں تیرے بنائے ہوئے خدا کا کیا حشر کرتا ہوں اس کو جلا ڈالوں گا اور اس کی راکھ کو دریا میں پھینک دوں گا۔

تمھارا تو صرف ایک خدا ہے جس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے جسے ہر شے کا علم ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور خدا نہیں ہے۔

اس طرح سامری کا تیار کردہ بت نیست و نابود کر دیا گیا۔

ہدایت سے لبریز جناب موسیٰ علیہ السلام کی باتیں یہودیوں کے دلوں پر چنداں اثر انداز نہ ہوئیں۔ مستقل بہانہ تلاش کیا کرتے تھے اور برابر عہد و پیمان توڑتے رہتے تھے۔ جناب موسیٰ علیہ السلام کے بعد بھی ان لوگوں نے حق کی باتوں کو بہت ہی کم تسلیم کیا۔ پیغمبروں کی باتوں کے ساتھ ہمیشہ بے توجہی برتی۔ بلکہ پیغمبروں پر ظلم و ستم کئے اور پیغمبروں کو قتل کیا۔ یہانتک کہ اپنی آسمانی کتاب توارت میں بھی تحریف کر ڈالی اور اس کی موجودہ شکل کر دی۔ اس میں ناقص چیزیں اس قدر ہیں جن کی بنا پر اسے کسی طرح بھی آسمانی کتاب نہیں کہا جا سکتا ہے۔

اٹھارہواں سبق

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

حضرت مریم، مادرِ عیسیٰ علیہ السّلام

جناب عمران کی زوجہ بانجھ اور عقیم تھیں، لیکن ان کے شوہر نے سُن رکھا تھا کہ خداوندعالم نے ان سے یہ وعدہ کیا ہے کہ انھیں ایک فرزند عطا کرے گا جو حکم خداوندی سے بیماروں کو شفا دے گا، اور مُردوں کو زندہ کرے گا۔[1]

خداوندعالم کی قدرت پر مکمل ایمان واعتقاد تھا۔ بارگاہِ خداوندی میں دستِ دعا بلند کئے کہ انھیں ایک فرزند عطا فرمائے۔

خداوندعالم نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی۔ وہ حاملہ ہوئیں۔ اس نعمت کے شکرانے کے طور پر یہ نذر کی کہ اپنے فرزند کو خانۂ خدا "بیت المقدس" کی خدمت کیلئے وقف کردیں گی۔[2]

جو بچہ متولد ہوا وہ لڑکی تھی جب ماں کی نگاہیں اپنی لڑکی پر پڑیں تو کہنے لگیں:

خدایا! یہ مولود لڑکی ہے میں نے اپنی نذر کو وفا کرتے ہوئے اس کا نام "مریم" رکھا ہے۔ پروردگارا اسے اور اس کی اولاد کو شیطان سے محفوظ رکھ۔[3]

زوجۂ عمران "مریم" کو خانہ خدا (بیت المقدس) لے گئیں اور انھیں وہاں کے متولیوں کے حوالے کردیا۔ جناب عمران چونکہ ان کے رہنما تھے لہٰذا ہر ایک کی خواہش تھی کہ

---

[1] مجمع البیان ج ۲ ص ۴۳۵۔ [2] سورہ آل عمران آیۃ ۳۴ تفسیر الدر ج ۲ ص ۱۸۔ [3] سورہ آل عمران آیۃ ۳۵/۳۶۔

جناب مریم کی کفالت اور تربیت اس کے سپرد کی جائے۔ متولیوں کے درمیان اس مسئلہ میں جو کشیدگی پیدا ہو گئی تھی اس کشیدگی کو دور کرنے کے لئے قرعہ اندازی کی گئی۔ قرعہ جناب زکریاؑ کے نام نکلا۔ حضرت زکریا جناب مریم کی کفالت اور تربیت کرنے لگے۔[1] جناب مریم رفتہ رفتہ بڑی ہوتی رہیں۔ عبادت اور خانۂ خدا کی خدمت کے علاوہ اور کوئی کام نہ تھا۔

جناب مریم کی عبادت اور خلوص اس حد تک پہونچ گیا تھا کہ جس وقت جناب زکریا حضرت مریم کی محراب عبادت میں وارد ہوتے تھے تو جناب مریم کے پاس آسمانی غذاؤں کو پاتے تھے۔ مریم سے تعجب سے پوچھتے، اے مریم! یہ غذائیں کہاں سے آئی ہیں؟ جناب مریم کہتیں، یہ سب خدا کی طرف سے ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے اسے بے حساب روزی دیتا ہے۔[2]

زکریاؑ اور یحییٰؑ

جناب زکریا کی زوجہ بھی جناب مریم کی والدہ کی طرح بانجھ اور عقیم تھیں، یہی وجہ تھی کہ جناب زکریا بوڑھاپے تک لاولد رہے۔ جناب مریم کے معنوی درجات اور خداوندعالم کی بے پناہ رحمت و عطا کو دیکھ کر جناب زکریا کے دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ انھیں بھی مریم جیسی اولاد نصیب ہو۔

بارگاہِ خداوندی میں دعا فرمائی: خداوندا! مجھے ایک ایسا صالح فرزند عطا فرما جس میں تیری خوشنودی ہو اور جو میرا اور آل یعقوب کا وارث ہو۔[3]

جناب زکریا محراب عبادت میں نماز پڑھ رہے تھے کہ فرشتوں نے انھیں

---

[1] مریم عبادت گذار عورت کو کہتے ہیں۔ [2] مجمع البیان ج ۲ ص ۴۳۶
[3] سورہ آل عمران آیۃ ۳۹۔ تفسیر المیزان ج ۳ ص ۱۹۰۔ سورہ مریم آیات ۶-۱۔

بشارت دی کہ خدا آپ کو ایک فرزند عطا کرے گا جس کا نام "یحییٰ" ہو گا اور جو پارسا پیغمبروں سے ہو گا۔

جناب زکریا کی نظر جب اپنے بڑھاپے پر اور اپنی زوجہ کے بانجھ پن پر پڑی، (عام طور سے ان حالات میں اولاد کی توقع نہیں ہوتی) تو تعجب اور شوق کے ملے جلے جذبات سے کہا: خدایا! ان حالات میں اور اس عمر میں کس طرح مجھے فرزند عطا فرمائے گا؟ جواب ملا:

یہ کام خدا کے لئے بہت آسان ہے۔ کیونکہ وہی خدا تم کو عدم سے وجود میں لایا ہے۔ جناب زکریا کے یہاں فرزند متولد ہوا۔ جس کا نام پہلے ہی سے یحییٰ رکھا جا چکا تھا۔

جناب یحییٰؑ پیغمبر تھے جنھوں نے اپنی تمام عمر تبلیغ اور لوگوں کو رشد و ہدایت کی دعوت دینے میں صرف کر دی۔ بنی اسرائیل کے ایک بادشاہ نے انھیں اس وقت قتل کر دیا جب انھوں نے بادشاہ کو اس بات سے منع کیا کہ وہ اپنی بھتیجی کے ساتھ شادی نہیں کر سکتا ہے۔[1]

عیسیٰ المسیح

مریم (وہی بچی جس کی کفالت اور تربیت کی ذمہ داری جناب زکریا جیسے پیغمبر نے اپنے سر لی تھی اور جس کی پرورش خانۂ خدا میں ہوئی تھی) ایک روز عبادت میں مشغول تھیں کہ انسانی شکل و صورت میں ایک فرشتہ ان کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

مریم جو اسے واقعاً انسان سمجھ رہی تھیں خوف کے مارے خدا سے پناہ مانگی لیکن فرشتہ نے ان کو یہ بشارت دی: میں تمھارے پروردگار کی طرف سے آیا ہوں،

---

[1] تفسیر المیزان ج ۱۴ ص ۲۶/۲۷

تاکہ ایک پاک و پاکیزہ بچہ تمھیں عطا کروں۔

مریم نے کہا: یہ کیسے ممکن ہے جبکہ میں نہ کسی مرد سے ملی اور نہ ہی میں بدکار اور زناکار ہوں۔

فرشتہ نے کہا: تمھارے پروردگار کا یہی کچھ ارادہ ہے اور اس نے کہا ہے کہ یہ کام میرے لئے آسان ہے تاکہ اس بچہ کو لوگوں کے لئے ایک علامت قرار دوں اور اسے اپنی رحمتوں کا مرکز بناؤں۔

جناب مریم حاملہ ہو گئیں۔ مگر چونکہ ان کا کوئی شوہر نہ تھا لہٰذا بعض لوگوں نے الٹی سیدھی باتیں کرنا شروع کر دیں اور طرح طرح کے خیالات کا اظہار کرنے لگے۔

یہ باتیں جناب مریم کے لئے سخت تکلیف دہ تھیں۔ تہمت و الزام کے کرب و بے چینی سے نجات حاصل کرنے کے لئے ان لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ اور دور دراز مقام پر چلی گئیں اور وہاں اپنے بچہ کی ولادت کا انتظار کرنے لگیں۔

آخر کار وقت ولادت آپہونچا۔ جناب مریم دردِ زہ سے بے چین تھیں۔ صحرا میں کھجور کے ایک سوکھے درخت کے نیچے پناہ لی۔ تمام لوگوں سے دور جہاں کوئی بھی یار و مددگار نہ تھا۔ وہاں بچہ کی ولادت ہوئی۔ تنہائی، درد، عزت و آبرو کا خوف، ان چیزوں نے جناب مریم کو متفکر اور پریشان کر دیا۔ اپنے آپ سے کہنے لگیں:

"اے کاش! میں اس کے قبل ہی مر گئی ہوتی۔ میرا نام بھی ختم ہو گیا ہوتا۔"

اسی وقت جناب مریم نے ایک آواز سنی جس نے انھیں دلاسہ دیا اور انکے حوصلے بلند کئے۔

"غمگین مت ہو، تمھارے پروردگار نے تمھارے پاؤں کے نیچے ایک شیریں چشمہ جاری کیا ہے۔ اس سوکھے ہوئے درخت کی شاخوں کو ہلاؤ اس سے تر و تازہ خرمے گریں گے ان کو کھاؤ پیو اور مطمئن رہو۔ اگر کوئی مرد تمھارے پاس آئے تو اسے اشارے سے یہ سمجھا دو

کہ میں نے خاموشی کے روزے کی نذر کی ہے۔ میں آج کسی بھی مرد سے گفتگو نہیں کروں گی۔"

معجزات اور یکے بعد دیگرے غیبی امداد نے مریم کو قوت قلب عطا کی۔ جس کی وجہ سے جناب مریم اپنے نومولود بچے کے ساتھ اپنی رہائش گاہ واپس آگئیں جب لوگوں نے مریم کی آغوش بھری دیکھی تو ہر ایک کی زبانیں اعتراض کے لئے کھل گئیں۔ کہنے لگے "نہ تو تمھارے والد بدکردار تھے اور نہ تمھاری والدہ ہی بدکردار تھیں۔"

جناب مریم نے کچھ کہے بغیر بچہ کی طرف اشارہ کیا۔ یعنی جو کچھ سوال کرنا ہو اس بچہ سے دریافت کرو اور اسی سے اپنے سوال کا جواب مانگو۔

وہ لوگ ہنس کر کہنے لگے: ہم کیسے اس چھوٹے سے بچے سے گفتگو کریں؟

جناب مریم کا یہ نومولود قدرتِ خدا سے گویا ہوا اور بہت ہی صاف اور روشن الفاظ میں ان سے کہا:

میں خدا کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب عطا کی ہے، اس نے مجھے پیغمبر منتخب کیا ہے، مجھے ہر جگہ بابرکت اور خیر رساں قرار دیا ہے، اور مجھے اس کا حکم دیا ہے کہ میں تادم حیات نماز پڑھتا رہوں، زکات ادا کرتا رہوں، اس نے مجھے میری ماں کے لئے مہربان قرار دیا ہے۔[1]

لوگ بچہ کی گفتگو سن کر مبہوت ہو گئے۔ اور اللہ کی اس عظیم نشانی نے اپنی ماں کے دامن سے تمام تہمت اور بدگمانی کے دھبے دھو دیئے اور ان کی سمجھ میں یہ بات آگئی کہ یہ بچہ جو بغیر باپ کے پیدا ہوا ہے وہ حکم خدا سے مستقبل میں ایک عظیم منصب پر فائز ہوگا اور ایک بڑی ذمہ داری اسے سونپی جائے گی۔

---

[1] سورۂ مریم آیۃ ۳۲-۱۶۔ تفسیر المیزان ج ۱۴ ص ۴۸-۲۳۔

حضرت عیسیٰؑ کی رسالت کے قبل کی حالت

جناب عیسیٰ کی ولادت سے پہلے فلسطین رومیوں کے قبضہ میں تھا فلسطین کے لوگ اپنی کم مائیگی اور بغیر کسی پشت پناہی کے باوجود ہمیشہ رومی اجنبیوں سے برسرپیکار رہتے جس کی بنا پر وہ ہمیشہ پریشان حال رہتے تھے۔ ان کی اقتصادی حالت خراب تھی۔ حکومت کے زبردست ٹیکس نے انھیں اور کمر خمیدہ کر دیا تھا۔ یہ آزادی طلب کرنے والے قیدخانہ میں یا پھر برسرپیکار رہ کر اپنی تمام عمر گذار دیتے تھے۔ آبادیاتی اور تمام تعمیراتی کام رک گئے تھے اور ہر پروگرام بے بنیاد ہو گیا تھا یہاں تک کہ ان کا ایمان بھی اس زد سے باہر نہ تھا۔ وہ مذہبی اقدار کے بھی پابند نہ رہے تھے۔

ایمان کا یہ ضعف رومی سامراج کا تحفہ تھا جو اس نے فلسطینیوں کو دیا تھا۔

سامراج نے ہمیشہ اس راستہ سے استفادہ کیا ہے اور آج بھی کر رہا ہے۔ کیونکہ اس قسم کی جنگ میں کسی اسلحہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کیونکہ لوگ اگر ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھیں تو لاشعوری طور پر رفتہ رفتہ ختم ہو جائیں گے۔

ہاں ان شرائط میں اور اس پر آشوب زمانے میں ایک آسمانی رہبر کی ضرورت شدت سے محسوس ہو رہی تھی جو لوگوں کو انحراف سے روکے اور انھیں گمراہی سے نجات دلائے۔

خداوند عالم کے رحم و کرم کے تقاضے کے بموجب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، آپ کی ولادت عجائبات میں گھری ہوئی ہے جو آپ کی عظمت اور بلندی کی گواہی دے رہی ہے۔ یہ تمام باتیں اس حقیقت کی نشاندہی کر رہی ہیں کہ آپ خدا کے نمائندہ ہیں۔ اس کے منتخب کردہ رہبر ہیں اور دست قدرت نے انھیں ایک عظیم

انقلاب برپا کرنے کے لئے پیدا کیا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت

جناب عیسیٰؑ پر "انجیل" نازل ہوئی تا کہ گمراہیوں کے لئے ہادی اور رہنما ہو جناب عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی رسالت کا اعلان کیا اور وسیع پیمانہ پر تبلیغات شروع کی۔ یہودیوں کو گمراہی سے نجات دلانے کے لئے اور انھیں انحراف سے روکنے کیلئے زحمتیں برداشت کیں اور مصائب سہے۔

لیکن یہودی پیشواؤں کو اپنا منصب ومقام زیادہ عزیز تھا وہ حضرت عیسیٰؑ کے وجود کو اپنے جاہ ومقام کے لئے خطرہ تصور کر رہے تھے اور ان کی رسالت سے خوف زدہ تھے۔ آپس میں رائے اور مشورہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ حضرت عیسیٰ کے خلاف قیام کرنا چاہیئے اور فتنہ وفساد برپا کر کے ان کی تبلیغی سرگرمیوں کو روکنا چاہیئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے منصوبوں سے آگاہ تھے۔ وہ راہ تبلیغ میں پہاڑ کی طرح جمے رہے۔ لوگوں کی ہدایت کرتے رہے، انھیں انحراف سے باز رکھتے رہے، انھیں خرافات سے آگاہ کرتے رہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین میں جو کچھ بھی تحریف کی گئی تھی اس سے بھی انھیں باخبر کرتے رہے۔ راہ تبلیغ وہدایت میں حکم خدا سے کبھی کسی مریض کو شفا دیتے، کبھی حکم خدا سے کسی مُردے کو زندہ کر دیتے تا کہ سب کو یقین ہو جائے کہ وہ خدا کے نمائندہ ہیں اور خدائے وحدہٗ لاشریک نے انھیں اپنا پیغامبر بنا کر بھیجا ہے۔

انجام کار

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اعوان وانصار اور ان کی پیروی کرنے والوں کی تعداد

میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ان کی تعداد میں جس قدر اضافہ ہوتا یہودی پیشوا بھی اپنی مخالفت تیز کر دیتے۔ یہاں تک کہ ان لوگوں نے جناب عیسیٰؑ کے قتل کی ٹھان لی۔

لیکن خداوند عالم نے جناب عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھا ان لوگوں نے جناب عیسیٰ سے مشابہ ایک شخص کو سولی پر چڑھا دیا اور اسی شبہ میں مبتلا رہے کہ انھوں نے حضرت عیسیٰ کو سولی دے دی ہے۔

قرآن کریم نے اس حقیقت کی طرف صاف لفظوں میں اشارہ کیا ہے:

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۖ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۖ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۙ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿ (سورۂ نساء آیۃ ۱۵۸/۱۵۷)

"نہ انھیں قتل کیا اور نہ انھیں سولی دی بلکہ حقیقت ان کے لئے مشتبہ ہو گئی جن لوگوں نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے انھیں اس کا علم نہ تھا۔ (وہم و گمان کی بنیاد پر کہہ رہے تھے) یہ لوگ صرف گمان کی پیروی کرتے ہیں۔ یقیناً عیسیٰ کو قتل نہیں کیا ہے بلکہ خداوند عالم نے انھیں اوپر بلا لیا ہے۔ خدا صاحبِ عزت اور حکیم ہے۔"

جناب عیسیٰ علیہ السلام کا سولی پر چڑھایا جانا بالکل بے بنیاد ہے، اسی طرح اس طرزِ فکر کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہے جو کہ عیسائیوں کے درمیان آج بھی رائج ہے کہ — "تمام لوگ ذاتی طور پر گناہگار ہیں گرچہ انھوں نے تمام عمر ایک گناہ بھی

نہ کیا ہو۔ اسی لئے جناب عیسیٰ نے دار پر جانا گوارا کیا تاکہ تمام انسانوں کے گناہوں کا کفارہ ادا ہو جائے اور اس طرح تمام انسان آتشِ جہنم سے آزاد ہو جائیں"۔[1] یہ تمام باتیں بے اساس ہیں۔

عیسائے مسیح یا بندۂ خدا

قرآن کریم اور انجیل کے بعض موجودہ نسخوں[2] سے اس بات کا استفادہ ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے کو بندۂ خدا کہا، ہمیشہ اس کی عبادت کی اور اسی کی لوگوں کو دعوت دیتے رہے۔

جناب عیسیٰ علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ ہمارا اور تمہارا پروردگار صرف ایک ہے اس کی پرستش کرو یہی راہ راست ہے۔[3]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی بھی خدائی کا دعویٰ نہیں کیا۔ یہ جو عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کو خدا مان لیا ہے یہ خود ان کے ذہن کی پیداوار ہے۔

جواہر لال نہرو نے اپنی کتاب "نگاہی بہ تاریخ جہاں" (دنیا کی تاریخ پر ایک نظر) میں لکھا ہے: حضرت مسیح الوہیت اور خدائی کے مدعی نہ تھے لیکن لوگ اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ اپنی عظیم شخصیتوں کو کسی طرح خدا ثابت کر دیں (ج ا ص ۲)

دوسرے پیغمبروں کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ایک انسان تھے۔ جن پر خدا کی طرف سے وحی نازل ہوتی تھی اور آپ لوگوں کی رشد و ہدایت کے لئے مبعوث کئے گئے تھے۔ اگر حضرت عیسیٰ کے پاس معجزات تھے تو دوسرے پیغمبر بھی اپنے

---

[1] طریق الحیات، ڈاکٹر فند رجرمن ص ۱۳۶/۱۳۵۔ [2] انجیل مرقس باب ۱۲ بند ۲۹۔ [3] سورہ آل عمران آیۃ ۵۱۔

ساتھ معجزات لائے تھے۔ اگر وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے تو حضرت آدم علیہ السلام بھی بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے تھے، لیکن کسی عیسائی نے حضرت آدم علیہ السلام کو خدا کا فرزند نہ کہا؟

قرآن کا ارشاد ہے: مریم کے فرزند مسیح صرف خدا کے پیغمبر تھے۔ ان سے پہلے بھی ان کی طرح پیغمبر آئے تھے اور اس دنیا سے گذر گئے۔ ان کی والدہ ایک راست گو خاتون تھیں۔ وہ اور ان کی والدہ دونوں ہی کھانا کھاتے تھے[1] یعنی حیات بشری کے تمام لوازمات ان میں پائے جاتے تھے اور تمام انسانوں کی طرح انھیں ان تمام چیزوں کی ضرورت تھی۔

کلام خداوندی نے جس روشن حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے عقل اور فکر بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ کیونکہ وہ انسان جسے دوسرے تمام انسانوں کی طرح زندگی کے تمام لوازمات کی ضرورت اور احتیاج ہو، اسے بھی دوسرے انسانوں کی طرح کھانے اور سونے کی ضرورت ہو تو عقل یہ حکم دیتی ہے کہ ایسے شخص کی عبادت کرنا سزاوار نہیں ہے۔

لہٰذا
بنا بر حکم عقل
اور مطابق تصدیق قرآن
اور موافق موجودہ انجیل (انجیل مرقس)
اور بتصدیق اقوال مورخین

---

[1] سورۂ مائدہ آیۃ ۷۵

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بندۂ خدا اور خدا کے پیغمبر تھے۔ انھوں نے کبھی خدائی کا دعویٰ نہیں کیا۔

لیکن حضرت عیسیٰ کے بعد ان کا پاک و پاکیزہ آئین اپنی اصلی حالت پر باقی نہ رہا، شرک اور بت پرستی کی رسم اس میں شامل کر دی گئی۔ یہاں تک کہ "ویل ڈیورانٹ" کو اپنی کتاب "تاریخ تمدن" کی تیسری جلد کی تیسری فصل کے صفحہ ۲۳۹/۲۴۰ پر لکھنا پڑا کہ "عیسائیت نے شرک کو ختم نہ کیا بلکہ اس کو باقاعدہ قبول کیا ہے۔"

جو شخص بھی عیسائی عقائد کا مطالعہ کرے گا وہ اس بات کی ضرور تصدیق کرے گا کہ اس مورخ نے ایک تاریخی حقیقت کو بیان کیا ہے عیسائیوں کے درمیان آج بھی اس قسم کے عقائد پائے جاتے ہیں:

① حضرت عیسیٰ خدا کی ذات کا ایک حصہ ہیں وہ مخلوق نہیں ہیں بلکہ وہ فرزند خدا ہیں۔[1]

② حضرت عیسیٰ ایک بشر تھے مگر ایسے بشر جس میں خدا حلول کر گیا تھا۔[2]

③ حضرت عیسیٰ خود خدا ہیں جو بصورت بشر ظاہر ہوتے ہیں۔[3]

لیکن یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ خدا جسم نہیں ہے تاکہ اسے کسی جگہ کی احتیاج ہو اور جب وہ جسم نہیں ہے تو اس سے کسی جز کا الگ ہونا بے معنی ہے تاکہ کوئی اس کا فرزند بن سکے۔ عقل کی روشنی میں ہر ایک اس حقیقت سے واقف ہے کہ خدا کے لئے کسی جگہ کی ضرورت نہیں ہے تاکہ وہ اس میں سما جائے یا حلول کر جائے اور بشری شکل و صورت میں ظاہر ہو۔

اس کے علاوہ یہ بات کیونکر ممکن ہے وہ خدا جو مستغنی ہو بے نیاز ہو، وہ خوراک اور پوشاک کا محتاج ہو؟

---

[1] تاریخ کلیسائے قدیم ص۲۴۲۔ [2] طریق الحیات از ڈاکٹر فندر جرمن عیسائی۔ [3] نظام التعلیم طبع بیروت ۱۸۸۹ ؁ ج ۲ / ص ۲۰۳

اگر عیسائی صحیح معنوں میں غور و فکر کریں تو وہ اس بات کی ضرور تصدیق کریں گے کہ تمام دوسرے پیغمبروں کی طرح حضرت عیسیٰ بھی خدا کے بندے ہیں اور حضرت عیسیٰ کی الوہیت اور خدائی کا مسئلہ بالکل بے بنیاد ہے۔

قرآن کریم کا ارشاد ہے:

"وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ مریم کے پسر عیسیٰ "خدا ہیں" وہ کافر ہیں۔ ان سے کہدو اگر خدا مریم کے پسر عیسیٰ اور ان کی والدہ اور روئے زمین پر تمام بسنے والوں کو ہلاک کرنا چاہے تو کون اسے روک سکتا ہے؟ آسمان و زمین اور وہ تمام چیزیں جو ان کے درمیان ہیں! اس کی بادشاہت اور حکمرانی صرف خدا کے لئے ہے۔ خدا جس چیز کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور خدا ہر شئے پر قدرت رکھتا ہے" (سورۂ مائدہ آیت ۹۷)۔

حضرت عیسیٰ ؑ کے اقوال

پیغمبر اسلام حضرت رسول اکرم ؐ نے فرمایا:

"حضرت عیسیٰ کے حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کس کے ساتھ ہم رہن سہن رکھیں؟

فرمایا: اس کے ساتھ جس کی ملاقات تمھیں خدا کی یاد دلائے، جس کی گفتگو تمھارے علم میں اضافہ کرے، جس کا کردار تمھارے شوق آخرت میں اضافہ کا سبب ہو"[1]

---

[1] اصول کافی جلد ۱ صہ ۳۹

نیز آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا:

حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اس بات کی درخواست کی کہ وہ ان کی ہدایت کریں۔

اس وقت فرمایا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تم سے فرمایا تھا کہ جھوٹی قسم مت کھاؤ، میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کے نام کی سچی قسم بھی نہ کھاؤ

حواریوں نے مزید نصیحت کی درخواست کی۔

فرمایا: خدا کے پیغمبر جناب موسیٰ علیہ السلام نے تم سے فرمایا تھا: زنا نہ کرنا۔ میں تمھیں اس بات کا حکم دے رہا ہوں کہ ہرگز زنا کی فکر نہ کرنا۔ کیونکہ جو شخص زنا کے بارے میں سوچے گا وہ اس شخص کے مانند ہے جو نقش و نگار سے مرصع گھر کو دھوئیں سے بھر دے۔ اگر وہ نہ بھی جلے تو وہ تو خراب اور سیاہ تو ہو ہی جائے گا۔[1]

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

عیسیٰ ابن مریمؑ نے ارشاد فرمایا: خوش قسمت ہے وہ جس کی خاموشی تفکر اور جس کی نگاہ نصیحت آمیز ہو، اس کا گھر اسے راحت و آرام پہونچائے، اپنے بُرے کردار پر آنسو بہائے، لوگ اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے آسودہ خاطر رہیں۔[2]

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے فرمایا: اے فرزندانِ آدمؑ! دنیا سے خدا کی طرف چلو، دنیا سے دل وابستہ نہ کرو، تم صرف دنیا کے لئے پیدا نہیں کئے گئے ہو، دنیا بھی تمھارے لائق نہیں ہے نہ تم اس میں ہمیشہ رہو گے اور نہ وہی ہمیشہ

---

[1] بحار الانوار جلد ۱۴ ص ۳۳۱۔ [2] بحار الانوار جلد ۱۴ ص ۳۲۰

باقی رہے گی۔ اس دنیا نے بہتیروں کو غافل کر کے انھیں ہلاک کر دیا، جو شخص اس کے سلسلہ میں حسنِ ظن رکھے گا اور دنیا پر اعتماد کرے گا وہ نقصان اٹھائے گا، جو کوئی اسے چاہے گا اور اسے طلب کرنے کی کوشش کرے گا وہ ہلاک و برباد ہو جائے گا۔[1]

نیز امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

جناب عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

دوسروں کی عورتوں پر نگاہ کرنے سے پرہیز کرو۔ کیونکہ یہی نگاہ انسان کے دل میں شہوت کا بیج بوتی ہے اور انسان کی ہلاکت کے لئے بس اتنا ہی کافی ہے۔

تف ہے اس پر جس کا مقصدِ حیات صرف عیش و عشرت ہو اور جس کا کردار اس کے گناہ ہوں۔

تمھیں کچھ اس کی بھی خبر ہے کہ قیامت کے دن کس طرح خدا کے سامنے پیش کئے جاؤ گے۔[2]

---

[1] بحار الانوار جلد ۱۴ صفحہ ۲۸۹ ـ [2] بحار الانوار جلد ۱۴ صفحہ ۳۲۴

نورِ رسالت

قبلِ اسلام

اسلام سے پہلے دنیا کی جو گری ہوئی حالت تھی اس کا عکس تاریخ کے صاف آئینہ میں بخوبی نظر آتا ہے۔

فتنہ و فساد کی تاریکی، ستم کی آندھیاں، خونریزی کے سیلاب، بت پرستی کے بادل...... تاریخ کے آئینہ میں باقاعدہ نظر آرہے ہیں۔

اسلام سے پہلے بشریت کا قافلہ تباہی و بربادی کے دہانے پہ کھڑا تھا اور ہر آن اس کی ہلاکت کا خوف لگا رہتا تھا کہ اک ذراسی جنبش میں ہمیشہ کے لئے نیست و نابود ہو سکتا تھا۔

مذہب اور عقائد

جزیرۂ عرب

عربوں نے اپنا دل و دماغ بتوں کے حوالے کر دیا تھا۔ جس چیز پر نگاہ پڑتی اسی کو بت مان لیتے تھے اور اس کے سامنے صرف سجدہ ہی نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی ساری پونجی اسی پر بھینٹ چڑھا دیتے تھے یہاں تک کہ اپنی زراعت کا بھی بعض حصہ

بتوں کی نذر کر دیتے تھے۔[1]

ان کا عقیدہ یہ تھا کہ جو کچھ ہے بس یہی دنیا ہے اس کے علاوہ کوئی اور زندگی نہیں ہے۔[2]

جن بتوں کو انھوں نے اپنا خدا منتخب کیا تھا ان کی کسمپرسی سے بالکل ہی ناواقف تھے۔ وہ عرب جو بتوں کی لاچاری کو نہ سمجھ پاتے ہوں وہ حیات آخرت کے کیا معتقد ہوتے!

یقیناً یہ بات تعجب خیز ہے کہ ان لوگوں نے اس گھر کو بتوں سے سجایا تھا جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا کے حکم سے خدا کے لئے تعمیر کیا تھا۔[3]

ایران

اس وقت ایران میں بھی مختلف مذاہب کا وجود تھا۔ لیکن اکثریت جس دین کی معتقد تھی وہ "زرتشت" تھا اور یہی ایران کی حکومت کا دین تھا۔

اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ "زرتشت" خدا کے پیغمبر تھے اور انھوں نے "توحید" کی بنیاد پر دین کی عمارت استوار کی تھی۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کی تعلیمات زمانے کی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکیں اور اتنی اس میں تحریف کی گئی کہ رفتہ رفتہ یہ دین حکمراں طبقہ کے مفاد کا ضامن ہو گیا اور اس کی شکل وصورت سب ہی بدل گئی۔

اس دین کے خوشنما اور پر مغز اصول ایک پردہ بن گئے جس کی آڑ لے کر مذہبی رہنما جس طرح چاہتے ان اصول کی تفسیر و توجیہ بیان کرتے ہر تفسیر اپنے مفاد اور حکمراں

---

[1] سورہ انعام آیۃ ۱۳۶۔ [2] سورہ جاثیہ آیۃ ۲۴۔ [3] ملل و نحل شہرستانی ج ۲/ ۲ص۔ تاریخ یعقوبی جلد ۱ ص۲۲۳

کے مفاد کے تحفظ کے لئے ہوتی۔ یہانتک توحید کی جگہ شرک نے لے لی۔ دین کی صرف ظاہری صورت باقی رہ گئی اور اندر سے دیمک چاٹ گئی۔

"آریا" قوم کے پرانے خداؤں نے زرتشت مذہب میں دوبارہ جنم لیا۔

آریا قوم کے بہت پرانے خدا بنام "بازارتا"، ان خداؤں کا دوبارہ ظہور "یشت" (YASHT) کی کتاب اوستا میں ہوا۔ اسی طرح ہوا کے خدا "وایو" (VAYU) کا بھی ظہور ہوا لیکن سب سے زیادہ مہم خدائے رحمت "میتھرا" (MITHRA) ہے۔ جس کا ذکر اوستا کے آخری دستاویزات میں عظمت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ لوگوں نے میتھرا کو خدائے نور اور روشنی جانا ہے جو سچوں کو ثواب دیتا ہے اور جو اس سے مدد کا طالب ہو اس کی مدد کرتا ہے۔ میتھرا کی عظمت اتنی زیادہ بڑھ گئی کہ زرتشتی کہنے لگے کہ اہرمن و یزدان بھی اس کی بارگاہ میں قربانی پیش کرتے ہیں اور ایرانیوں نے اہرمن و یزدان کے لئے صرف شریک ہی قرار نہ دئے بلکہ وہ اعتقاد کی منزل میں بھی پرانے آریائیوں سے آگے نکل گئے۔

سورج اور آگ کی بھی پرستش کا رواج تھا۔ اسی لئے جب ساسانی کسی عیسائی عالم دین کو عیسائیت چھوڑنے پر مجبور کرتے تھے تو اس سے دوسرے خداؤں کی عبادت کے علاوہ یہ بھی عہد لیتے تھے کہ وہ سورج کی بھی پوجا کرے گا۔

شہزادۂ دوم نے "سیموں برصعی" سے کہا اس کی جان اس وقت بخش سکتا ہے جب وہ سورج کی مدح و ثنا کرے۔[1]

کتاب "سددر" جس میں زرتشتی مذہب کے احکام کی تشریح کی گئی ہے۔ یہ ملتا ہے:

---

[1] ایران در زمان ساسانیان صہ ۱۹۴

"تمام ہم مذہب افراد کیلئے ضروری ہے کہ روزانہ تین مرتبہ سورج کی پرستش کریں اور اسی طرح چاند اور آگ کی بھی پرستش کریں۔ لہٰذا دین میں ان چیزوں کی عبادت کرنا واجب ہے۔"[1]

روم

اس وقت روم کی حالت ایران سے کچھ بہتر نہ تھی۔ روم میں بھی عیسائیت تحریف ہو چکی تھی توحید کی جگہ شرک اور تثلیت کا اضافہ کر دیا گیا تھا۔

فرانس، برطانیہ اور اسپین میں بھی خدائے واحد کا عقیدہ نہ تھا۔

ہندوستان میں طرح طرح کے دین رائج تھے۔ لیکن سب سے زیادہ بت پرستی کا رواج تھا۔

طبقاتی اختلاف اور نسلی امتیاز

ایران میں لوگوں کو طبقات میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ ہر طبقہ خاص امتیاز کا مالک تھا۔ سب سے زیادہ ممتاز وہ طبقے تھے جو حکومت وقت سے نزدیک تھے۔

مشہور مورخ طبری کے بقول: طبقات کے درمیان اتنا زیادہ فاصلہ تھا کہ "انوشیروان" کے زمانے میں بھی مزدور طبقہ کے لئے لکھنے پڑھنے کی آزادی نہ تھی۔

یہ تفریق اس وقت اس قدر نمایاں تھی، جب انوشیروان کی علم دوستی اور عدالت گستری کا چرچا سن کر روم کے فلاسفہ نے ایران میں پناہ لی تو وہ اس تفریق کو برداشت نہیں کر پائے اور ایران سے واپس چلے گئے۔[2]

---

[1] کتاب سدور در ۹۵ ص ۱۲۴ [2] ایران در زمان ساسانیان، تالیف پروفیسر کرسٹین سن، ترجمہ رشید یاسمی ص ۴۲۶

فردوسی نے اپنے شاہنامہ میں اس تفریق کی منظر کشی کی ہے۔

"عموریہ" اور "حلب" کے درمیان انوشیروان کی فوج اور سپاہ روم میں زبردست جنگ چھڑی تھی۔ جب جنگ کی آگ بھڑکتے بھڑکتے ایران کی چھاؤنی "قلعہ سقیلا" کے دروازے تک پہونچ گئی تو اس وقت ایران کے تین لاکھ سپاہی پیسے کی کمی اور اسلحہ کی قلت سے فریاد بلند کرنے لگے، اس وقت فوج کو پیسہ کی سخت ضرورت ہے اور جنگی گھوڑے اور دیگر وسائلِ جنگ کی فوری حاجت ہے۔

جب یہ خبر انوشیروان تک پہونچی تو وہ سوچ میں پڑ گیا جس نے اسے مریض کر دیا۔ اس نے اپنے وزیر "بزرگ مہر" کو بلایا اور کہا: فوراً "مازندران[1]" چلے جاؤ اور خزانے میں جو کچھ ہے لے آؤ۔

وزیر کو شکست سر پر منڈلاتی نظر آرہی تھی مازندران کی مسافت کافی طولانی تھی جس کی بنا پر وزیر کو یہ خطرہ تھا کہ مازندران سے آتے آتے کہیں شکست نہ ہو جائے لہٰذا اس نے انوشیروان سے کہا:

بادشاہ! خزانے تک جانے میں کافی وقت لگے گا جب کہ فوج کو فوری ضرورت ہے میری رائے یہ ہے اگر آپ مناسب سمجھیں تو یہیں کسی نزدیک شہر کے روساء سے قرض لے لیا جائے اور اس طرح اس مشکل سے نجات حاصل کی جائے۔ انوشیروان نے وزیر کی رائے سے اتفاق کیا اور کہا کہ فوراً کسی کو بھیج کر قرضہ حاصل کر لیا جائے۔ بزرگ مہر نے ایک وجیہ اور عقلمند شخص کو منتخب کیا اور نزدیک ہی ایک شہر کی طرف روانہ کر دیا تاکہ وہ وہاں کے روساء سے قرض حاصل کرے۔

---

[1] یہ مازندران موجودہ مازندران کے علاوہ ہے۔

نمائندہ شہر پہونچا اور تلاش کرتے ہوئے ایک بوڑھے موچی کے پاس پہونچا جو مزدور طبقہ سے تعلق ضرور رکھتا تھا مگر ساری ضرورتیں پورا کرنے کی قدرت رکھتا تھا وہ خوشی خوشی راضی ہو گیا۔ لیکن اس کی ایک تمنا یہ تھی کہ بادشاہ اس کے اکلوتے فرزند کو تعلیم حاصل کرنے کی اجازت دیدے جو اس وقت صرف اونچے طبقہ کا حق تھی۔

نمائندے نے واپس آکر بزرگ مہر کے سامنے سارا قصہ بیان کر دیا۔ بزرگ مہر انوشیروان کے پاس گیا اور سارا قصہ دہرادیا۔

انوشیروان نے اس بوڑھے موچی کی اس تمنا کو توہین محسوس کیا اور کمال بے حیائی کے ساتھ اس کی یہ تمنا رد کر دی اور اپنی سخت ضرورت کے باوجود اس کے قرضہ کی پیشکش کو قبول نہ کیا۔ غصہ کے عالم میں بزرگ مہر سے کہنے لگا:

تمھاری عقل پر پتھر پڑ گیا ہے کیا۔ فوراً اس نمائندہ کو واپس بلاؤ، کہیں وہ اس سے قرض حاصل نہ کرے۔ اب یہ نوبت آگئی ہے کہ نچلے طبقہ کے افراد اپنی اولاد کو تعلیم دلانے کی تمنا کریں، تاکہ جب وہ تعلیم حاصل کرلیں اور ہماری اولاد تخت نشین ہو تو اس پر برتری حاصل کرے۔ بعد میں آنے والی نسلیں ہمیں کس نام سے یاد کریں گی سوائے ہم پر لعنت بھیجنے کے[1]

یہ واقعہ طبقات کے درمیان اختلاف و امتیاز کو بخوبی بیان کر رہا ہے۔ یہی کچھ حالات اس وقت روم اور ہندوستان کی بھی تھے اونچے طبقے کے لئے سارے وسائل فراہم تھے اور نچلا طبقہ ہر سہولت سے محروم تھا۔ اس وقت لوگ نسلی امتیاز پر فخر و مباہات کرتے تھے اور اپنے کو دوسروں سے بلند و بالا جانتے تھے۔ (یہی صورتِ حال اس وقت بھی ہے مگر پہلے سے کچھ کم)۔

---

[1] شاہنامہ فردوسی۔ طبع حجری امیر بہادر خط عماد الکتاب ۱۳۲۶ھ

عورت کی منزلت اسلام سے قبل

عرب

انسان دوسری تمام چیزوں کی طرح عورت کا بھی مالک ہوتا تھا۔ بیٹے کو جہاں اور چیزیں باپ سے ورثہ میں ملتی وہاں عورت بھی ملتی تھی۔ عورت، باپ بیٹے یا شوہر کی ملکیت ہوتی تھی۔[1]

لڑکیاں ان کے لئے باعثِ ذلت تھیں۔ بعض قبیلہ تو لڑکی کو اس قدر باعثِ لعنت سمجھتے تھے کہ اس کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔[2]

ایران

پست طبقاتی نظام نے عورت کے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہ کیا تھا ہر ایک کی طرح اس کے بھی حقوق پائمال کئے جا رہے تھے۔

یونان

عورت نجس العین تصور کی جاتی تھی۔ اس کو شیطان کی اولاد جانتے، اور مجسم جانور سمجھتے تھے۔

---

[1] تاریخ ویل ڈورانٹ جلد ۱۱ صفحہ ۳۰

[2] سورہ نحل آیۃ ۵۹۔ تاریخ ویل ڈورانٹ۔ جلد ۱۱ صفحہ ۷

ہندوستان

یہاں بھی عورت کی حالت دوسری جگہوں سے بہتر نہ تھی، عورت ہمیشہ باپ شوہر یا بیٹے کی غلام رہتی تھی۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنے شوہر کو آقا کہکر خطاب کرے اور اگر اس کی زندگی میں شوہر کا انتقال ہو جاتا تھا تو اس کو بھی اسکے ساتھ زندہ جلا دیا جاتا تھا۔

جاپان

عورتیں تازندگی، باپ، بیٹے یا شوہر کی سرپرستی میں زندگی بسر کرتی تھیں لڑکیوں کے لئے وراثت میں کوئی جگہ نہ تھی۔

چین

باپ کو یہ قدرت حاصل تھی کہ وہ اپنی زوجہ اور اولاد کو غلام بنا کر فروخت کر سکتا تھا۔ بسا اوقات وہ قتل بھی کر سکتا تھا۔

ویل ڈورانٹ نے چین کے قدیمی شاعر کا ایک قطعہ نقل کیا ہے جس سے عورت کی حیثیت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ قطعہ کا مفہوم یہ ہے:

عورت ہونا کس قدر غم انگیز ہے، زمین پر کوئی بھی چیز عورت سے سستی نہیں ہے، جس وقت لڑکی پیدا ہوتی ہے اس وقت کسی کے بھی چہرے سے خوشی نظر نہیں آتی ہے، کسی کے لب پر مسکراہٹ نہیں کھیلتی۔[1]

---

[1] تاریخ تمدن۔ "ویل ڈورانٹ"، تیسری فصل صـ ۱۰۶۳

اس سماج میں عورت کی کوئی بھی وقعت نہ تھی کبھی تو اس کو بیابانوں میں بھیڑیے کے حوالے کر دیتے تھے[1]

روم

یہاں بھی عورت کو برائیوں کا پتلا جانا جاتا تھا اور بچوں کی طرح اس کی بھی نگرانی ضروری سمجھی جاتی تھی۔

اس وقت ساری دنیا فتنہ و فساد کی تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی، کہیں بھی کوئی روشنی نظر نہیں آرہی تھی، گرچہ فطرت کی تہوں میں اصلاح کی شمع ٹمٹما رہی تھی لیکن کبھی شہوت اور ظلم و ستم کی سیاہی میں ایک طرف اور دوسری طرف فقر و فاقہ کی فلاکت بار فضا میں کھو گئی تھی یہ فطری آرزو اس قدر بے نور ہو گئی تھی جو رہروان راہ راست کی رہنمائی کرنے سے قاصر تھی۔ گھٹا ٹوپ اندھیرا ساری زندگی کو اپنی لپیٹ میں لئے تھا ساری دنیا اسی تاریکی میں سر دھن رہی تھی چاروں طرف ظلمت اس قدر پھیلی ہوئی تھی جسے صرف چمکتا دمکتا سورج ہی دور کر سکتا تھا۔

ساری دنیا سے زیادہ عرب میں تاریکی تھی جہاں ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ گویا یہ لوگ پستی اور فساد کی آخری حد کو پہونچ گئے تھے۔

اس وقت کی عکاسی حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے ان الفاظ میں فرمائی ہے:

"اے گروہ عرب! تم اس سے پہلے بدترین دین کی پیروی کرتے تھے۔ اور

---

[1] تاریخ تمدن "ویل ڈورانٹ" تیسری فصل ص ۱۰۶۸

بدترین جگہ زندگی گذار رہے تھے۔ سنگلاخ وادیوں اور سانپوں کے درمیان دن گذار رہے تھے ایسے سانپ جو بہرے تھے۔ کسی آواز کا ان پر کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔

تم گندہ پانی پیتے تھے، خراب غذا استعمال کرتے تھے، ایک دوسرے کا خون بہاتے تھے اور رشتہ داروں سے دور رہتے تھے۔

بُت کی پرستش کرتے تھے اور گناہوں میں ملوث رہتے تھے"۔[۱]

پیغمبر اسلامؐ کی ولادت

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ۱۷ ربیع الاول ۵۷۰ء ہجرت سے ۵۳ سال قبل مکہ معظمہ میں ہوئی۔

آپؐ کے والد جناب عبداللہ جناب اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ آپؐ کا انتقال آنحضرتؐ کی پیدائش سے پہلے ہی ہو گیا تھا۔ آپؐ کی والدہ ماجدہ جناب آمنہؑ اپنے وقت کی پارساترین خاتون تھیں۔

آنحضرتؐ کو پاکیزہ ترین عورت جناب حلیمہ کے سپرد کیا گیا تاکہ وہ آپؐ کو دودھ پلائیں اور ساتھ ہی ساتھ دیکھ بھال بھی کرتی رہیں۔

ابھی آنحضرتؐ چار سال کے نہیں ہوئے تھے کہ جناب حلیمہ سے فرمائش کی کہ اپنے رضائی (دودھ شریکی) بھائیوں کے ہمراہ صحرا جائیں گے۔ جناب حلیمہ کا بیان ہے کہ میں نے دوسرے دن آنحضرتؐ کو نہلایا بالوں کو سنوارا آنکھوں میں سرمہ

---

[۱] نہج البلاغہ ص ۶۸ خطبہ ۲۶ صبحی صالح۔

لگایا اور ایک یمنی پتھر[1] آنحضرتؐ کے گلے میں لٹکا دیا تاکہ صحرائی بھوت آپ کو کوئی گزند نہ پہونچانے پائیں۔ لیکن آنحضرت نے اس کو اتار دیا اور فرمایا: مادرِ گرامی! آپ مطمئن رہیں میرا خدا میرے ساتھ ہے جو میری حفاظت کرے گا۔[2]

ابتداء ہی سے رحمت الٰہی آنحضرتؐ کے شامل تھی۔ مسلسل فرشتوں کے ذریعہ آپ کی مدد ہوتی رہی اور تمام غلط باتوں کے سدھار کے لئے آپ کو الہام کیا جاتا رہا۔

آنحضرتؐ کی رفتار و گفتار نے بچپنے ہی میں لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا ایام جوانی میں بھی آپ تمام جاہلی آداب و رسوم سے دور رہے، کبھی بھی کسی بزم غزل خوانی، محفل رقص و سرود میں شرکت نہیں کی، شراب منھ نہ لگائی، بتوں کو ہمیشہ دشمن سمجھا، آپ راست باز اور راست کردار تھے۔ اعلان نبوت سے برسوں قبل لوگ آپ کو "امین" کے لقب سے یاد کرتے تھے، پاک دل، روشن فکر اور الٰہی خو بو کے مالک تھے۔ ہر سال ایک مہینہ غارِ حرا میں رہتے تھے اور اپنے خدا سے راز و نیاز کی باتیں کرتے تھے۔ ایک ماہ کے بعد جب غارِ حرا سے باہر آتے تو گھر جانے کے بجائے خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے اس کے بعد گھر تشریف لے جاتے تھے۔

چالیس سال کی عمر میں جب آپ غار حرا میں عبادت میں مشغول تھے اس وقت آپ کو مبعوث برسالت کیا گیا۔

تین سال تک آپ پوشیدہ طور سے تبلیغ کرتے رہے اس مدت میں بہت

---

[1] یہ ایک یمنی پتھر ہے جس میں سفید، زرد اور سرخ تل ہوتے ہیں یہ پتھر عقیق کی کان میں پایا جاتا ہے۔ فرہنگ عمید۔

[2] بحار الانوار جلد ۱۵ ص ۳۹۲ طبع جدید۔

کم لوگ ایمان لائے مَردوں میں ایمان لانے والے حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام تھے اور عورتوں میں جناب خدیجۃ الکبریٰ کی ذات گرامی تھی[1] تین سال بعد آپ کو یہ حکم ملا کہ آپ کھلے عام لوگوں کو دین الٰہی کی دعوت دیں۔ اس لئے آپ نے اپنے اعزاؔ کو رات کے کھانے پر دعوت دی چالیس افراد اس دعوت میں شریک تھے۔ لیکن آنحضرتؐ نے دعوت کے لئے کھانا جو تیار کرایا تھا وہ صرف ایک آدمی کی غذا سے زیادہ نہ تھا۔ لیکن خدا کے فضل سے اس مختصر سی غذا سے سب سیر ہو گئے۔ یہ دیکھ کر ابولہب نے بغیر سوچے سمجھے کہدیا کہ "محمد جادوگر ہے۔" اس دن قبل اس کے کہ آپؐ کچھ بیان فرماتے سارے رشتہ دار اٹھ کر چلے گئے۔ آنحضرتؐ نے دوسرے دن پھر ان لوگوں کو دعوت دی۔ دوسرے دن کھانا تمام ہونے کے بعد آنحضرتؐ نے ان سے کہا: اے فرزندان عبد المطلب! کسی بھی قوم میں کوئی بھی جوان اس چیز سے بہتر کوئی چیز نہیں لایا ہے جو میں تمھارے لئے لایا ہوں۔ میں تمھارے لئے دنیا و آخرت کی نیکی لے کر آیا ہوں۔ مجھے خدا کی طرف سے یہ حکم ملا ہے کہ میں تمھیں اس کی طرف بلاؤں، تم میں سے کون ہے جو میری مدد کرے۔ تاکہ وہ میرا بھائی اور جانشین قرار پائے؟

حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ علی علیہ السلام نے نصرت کا وعدہ کیا۔ آنحضرتؐ نے علی علیہ السلام کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: یہ میرا بھائی ہے۔ یہ میرا وصی ہے تمھارے درمیان اس کی باتیں سنو اور اس کی اطاعت کرو[2]

ایک روز آپ کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور لوگوں کو اپنے پاس بلایا۔ اور

---

[1] تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۱۵۹/ سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۲۴۵، ۲۲۰۔ [2] تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۱۷۳/ مجمع البیان ج ۷ ص ۲۰۶

ان سے فرمایا! لوگو! اگر میں تم سے یہ کہوں کہ دشمن تمھاری گھات میں ہے، جو صبح یا شام کسی وقت حملہ کر سکتا ہے تو کیا تم میری بات کا یقین کرو گے، سب نے مل کر کہا: ہاں یقیناً۔ آپ نے فرمایا: میں تمھیں اس سخت عذاب سے ڈرا رہا ہوں جو تم پر نازل ہونے والا ہے۔ اس خوف سے کہ کہیں حضرت کی بات لوگوں پر اثر انداز نہ ہو جائے فوراً ابولہب نے کہا: آپ نے یہی بات سنانے کے لئے ہمیں بلایا تھا۔

آنحضرتؐ نے اپنی دعوت کا آغاز کلمہ "توحید" سے فرمایا۔ توحید ہی کو تمام عقائد کی بنیاد قرار دیا، لوگوں کو اس خدا سے واقف کرایا جو ان کی بہ نسبت ان سے زیادہ نزدیک ہے تمام قسم کی بت پرستی اور شرک کو غلط قرار دیا۔ مکہ کی فضا میں عظیم انقلاب برپا کر دیا لوگوں کے افکار اپنے دین کی طرف موڑ دیئے، گرچہ قریش؛ اسلام کی ترقی سے سخت ناراض تھے، آنحضرتؐ کو تبلیغ سے باز رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی اور کبھی آنحضرتؐ کے قتل کا بھی منصوبہ بنایا لیکن خداوند عالم کی نصرت و مدد اور آنحضرتؐ کے ثبات قدم سے قریش کی ہر کوشش نقش برآب ثابت ہوئی۔ اسلام روز افزوں ترقی کرتا گیا یہاں تک کہ مکہ سے باہر والے بھی اسلام کے معتقد ہونے لگے اور لوگ جان کی بازی لگا کر دین الٰہی قبول کرنے لگے۔

بعثت کے گیارہویں سال "قبیلہ خزرج" کے کچھ افراد حج کی غرض سے مدینہ سے مکہ آئے۔ پیغمبر اسلامؐ نے انھیں دین مقدس اسلام کی دعوت دی جس کو انھوں نے قبول کر لیا اور ساتھ ہی ساتھ یہ وعدہ بھی کیا کہ جب ہم اپنے وطن مدینہ واپس جائیں گے تو لوگوں کو آپ کے دین کی دعوت دیں گے۔ یہ لوگ مدینہ واپس آئے اور پیغمبر اسلامؐ کا پیغام سارے مدینہ میں نشر کر دیا۔ دوسرے سال مدینہ کے بارہ افراد نے "عقبہ" کے مقام پر آنحضرتؐ کے ہاتھوں پر بیعت کی اور یہ اقرار

کیا: کبھی شرک نہیں کریں گے۔ چوری نہیں کریں گے، زنا نہیں کریں گے، اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے، کسی پر تہمت نہیں لگائیں گے اور جس چیز کا آنحضرتؐ حکم دیں گے اس پر عمل کریں گے۔ اس وقت آنحضرتؐ نے "مصعب" نامی جوان کو قرآن کی تعلیم دینے کے لئے ان کے ہمراہ مدینہ بھیجا۔ اس طرح مدینہ کا بھاری گروہ آپ کا گرویدہ اور دینِ اسلام کا معتقد ہو گیا۔

ہجرت

پیغمبر اسلامؐ بعثت کے تیرہویں سال تک مکہ میں رہے اور لوگوں کو دینِ اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ بہت ہی پامردی اور ثبات قدم سے قریش کے تمام ترمظالم کا مقابلہ کرتے رہے۔ ہر طرح سے شکست کھانے کے بعد قریش نے آنحضرتؐ کے قتل کا عجیب وغریب نقشہ تیار کیا، لیکن آنحضرتؐ کے اقدام نے اس نقشہ پر بھی پانی پھیر دیا۔ آنحضرتؐ نے حکمِ خدا سے حضرت علیؑ کو اپنے بستر پر سلایا اور رات ہی رات مکہ سے کوچ کر گئے۔ پہلے غارِ حرا میں پناہ لی پھر وہاں سے مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

آنحضرتؐ کی ہجرت نے تاریخ اسلام میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا جس کے سبب بہت ہی چشم گیر کامیابی اسلام کو نصیب ہوئی اور یہی ہجرت مسلمانوں کی تاریخ کی ابتدا قرار پائی۔

قبیلہ "اوس" و "خزرج" کی پرانی جنگ آنحضرتؐ کی برکت سے ختم ہو گئی اور اسلامی تعلیمات نے دیرینہ دشمنوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا، برسرپیکار رہنے والے قبیلے ایک دوسرے کا تعاون کرنے لگے اور دونوں ایک دوسرے کے گہرے دوست ہو گئے۔

آنحضرتؐ کے کردار کی بلندی، پاکیزگی، آپ کی اخلاقی خصوصیات، روحانی صفات، اور دین اسلام کی فطری تعلیمات اس کا سبب ہوئیں کہ لوگ گروہ در گروہ اسلام قبول کرنے لگے اور اسلام کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔

پیغمبرؐ انھیں لوگوں میں سے تھے اور انھیں کے ساتھ رہتے تھے۔ آنحضرتؐ نے کبھی بھی لوگوں سے دوری اختیار نہ کی۔ آنحضرتؐ لوگوں کے نقصان و فائدے میں برابر کے شریک رہے۔ آپ ظلم و تعدی کے سخت مخالف تھے اور لوگوں کو ظلم و جور سے منع کرتے تھے۔ عورتوں کے لئے ہر وہ قانون بیان کر دیا جس سے ان کی شخصیت رشد کرتی اور انھیں ترقیاں نصیب ہوتیں۔ آپ نے ان تمام مظالم کی روک تھام کی جو اسلام سے پہلے عورتوں کے حق میں روا سمجھے جاتے تھے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ بے عفتی اور بے قید و شرط آزادی کے بھی سخت مخالف تھے۔ آپ کی تمنا یہ تھی کہ عورتیں اسلامی قوانین کے سائے میں رشد و کمال حاصل کریں اور اسلامی حدود میں رہ کر ترقیاں کریں۔

غلاموں کے حقوق کا دفاع آپ اپنا فریضہ سمجھتے تھے۔ غلاموں کی آزادی کے لئے ایک جامع قانون بیان کیا۔ آنحضرتؐ نے ایک ایسے عالیشان سماج کی تشکیل کی جس میں سفید و سیاہ، امیر و غریب، بڑا چھوٹا، عرب عجم، قریش غیر قریش سب برابر تھے، انسان واقعی بننے کے لئے امکانات ہر ایک کے لئے برابر سے فراہم تھے، ہر شخص اپنی انسانیت سے پورا پورا فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ یہ ایک ایسا سماج تھا جہاں نسلی، خاندانی..... امتیاز کا کوئی سوال نہ تھا جہاں معیار فضیلت، عزت، بزرگی صرف تقویٰ، علم، انسانی صفات اور اخلاقی بلندیاں تھیں، گورے کالے کا فرق نہ تھا ذات پات کا جھگڑا نہ تھا۔ شرافت کا معیار پرہیزگاری تھی۔

ذیل کی داستان سماج کی بلندی کی عکاسی کر رہی ہے۔ یہ اس سماج کا صرف ایک نمونہ ہے جس کی بنیاد پیغمبر اسلامؐ کی تعلیمات ہیں۔

"جویبرؓ ایک غریب جوان تھے، کوئی خاص صورت نہ تھی بلکہ کسی حد تک بدصورت تھے۔ اسلام کے شوق میں مدینہ آئے تھے اور اسلام قبول کر لیا تھا۔

آنحضرتؐ نے شروع شروع میں ان کو مسجد میں جگہ دی بعد میں اس سائبان میں جگہ دی جسے صُفہ کہا جاتا ہے۔

ایک روز پیغمبر اسلامؐ نے جویبر سے فرمایا: کیا اچھا ہوتا جو تم شادی کر لیتے اپنی پاکدامنی کو محفوظ رکھتے اور منظم طریقے سے زندگی بسر کرتے۔

_____ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہو جائیں، میں غریب الوطن، فقیر اور بدصورت ہوں، کون لڑکی مجھے پسند کرے گی اور کون میری ہمسر بننے کے لئے راضی ہوگی، جبکہ میں کسی اعلیٰ خاندان سے تعلق بھی نہیں رکھتا ہوں۔

_____ جویبر! اسلام نے تمام جاہلی آداب و رسوم کو ختم کر دیا ہے شرافت کا وہ معیار نہ رہا جو اسلام سے پہلے تھا۔ گورے، کالے، عرب، عجم سب کے سب حضرت آدم کی اولاد ہیں اور خداوند عالم نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا تھا۔ لہٰذا آج کے دن سیاہی و سفیدی۔۔۔۔ شرف و فضیلت کا سبب نہیں ہے بلکہ نقص و عیب بھی نہیں ہے۔

خداوند عالم کے نزدیک سب سے زیادہ باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی اور پرہیز گار ہو۔

بس ابھی زیاد کے گھر جاؤ اور ان کی لڑکی "ذلفاء" کو میری طرف سے اپنے لئے خواستگاری کرو۔

جویبر نے وہی کیا جو پیغمبر اسلامؐ نے حکم دیا تھا لیکن زیاد کو جو مدینہ کے

اعلیٰ فرد تھے یقین نہ آیا اور کہا:

ہم اپنی لڑکیوں کی شادیاں اپنے جیسے خاندان و قبیلہ میں کرتے ہیں اور پیغمبر اسلامؐ کو اس بات کا باقاعدہ علم ہے لہٰذا تم واپس جاؤ میں خود پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں اور معذرت پیش کرتا ہوں۔

جویبر واپس ہو گئے لیکن غصہ میں زور زور یہ کہہ رہے تھے "خدا کی قسم نہ قرآن نے ایسا کہا ہے اور نہ پیغمبرؐ نے ایسا حکم دیا ہے کہ اپنی لڑکیوں کی شادیاں اپنے جیسے خاندانوں میں کرو۔"

جویبر کی آواز "ذلفا" نے سن لی، باپ کو بلا کر دریافت کیا: آپ نے اس جوان سے کیا کہا جو ان کو غصہ آگیا؟

وہ مجھ سے کہہ رہا تھا "پیغمبرؐ نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ اپنی لڑکی کی شادی میرے ساتھ کر دیجئے۔"

جویبر جھوٹ نہیں بول سکتے۔ آپ اس کو واپس بلایئے اور خود پیغمبرؐ کی خدمت میں جا کر دریافت کیجئے تاکہ بات صاف ہو جائے۔

زیاد نے لڑکی کے کہنے پر عمل کیا۔ معذرت کر کے جویبر کو واپس بلایا اور خود پیغمبر اسلامؐ کی خدمت میں گئے اور کہا: جویبر آپ کی طرف سے ایک پیغام لائے تھے میں آپ کی خدمت میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہم لوگ اپنی لڑکیوں کی شادیاں صرف اپنے جیسے خاندانوں میں کرتے ہیں۔

جویبر باایمان شخص ہے باایمان مرد کے لئے ہم شان باایمان عورت ہے اس کو اپنی لڑکی کا شوہر منتخب کر لو۔

زیاد واپس گھر پہونچے اور سارا واقعہ لڑکی سے دہرایا۔ لڑکی نے کہا: باباجان پیغمبر اسلامؐ کے حکم کی نافرمانی کفر ہے۔ میں خوشی سے حاضر ہوں آپ جویبر کو اپنا داماد بنا لیجئے۔

زیاد، جو مہر کو لے کر اپنے خاندان کے افراد کے پاس آئے اور اسلامی قوانین کے مطابق اپنی لڑکی سے ان کا نکاح کر دیا۔ بلکہ لڑکی کا مہر بھی اپنے پاس سے ادا کیا۔ اور ایک سجا سجایا گھر بھی ان کو دیا تاکہ ہنسی خوشی اپنی زندگی گذار سکیں[1]۔

ہاں! اس خیرہ کر دینے والی روشنی نے، اس مرکز نور نے، ایک ایسی شمع روشن کی جو پاکیزہ دلوں کو ہمیشہ راہ توحید کی طرف رہنمائی کرتی رہے اور ایسا ہوا بھی، تاریکیوں میں بسنے والے جب تاریکیوں سے عاجز آگئے تو پروانے کی طرح اس شمع روشن کی طرف آنے لگے اور قرآن کریم کے نورانی دستور کے سائے میں گروہ در گروہ اسلام قبول کرنے لگے۔

"یونس ویلی"، لکھتا ہے "... محمد ایک مہذب دین تمام دنیا والوں کے لئے لائے۔ وہ عنایت پروردگار کے مظہر تھے۔ خداوند عالم نے انھیں مبعوث فرمایا تاکہ عیسائیوں کو ان کی گمراہی کی طرف متوجہ کریں، بت توڑ دیں، ایرانیوں کو توحید کی دعوت دیں۔ انھوں نے "خداشناسی" کے پاکیزہ دین کو دیوار چین سے اسپین کے ساحل تک پھیلا دیا۔ محمد کا دین اس قدر عاقلانہ ہے کہ جس کی تبلیغ میں تلوار و طاقت کی ضرورت نہیں ہے۔ دینی اصول لوگوں کو سمجھا دینا ہی کافی ہے تاکہ ہر شخص جان و دل سے اس کا گرویدہ ہو جائے اصول دین عقل سلیم سے اس قدر ہم آہنگ ہے کہ نصف صدی سے کم کی مدت میں آدھی دنیا کے باشندوں کے دلوں میں نفوذ کر گیا تھا"[2]

---

[1] فروع کافی ج ۵ کتاب نکاح صفحہ ۳۴۰/۳۴۱۔ [2] زندگی محمد صفحہ ۱۷۷

بیسواں سبق

حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم

عصرِ انتظار و اُمید

گذشتہ انبیاء علیہم السلام نے اور خاص کر موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام نے اپنے ماننے والوں کو اسلام کے ظہور کی بشارت دی تھی۔ یہاں تک کہ پیغمبر اسلام ؐ کی بعض خصوصیات بھی ان کی آسمانی کتابوں میں موجود ہیں۔ لہٰذا یہودی اور عیسائی بلکہ دوسرے مذاہب والے بھی اسلام کا اس طرح انتظار کر رہے تھے جس طرح کشتی والے ساحل کا انتظار کر رہے ہوں جس کا بادبان بھی ختم ہو گیا ہو، لنگر بھی ٹوٹ گیا ہو اور غرق ہو جانا نزدیک ہو۔[1]

بعض یہودیوں نے تو حکومتِ اسلامی کے مرکز کی بھی تعین کر دی تھی کہ وہ جگہ کوہ "احد" اور "عیر"[2] نامی پہاڑی کے درمیان ہے۔ بہتوں نے تلاش بسیار کے بعد اس جگہ کا پتہ لگایا اور وہیں جا کر بس گئے اور ظہور اسلام کا انتظار کرنے لگے۔[3]

اس سلسلے میں قرآن بہترین گواہ ہے کہ "توراۃ" اور "انجیل" نے آنحضرت ؐ کی آمد کی خبر دی ہے۔ قرآن کی چند آیتیں ملاحظہ ہوں:

(۱) (یہودی اور عیسائیوں کا وہ گروہ رحمتِ خدا کا مستحق ہے) جو اس

---

[1] سیرہ ابن ہشام ج ۱ ص ۲۲۶-۲۱۱۔ [2] عیر وہ پہاڑی ہے جس کے جنوب میں مدینہ اور شمال میں احد واقع ہے۔ الجبال زمخشری ص ۹ اور ۱۰۔ [3] روضہ کافی ص ۳۰۸۔

رسول اور نبی کی پیروی کرتا ہے جو "اُمّی" ہے، جس کی نشانیاں
تورات اور انجیل میں موجود ہیں۔
وہ پیغمبر ایسا ہے جو انھیں نیکیوں کا حکم دیتا ہے اور برائیوں سے
روکتا ہے، پاک وصاف چیزوں کو ان کے لیے حلال کرتا ہے
اور گندگی و نجس چیزوں کو ان پر حرام کرتا ہے۔
اور سخت احکام کا بوجھ جو ان کی پشت پر تھا اور وہ پھندے
جو ان کی گردن میں پڑے ہوئے تھے، ان سب کو وہ پیغمبر ان
سے الگ کر دیتا ہے۔
جو لوگ اس پر ایمان لائے، اس کی عزت کی، اس کی مدد کی
اور اس نور (قرآن) کی پیروی کی جو اس کے ساتھ نازل ہوا ہے
تو یقیناً یہی لوگ کامیاب ہیں۔" [1]

(۲) محمد مصطفےٰؐ خدا کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں
وہ کافروں پر سخت اور آپس میں بڑے رحم دل ہیں۔
تم انھیں اس حال میں دیکھو گے کہ وہ خدائے واحد کے سامنے
تن بر کوع اور سر بسجود ہیں۔ خدا کے فضل اور اس کی خوشنودی
کے خواستگار ہیں، ان کی پیشانیوں پر سجدوں کے نشان ہیں۔
ان کے یہی اوصاف تورات میں ہیں اور یہی حالات انجیل
میں بھی مذکور ہیں۔

---

[1] سورۂ اعراف آیۃ ۱۵۷

وہ گویا ایک کھیتی کے مانند ہیں کہ اس نے اپنی کونپل نکالی پھر اس کو قوت پہونچائی پھر وہ موٹی ہوگئی، پھر اپنے پیروں پر (جڑ) کھڑی ہوگئی اور اپنی تازگی سے کسانوں کو خوش کرنے لگی، تاکہ ان کے ذریعہ کافروں کا جی جلائے۔

جو لوگ ایمان لائے ہیں اور اچھے کام کرتے ہیں خدا نے ان سے بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔" [۱]

یہ مثال اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ پیغمبر اسلامؐ اور ان کے جانباز ساتھیوں نے اپنی تبلیغ کا آغاز صفر سے کیا اور اوج ترقی تک پہنچے اپنی فداکاری، ایمان، اتحاد اور ایثار سے ساری دنیا کو انگشت بدنداں کر دیا۔

(۳) "جب مریم کے پسر عیسیٰ نے کہا: اے بنی اسرائیل! میں تمھاری طرف خدا کا پیغامبر ہوں، اور جو کتاب توراۃ میرے سامنے موجود ہے میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ میں تمھیں ایسے رسول کی بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد آئیں گے اور جن کا نام احمدؐ ہوگا۔ لیکن جب وہ پیغمبر احمدؐ ان کے پاس واضح روشن معجزات اور دلیلیں لے کر آئے (تو انھیں اس کی بشارت کا یقین نہ ہوا) اور کہنے لگے، یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔" [۲]

(۴) "جن کو ہم نے آسمانی کتاب دی ہے وہ پیغمبر اسلامؐ کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح وہ اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں، ان میں سے

---

[۱] سورہ فتح آیۃ ۲۹۔ [۲] سورہ صف آیۃ ۶

کچھ لوگ تو ایسے بھی ہیں جو دیدہ و دانستہ حق بات کو چھپاتے ہیں"۔[1]

ان آیات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ گزشتہ انبیاء علیہم السلام نے پیغمبر اسلامؐ کی آمد کی بشارت اپنی قوم کو دی تھی اور پیغمبر اسلامؐ کی خصوصیات اور صفات بھی بیان کر دی تھیں اور اس کا تذکرہ ان کی مذہبی کتابوں میں بھی موجود تھا تاکہ آنحضرتؐ کے ظہور اور اعلان بعثت کے بعد اہل کتاب کے لئے کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہ رہ جائے۔

اگر آنحضرتؐ کے زمانے کے یہودیوں و عیسائیوں کی کتابوں میں آنحضرتؐ کا تذکرہ نہ ہوتا اور آنحضرتؐ کے ظہور کی بشارت نہ دی گئی ہوتی تو آنحضرتؐ جیسے صاحبِ کردار سے یہ بات بعید تھی کہ وہ اپنی رسالت کے اثبات کے لئے تمام یہودیوں اور عیسائیوں کے سامنے کھڑے ہو کر یہ اعلان کرتے کہ میرا نام میری خصوصیات تمھاری توراۃ اور انجیل میں موجود ہیں۔

اگر یہ بشارتیں ان کی کتابوں میں نہ ہوتیں تو یہ اہل کتاب کبھی بھی خاموش نہ بیٹھتے اور آنحضرتؐ کی رسالت کو غلط ثابت کرنے کے لئے اپنی کتابوں کے نسخے پیش کر دیتے اور کہتے کہ دکھایئے اس میں آپ کا تذکرہ کہاں ہے؟

لیکن تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ ان لوگوں نے اس آسان راستہ کو چھوڑ کر آنحضرتؐ کی مخالفت کی ہر ممکن کوشش کی اور امکان بھر تبلیغ اسلام کی راہ میں روڑے اٹکائے، جنگ کیلئے آمادہ بھی ہو گئے مگر اپنی کتابیں نہ پیش کیں۔

یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آنحضرتؐ کا تذکرہ، آپؐ کا اسم مبارک

---

[1] سورہ بقرہ آیۃ ۱۴۶/ سورہ انعام آیۃ ۲۰۔

آپ کی خصوصیات اور صفات ان کی کتابوں میں موجود تھیں جن سے وہ واقف بھی تھے۔

چند تاریخی شواہد

اسلام سے پہلے مدینہ میں دو گروہ زندگی بسر کر رہے تھے۔

① یہودی جو پیغمبر اسلام کے شوقِ دیدار میں اپنا اصلی وطن چھوڑ کر یہاں آباد ہو گئے تھے۔[1]

② اوس اور خزرج، جو یمنی بادشاہ "تبع" کے خاندان کے افراد تھے۔

تبع جس وقت مدینہ پہنچا اور اسے یہ معلوم ہوا کہ پیغمبرؐ ہجرت کر کے یہیں تشریف لائیں گے اور یہیں حکومت اسلامی تشکیل پائے گی تو اس نے ان دو قبیلوں سے کہا تم لوگ یہیں رہو اور جب حضرتؐ کا ظہور ہو تو ان کی نصرت اور مدد کرنا، اگر مجھے ان کی زیارت نصیب ہوئی تو میں بھی ان (آنحضرتؐ) کی مدد کروں گا۔[2]

یہ لوگ مدینہ میں رہ گئے۔ دھیرے دھیرے ان کی تعداد بڑھتی گئی، اسی اعتبار سے ان کی طاقت میں بھی اضافہ ہوتا گیا، یہ اتنے طاقت ور ہو گئے کہ یہودیوں پر حملہ کرنے لگے، ان کے مال و متاع پر قبضہ کرنے لگے اور رفتہ رفتہ یہ بات بھی ان کے ذہنوں سے نکل گئی کہ ان کے بزرگ یہاں کیوں آباد ہوئے تھے اور اسکا سبب کیا تھا۔

ان لوگوں کے مقابلے میں یہودی کمزور پڑتے تھے، وہ پیغمبر اسلامؐ کے ظہور کو سوچ کر اپنے دل کو تسکین دے لیتے تھے کہ ظہور کے بعد ان تمام مظالم کا خاتمہ

---

[1] روضہ کافی ص۳۰۸ ۔ [2] بحار الانوار جلد ۱۵۔

ہو جائے گا اور پھر وہ آرام سے زندگی بسر کریں گے ان لوگوں کے بارے میں قرآن کا ارشاد ہے:

"اسلام سے پہلے یہودی کہا کرتے تھے کہ اسلام کی آمد سے کفار کو شکست اٹھانا پڑے گی اور اسی طرح ایک دوسرے کو دلاسہ دیتے تھے، لیکن جب اسلام ظاہر ہوا تو اس کو پہچاننے سے انکار کر دیا اور اسے قبول نہ کیا۔"[1]

ابن حواش کا شمار علماء یہود میں ہوتا ہے۔ پیغمبر اسلام کے شوقِ دیدار میں اس نے شام کی رہائش ترک کر کے مدینہ میں سکونت اختیار کی۔ لیکن اس کی حیات تک حضرتؐ مبعوث نہیں ہوئے تھے اس لئے اس نے مرتے وقت یہودیوں سے کہا:

"پیغمبر محمدؐ کی زیارت کے شوق میں اور ان کے عشق میں، میں نے شام کی آسودہ زندگی ترک کر دی اور یہاں آگیا اور یہاں روٹی اور کھجور پر قناعت کی۔ افسوس کہ میری تمنا پوری نہ ہوئی، لیکن یہ یقین کر لو کہ وہ مکہ میں مبعوث ہوگا اور ہجرت کر کے یہاں آئے گا وہ غذا میں ایک ٹکڑا روٹی اور کھجور پر اکتفا کرے گا، اس کی زندگی اس قدر سادہ ہوگی کہ بغیر زین کے مرکب پر سوار ہوگا، اس کی حکومت کی کامیابی حیرت انگیز ہوگی، وہ کسی سے ڈرے گا نہیں اور جو لوگ اس کی حق و حقیقت کی راہ میں سدِ راہ بنیں گے وہ انھیں راستہ سے ہٹا دے گا۔"[2]

---

[1] سورہ بقرہ آیۃ ۸۹۔ [2] اثبات الہداۃ ج ۱ ص ۹۰ بحار الانوار ج ۱۵ ص ۲۰۶ اور سیرۃ ہشام ج ۱ ص ۲۳

"زید بن عمرو" حجاز کے رہنے والے تھے، دین مقدس ابراہیم کی تحقیق کا شوق پیدا ہوا، اسی جستجو میں مکہ سے شام، شام سے موصل کا سفر کیا، لیکن جتنا ہی زیادہ تلاش کیا، اتنی ہی کم کامیابی ہوئی۔ آخر کار ایک عیسائی عالم نے ان سے کہا، اس وقت دین ابراہیمی کے آثار ختم ہو چکے ہیں، لیکن عنقریب تمھاری ہی سرزمین پر ایک پیغمبر مبعوث ہوگا تمھیں اس کی گفتار و کردار میں اپنا مطلوبہ دین مل جائے گا۔

زید مکہ واپس ہوگئے لیکن راستہ میں انھیں قتل کر دیا گیا۔

پیغمبر اسلام زید کو نیکی سے یاد فرماتے تھے اور فرماتے تھے: زید وہ ہیں جو دینِ خدا تک پہنچنے کی راہ میں قتل کر دیئے گئے۔[1]

عیسائی عالم بحیرا نے آنحضرتؐ کو بچپنے میں دیکھا۔ جو باتیں اس نے اپنی کتابوں میں پڑھی تھیں اس کے مطابق اس نے آنحضرتؐ کو پہچان لیا اور حضرت ابو طالب سے جو اس وقت آنحضرتؐ کے ہمراہ تھے کہنے لگا:

"یہ پیغمبر ہوں گے ان کی حفاظت کرو اور جلد واپس چلے جاؤ۔"[2]

"نسطورا" کا شمار عیسائی علماء میں ہوتا ہے، اس نے جس وقت آنحضرتؐ کو جوانی کے عالم میں دیکھا تو اس نے واضح لفظوں میں آنحضرتؐ کی رسالت کی بشارت دی اور کہا:

"پیغمبر آخر الزماں یہی ہیں۔"[3]

مقدس کتابوں کی ان پیشین گوئیوں کی بنا پر بعض لوگوں نے اسلام کے آغاز ہی میں ہنسی خوشی اس دعوت کو قبول کیا اور بغیر کسی جبر و اکراہ کے مسلمان ہوگئے۔

---

[1] بحار الانوار ج ۱۵ ص ۲۰۴۔ [2] سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۱۸۳/۱۸۰۔ [3] طبقات ابن سعد ج ۱ حصہ اول ص ۸۳۔

اہلِ مدینہ کا رجحان اسلام کی طرف

جس وقت پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدا کی طرف سے یہ حکم ملا کہ وہ ظاہری طور پر اپنی رسالت کا آغاز کریں اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں، اس زمانے میں بھی ایک طریقہ کا حج رائج تھا۔ حج کے موقع پر کافی لوگ اکٹھا ہو جاتے تھے اس موقع سے پیغمبر اسلامؐ فائدہ اٹھاتے اور لوگوں سے ملاقات کرتے تھے اور ان کے سامنے اسلام پیش کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپؐ نے منیٰ میں قبیلہ خزرج کے چند افراد سے ملاقات کی۔ فرمایا:

"تم لوگ کس قبیلہ سے تعلق رکھتے ہو"؟

"قبیلہ خزرج سے!"

"کیا تمھارے پاس وقت ہے کہ تھوڑی دیر آپس میں گفتگو کریں"؟

"بالکل، ہم حاضر ہیں"!

"تمھیں خدائے واحد کی طرف بلاتا ہوں"۔

اس وقت پیغمبر اسلامؐ نے قرآن کی چند دلِ نشیں آیتیں ان کے سامنے تلاوت کیں۔ قرآن کی جاذبیت نے ان پر ایسا اثر کیا کہ بے اختیار ایک دوسرے سے کہنے لگے:

"ہم قسم کھا کر کہہ سکتے ہیں کہ یہ وہی ہے جس سے یہود ہم کو ڈراتے دھمکاتے تھے یہود ہم پر سبقت حاصل نہ کرنے پائیں"۔

وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے اور مدینہ واپس جا کر اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ ان لوگوں کے بعد پیغمبر اسلامؐ نے مصعب بن عمیر کو مدینہ بھیجا تاکہ ان لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیں اور دوسروں کو اسلام کی طرف بلائیں۔

معصب نے مدینہ میں کافی تعداد میں لوگوں کو مسلمان کیا۔ منجملہ ان میں قبیلہ "اوس" کے سردار "اسید" نے بھی اسلام قبول کر لیا اور اپنے قبیلہ والوں سے کہا:۔

"محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وہی ہیں جن کے بارے میں یہودی برابر خبر دیتے رہے ہیں"

اسید کے پورے قبیلے نے اسلام قبول کر لیا۔ اس طرح مدینہ میں اسلام پھولنے پھلنے لگا۔ مکہ کے بعض مسلمان بھی ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے اور آخر کار خود پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور حکومتِ اسلامی کی بنیاد ڈالی۔

داستان سلمان

جناب سلمان ایرانی تھے اور ایک کسان کے بیٹے تھے۔ ان کے والدین آگ کے پجاری اور زرتشتی تھے، اس وقت جناب سلمان کا نام "روزبہ" تھا۔ والدین انھیں بے پناہ چاہتے تھے۔ اپنے دینی عقائد انھیں سکھلاتے تھے اور انھیں کسی سے ملنے نہیں دیتے تھے۔ ایک دن باپ کے حکم سے کھیتی کے کام سے دور جا رہے تھے۔ راستہ میں گرجا گھر ملا، جس میں کچھ لوگ خدا کی عبادت اور نماز میں مشغول تھے۔ سلمان سوچ میں ڈوب گئے۔ غروب آفتاب تک انھیں کے پاس رہے اور سوچتے رہے اور آخر کار یہ بات سلمان کے ذہن نشین ہو گئی کہ ان لوگوں کا مذہب ان کے والدین کے مذہب سے بہتر ہے۔

دریافت کیا: اس دین کا مرکز کہاں ہے؟

کہا: شام۔

دیر ہو جانے کی بنا پر باپ سخت پریشان تھا ایک آدمی کو سلمان کی تلاش

کے لئے بھیجا۔ جب سلمان گھر واپس آئے تو باپ نے سوال کیا: ــــــــ

"کہاں تھے"؟

انھوں نے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ باپ نے کہا تمھارے بزرگوں کا دین بہت بہتر ہے۔

روزبہ نے جواب دیا کہ میں سوچنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ان لوگوں کا دین ہمارے بزرگوں کے مذہب سے کہیں بہتر ہے۔

یہ سُنکر باپ کو اور زیادہ غصہ آگیا، روزبہ کو بُرا بھلا کہا اور گھر میں قید کر دیا۔

روزبہ نے پوشیدہ طور پر ایک آدمی کے ذریعہ عیسائیوں کے پاس یہ پیغام بھیجا جس وقت شام کے تاجر یہاں آئیں اور اپنے سارے کام انجام دیکر شام واپس جانے لگیں تو اس کی اطلاع مجھے کر دی جائے تاکہ پوشیدہ طور پر گھر سے باہر آؤں اور خفیہ طریقہ سے شام پہنچ جاؤں۔

ایسا ہی کیا گیا اور روزبہ شام پہنچ گئے۔ وہاں انھوں نے ایک بزرگ عیسائی عالم دین کی بارگاہ میں حاضری دی اور اس سے یہ درخواست کی کہ وہ انھیں اپنی خدمت گذاری کے لئے رکھ لے تاکہ اس سے علم حاصل کریں اور خدا کی عبادت کریں۔ اس عالم نے روزبہ کی یہ درخواست قبول کر لی۔

جب اس عالم کا انتقال ہو گیا تو روزبہ نے اسی عالم کے مشورے کے مطابق دوسرے جید علماء کے پاس حاضری دی اور ان سے کسب فیض کیا۔

اس سلسلے کا آخری عالم جو شام میں "عموریہ" نامی جگہ رہتا تھا۔ روزبہ نے اس سے مرتے وقت یہ درخواست کی کہ وہ انھیں یہ مشورہ دیں کہ اب کس عالم کی خدمت

میں حاضری دوں، اس عالم نے کہا:

مجھے اس وقت کسی عالم کا علم نہیں ہے لیکن بہت جلد سرزمین عرب پر ایک پیغمبر مبعوث ہوگا وہ اپنے وطن سے اس جگہ ہجرت کرے گا جسے کھجور کے درختوں نے اپنے سایہ میں لے لیا ہے اور یہ سرزمین دو ریگستانوں کے درمیان ہے۔

اس عظیم المرتبت شخصیت کی بعض خصوصیات اس طرح ہیں:

وہ تحفے جو اس کی عزت واحترام کے ساتھ اس کی خدمت میں پیش کئے جائیں گے انھیں وہ قبول کرے گا، لیکن صدقہ کو ہاتھ نہیں لگائے گا اور اس کے شانوں کے درمیان مہر رسالت ہے۔

اگر تم وہاں جا سکتے ہو تو چلے جاؤ۔

اس عالم کی وفات کے بعد روزبہ نے ایک تجارتی قافلہ سے بات کی جو عرب جا رہا تھا، کہ انھیں بھی اپنے ہمراہ عرب لے چلے۔

ان لوگوں نے روزبہ کی یہ خواہش قبول کر لی، لیکن قافلہ والوں نے راستہ میں خیانت کی اور انھیں "بنو قریظہ" کے ہاتھوں غلام بنا کر فروخت کر دیا۔ یہ یہودی انھیں اپنے کام کاج کے سلسلے میں مدینہ کی طرف لے گیا۔

روزبہ جیسے ہی وہاں پہنچے یہ دیکھ کر ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی کہ یہ وہی جگہ ہے جس کے بارے میں اس عالم دین نے بیان کیا تھا۔ روزبہ اپنے مالک کے کھجور کے باغ میں ہنسی خوشی کام کرنے لگے اور حضرت محمد مصطفےٰؐ کے ظہور کا انتظار کرنے لگے چونکہ چاروں طرف سے سخت پابندیوں میں گھرے ہوئے تھے لہٰذا زیادہ تلاش وجستجو نہ کر سکے۔

آخر کار انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں۔ شب ہجر آخر کو پہونچی اور صبح وصال

نمودار ہوئی۔ پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چند اصحاب کے ہمراہ مدینہ سے نزدیک جگہ تشریف لے گئے۔ روزبہ کو آپ کے آنے کی اطلاع مل گئی۔ اس نے اپنے آپ سے کہا کہ یہ بہترین موقعہ ہے، میں اپنے در مقصود کو تلاش کروں، اور ان نشانیوں کی جستجو کروں جو اس عالم نے مجھے بتائی تھیں، اس غرض سے جو غذا ان کے پاس تھی اسے لیا اور پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ تھوڑی سی غذا پیغمبر اسلامؐ کی خدمت میں پیش کی اور کہا یہ صدقہ ہے اور محتاجوں کے لئے مخصوص ہے، آپ کے ساتھیوں میں ضرورتمند لوگ موجود ہیں، میری تمنا ہے کہ آپ اسے قبول فرمالیں۔

پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ غذا اپنے اصحاب کو دے دی۔ روزبہ بہت ہی غور سے دیکھ رہے تھے کہ پیغمبرؐ نے اس غذا کو استعمال نہیں فرمایا۔ یہ دیکھ کر روزبہ پھولے نہیں سما رہے تھے کہ علامت کی تصدیق ہو گئی۔

ایک دوسری غذا جو روزبہ اپنے ہمراہ لائے تھے، اسے بھی جلدی جلدی پیغمبر اسلامؐ کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کیا، یہ میری طرف سے ہدیہ ہے۔ درخواست کرتا ہوں کہ آپ اسے قبول فرمالیں۔

پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خندہ پیشانی سے اسے قبول فرمالیا اور اسے تناول فرمایا۔

یہ دیکھ کر روزبہ اور زیادہ خوش ہوئے۔

روزبہ پیغمبر اسلامؐ کے گرد گھوم رہے تھے کہ انھیں آخری علامت وہ مہر بھی مل جائے جو شانوں کے درمیان ہے۔ پیغمبر اسلام روزبہ کا مطلب سمجھ گئے۔ انھوں نے اپنے دوش مبارک سے لباس ہٹا دیا تاکہ وہ اس مہر کو

باقاعدہ دیکھ سکیں۔

روزبہ نے اس مہر رسالت کی زیارت کی اور اسلام قبول کر لیا۔ اب روزبہ کا نام "سلمان" رکھ دیا گیا اور ان کو آزاد کرانے کے لئے بھی وسائل فراہم کر دیئے گئے، وہ بھی پیغمبر اسلامؐ کے اصحاب میں شامل ہو گئے۔ جناب سلمان اپنی فکر، ایمان، عقیدہ کی گہرائیوں اور وسعتوں کی بنا پر بہت کم مدت میں پیغمبر اسلامؐ کے ممتاز ترین شاگرد بن گئے۔ [۱]

حقیقت کے وہ تمام متلاشی جو اس خشک اور جلتے ہوئے ماحول میں تشنہ کامی اور تفتیدہ جگری کی زندگی بسر کر رہے تھے، جو سرچشمۂ حیات اور وجود کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ وہ تمام نشانیاں جو انھوں نے اپنی مقدس کتابوں میں پڑھی تھیں یا دوسروں سے سنی تھیں پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی میں مل گئیں تو انھوں نے اپنے کو اس سمندرِ حیات سے منسلک کر دیا۔ اور اسی سرچشمۂ زندگی سے اپنی روح اور قلب و جگر کو جلا بخشی۔ گروہ در گروہ افراد اسلام کے معتقد ہونے لگے! اور آنحضرتؐ کی رسالت پر ایمان لانے لگے۔ اور قرآن کے الفاظ میں:

"لوگ فوج در فوج دینِ خدا میں داخل ہو رہے ہیں"۔ [۲]

اس کے ساتھ ساتھ یہودیوں اور عیسائیوں میں بعض ایسے بھی تھے جن پر حقیقت باقاعدہ روشن ہو گئی تھی، وہ پیغمبر اسلامؐ کو خوب اچھی طرح

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۲۱۴/۲۲۲ طبقات ابن سعد جلد ۴ حصہ اول صفحہ ۵۳/۵۶ بحار الانوار جلد ۲۲ صفحہ ۳۵۵/۳۶۸۔ [۲] سورہ نصر آیۃ ۲

پہچانتے تھے مگران کا تعصب، تنگ نظری، جاہ و منصب سے والہانہ عشق، ان کے لئے ایمان کی راہ میں سخت رکاوٹ بن گیا، اور آخر کار وہ ایمان نہ لائے۔

سرچشمۂ حیات کو پہچانتے ہوئے بھی سرابِ زندگی کے عاشق تھے۔ ہٹ دھرمی سے باز نہ آئے۔ راہِ سعادت و نجات سے کتراتے رہے اور ہلاکتِ ابدی سے ہم آغوش ہوگئے۔

"فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ" [1]

"جب وہ پیغمبر ان کے پاس آیا جسے وہ پہچانتے تھے تو اس کا انکار کر دیا اور اس پر ایمان نہ لائے۔ بس خدا کی لعنت ہو کافروں پر"

اب اس سلسلہ کی دو مثالیں:

(۱) حی بن اخطب کی بیٹی صفیہ کا بیان ہے:

"جس وقت حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مدینہ ہجرت کی اور "قبا" میں فروکش ہوئے، اس وقت میرے والد میرے چچا "ابو یاسر" کے ہمراہ صبح کے جھٹ پٹے میں ان کی تلاش میں گئے۔ جب یہ لوگ غروب آفتاب کے

---

[1] سورہ بقرہ آیۃ ۸۹

وقت واپس آئے، میں بچوں کی طرح کھیلتی ہوئی ان کے پاس گئی، وہ لوگ زیادہ تھکے ہوئے نظر آ رہے تھے، میری طرف کوئی توجہ نہ کی. میرے چچا میرے والد سے کہہ رہے تھے:

آیا یہ وہی شخص ہے؟

خدا کی قسم وہی شخص ہے!

اس کو پہچانا؟

ہاں!

اب اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟

خدا کی قسم تا زندگی دشمنی کروں گا۔"[1]

---

(۴) ایک روز پیغمبر اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعب بن اسد سے فرمایا:

"کیا تمھیں شامی عالم "ابن حواش" کی باتیں یاد نہیں ہیں اور ان سفارشات کا تم پر کوئی اثر نہیں ہوا؟"

کعب نے کہا:

"مجھے وہ باتیں یاد ہیں لیکن مجھے یہودیوں کی سرزنش اور ملامت کا خوف ہے کہ وہ یہ ضرور کہیں گے کہ کعب قتل ہونے سے ڈر گیا" اس لئے میں آپ پر ایمان نہیں

---

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صـ۵۱۶

لاؤں گا اور تا زندگی دینِ یہود پر باقی رہوں گا۔"[1]

قرآن کریم ان سیاہ دل اور کور باطن لوگوں کو جو خود ہی اپنی حیات و سعادت کو برباد کر رہے ہیں، نقصان اٹھانے والا سمجھتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

"انھوں نے اپنے ساتھ بہت برا برتاؤ کیا کہ ان لوگوں نے سرکشی اور حسد کی بنا پر خدا کی نازل کردہ چیز کا انکار کر دیا کہ خداوند عالم نے کیوں اپنے فضل کو بعض لوگوں سے مخصوص رکھا ہے، ان پر غضب ٹوٹ پڑا، اور کافروں کے لئے رسوا و ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔"[2]

---

[1] اثبات الہداۃ جلد ا صفحہ ۲۵۰

[2] سورہ بقرہ آیت ۹۰

قرآن

اسلام کا عالمی اور ابدی معجزہ

انبیاء اور معجزہ

انبیاء علیہم السلام ہمیشہ روشن اور واضح دلیلوں کے ساتھ مبعوث ہوتے رہے تاکہ لوگوں کو اس بات کا یقین ہو جائے کہ وہ اللہ کے نمائندے ہیں۔

وہ افراد جن کا ضمیر آئینہ تھا اور جن کا دل چشمہ کی طرح صاف وشفاف تھا وہ نشانیوں کو دیکھتے ہی دل وجان سے ان پر ایمان لے آتے تھے۔ جس وقت فرعون کے جادوگروں نے دیکھا کہ جناب موسیٰ علیہ السلام کا عصا اژدہا بن کر ان کی رسیوں کو نگل رہا ہے، انھیں اس بات کا یقین ہوگیا کہ یہ کام انسانی حدود سے باہر ہے، وہ فرعون کی دھمکیوں کی پرواہ کئے بغیر جناب موسیٰؑ پر ایمان لے آئے۔

جناب عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے جناب عیسیٰؑ کے اعجاز کو دیکھا کہ کس طرح مُردہ جسم میں جان ڈال دی اور وہ خدا کے حکم سے زندہ ہوگیا۔ حواری جناب عیسیٰؑ کی صداقت اور نبوت پر ایمان لے آئے اور اپنی بے جان روح کو ان کے زندگی ساز پیغام سے حیات نو عطا کی۔

پیغمبرِ اسلام صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سلسلۂ انبیاء کی آخری کڑی اور تمام انبیاء سے افضل تھے وہ

ایسا ابدی اور عالمی دین لائے جس نے تمام گذشتہ آسمانی ادیان کی تکمیل کی۔ اور جو قیامت تک باقی رہے گا۔ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم روشن اور واضح نشانیوں کے ساتھ مبعوث ہوئے تاکہ کسی کو آپ کے دین کی حقانیت اور صداقت پر شک وشبہ نہ ہو۔

قرآن ایک ابدی معجزہ

قرآن اسلام کی ابدیت کی سند بن کر فکر ونظر کے افق پر آفتاب بن کر نمودار ہوا۔

قرآن وہ مشعل ہے جو بشریت کے وسیع ترین افق اور انسانی عقول کی وسعتوں میں فروزاں ہے اور ہمیشہ آفتاب کی طرح نور افشاں ہے اور رہے گا۔ وہ اللہ کا دین ہے جس کی شعاعیں آفتاب کی شعاعوں کی طرح ساری کائنات میں پھیلی ہوئی ہیں اور تمام انسانوں کو سعادت اور کامیاب راستے کی طرف نشاندہی کررہی ہیں۔

اس میں ہدایت کے تمام بنیادی اصول ذکر کردئے گئے ہیں۔ وہ عقائد ہوں یا خالق ومخلوق کے رابطے، یا انسانوں کے آپس میں ایک دوسرے سے تعلقات۔ سب کا تذکرہ اتنے نرم اور جذاب انداز سے کیا ہے جیسے پہاڑ کے دامن میں پاک صاف شیریں اور حسین آبشار۔

اس میں انسانوں کی سماجی ذمہ داریوں کا تذکرہ اور زندگی بسر کرنے کے بہترین اسلوب کی تعلیم —— اس میں طبقاتی اختلاف اور سماجی نابرابری کے مکمل خاتمہ کے فطری اصول —— قرآن انسان کی برتری کا خواہاں، برادری اور برابری کا متمنی اور ان کی اعلیٰ تربیت کا علمبردار ہے۔

بے مثال فصاحت وبلاغت

لغات کا علم، جملوں پر دسترس کوئی دشوار کام نہیں ہے، لیکن جملوں کی ساخت، لفظوں کی ترتیب، طرزِ ادا، دوسروں تک اپنی بات کو اس طرح پہنچانا کہ بات بھی مکمل ہو جائے اور فصاحت وبلاغت پر بھی حرف نہ آنے پائے۔ یہ ضرور دشوار ہے اور یہ کام فصاحت وبلاغت کے باریک اور دقیق اصولوں کی رعایت کے بغیر ناممکن ہے۔

فصاحت وبلاغت کے فن میں یہ وضاحت کی گئی ہے:

فصاحت وبلاغت، تقریر ہو یا تحریر تین باتوں کی رعایت ضروری ہے

(۱) الفاظ اور معانی پر دسترس۔

(۲) قوتِ فکر اور ذوق سلیم۔

(۳) قدرت قلم وبیان۔

اگر کسی نے اپنی تقریر یا تحریر میں فصاحت وبلاغت کے تمام اصولوں کی مکمل پابندی کی ہو اس صورت میں بھی وہ اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اسکی تقریر یا تحریر کو ہر دور میں تمام تقریروں اور تحریروں پر فوقیت حاصل رہے گی۔

لیکن خداوند عالم جس کے علم اور قدرت کی کوئی انتہا نہیں ہے اس نے قرآن میں لفظوں اور جملوں کو اس طرح ترتیب دیا ہے کہ بڑے سے بڑا ادیب اس جیسا کلام پیش کرنے سے عاجز ہے اور قرآن کی ابدیت اور آنحضرت کی لازوال نبوت کا یہی راز ہے۔

تاریخ گواہ ہے قرآن اس وقت نازل ہوا جب عرب کی فصاحت وبلاغت

اپنے عروج پر تھی امرؤالقیس اور لبیدؔ جیسے عظیم شاعر جن کی عظمت آج بھی عربی ادب میں محفوظ ہے موجود تھے۔ کبھی کبھی ان کا کلام اتنا دل نشین اور موثر ہوتا تھا کہ اسکو پردے پر یا سونے کی تختیوں پر لکھ کر خانہ کعبہ پر لٹکا دیتے تھے۔

لیکن جب قرآن کا سورج طلوع ہوا یہ تمام ادبی شہ پارے ستاروں کی طرح ماند پڑ گئے۔ عرب کے ادیب قرآن کی فصاحت و بلاغت دیکھ کر مجسمہ حیرت بن گئے۔ اسلام اور آنحضرتؐ کے جانی اور شمشیر بکف دشمن اپنی تمام تلاش اور کوشش کے باوجود قرآن میں ایک اشتباہ تک نہ نکال سکے۔ کیونکہ یہ ان کے اختیار میں نہ تھا۔

دشمنوں کے فیصلے

حج کا موسم تھا[1]، ہر طرف سے لوگ مکہ میں جمع ہو رہے تھے، مگر قریش اس بات سے سخت پریشان تھے کہ آنحضرتؐ کی رسالت اور آپ کی تعلیمات سے دوسرے متاثر نہ ہو جائیں اور دین اسلام قبول کر لیں۔

قریش نے ولید کی صدارت میں ایک جلسہ کیا کہ آنحضرتؐ کی طرف ناروا باتیں منسوب کر کے حضرت کو بدنام کیا جائے تاکہ باہر سے آنے والے حضرت کے بیانات سے متاثر نہ ہوں بلکہ حضرت سے دور ہی دور رہیں۔ ایک نے کہا کہ ان کو "کاہن" مشہور کیا جائے۔

ولید نے کہا کوئی اس بات کو قبول نہیں کرے گا کیونکہ ان کی باتیں کاہنوں کی طرح نہیں ہیں۔

---

[1] اسلام سے پہلے بھی خاص انداز میں حج کا رواج تھا۔

دوسرے نے کہا: دیوانہ مشہور کیا جائے۔

ولید نے کہا: اسے بھی کوئی نہیں مانے گا ان کی باتیں دیوانوں جیسی نہیں ہیں۔

تیسرے نے کہا: انھیں شاعر مشہور کر دیا جائے۔

ولید نے کہا: کوئی اس تہمت کو بھی قبول نہیں کرے گا، کیونکہ عرب ہر طرح کے شعر سے واقف ہیں اور اس کا کلام شعر جیسا نہیں ہے۔

چوتھے نے کہا: جادوگر کہا جائے

ولید نے کہا: جادوگروں کا خاص انداز ہے مثلاً تاگے میں گرہ لگانا، کچھ پڑھ کر اس پر پھونکنا اور دم کرنا —— اور محمدؐ، اس طرح کا کوئی کام نہیں کرتے۔

اس وقت ولید نے کہا:

"خدا کی قسم اس شخص کے کلام میں خاص قسم کی مٹھاس ہے اور عجب کشش ہے —— اس کا کلام اس درخت کی مانند ہے جس کی جڑیں دور تک گہرائیوں میں پھیلی ہوئی ہیں اور پھلوں کی زیادتی نے اس کی شاخوں کو جھکا دیا ہے ——

ہم لوگ بس یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کی باتوں میں سحر ہے جو باپ بیٹے —— شوہر و زوجہ —— اور بھائی بھائی میں جدائی ڈال دیتی ہیں[1]۔"

وہ لوگ جو عرب نہیں ہیں اور عربی ادب سے ناواقف ہیں ان کے لئے قرآن

---

[1] ولید کا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد تازہ مسلمان ایک ایسے راستہ پر گامزن ہو جاتے تھے۔ انھیں اپنے آپ کو مجبوراً دوسروں سے الگ رکھنا پڑتا تھا۔ پرانے عقائد سے دست برداری کی بنا پر رشتہ داران سے دست بردار ہو جاتے تھے۔

کی فصاحت وبلاغت معلوم کرنے کے لئے اور یہ جاننے کے لئے کہ قرآن فصاحت وبلاغت کی کس بلند منزل کا حامل ہے، ان افراد کی طرف رجوع کرنا پڑے گا جو عربی ادب میں مہارت رکھتے ہیں اور سخن شناس ہیں تاریخ میں رسول خدا کے زمانے کے سخن شناس افراد کے اعترافات محفوظ ہیں اور آج بھی جنھیں عربی ادب میں مہارت حاصل ہے وہ قرآن کی عظمت کے معترف ہیں۔

ابتدائے اسلام سے آج تک ہر دور میں ادب شناس اور نکتہ سنج افراد نے قرآن کی عظمت کا اعتراف کیا ہے اور قرآن کا جواب لانے سے ہمیشہ اپنے کو عاجز اور مجبور پایا ہے۔

مصر کے بلند پایہ ادیب اور عالم "عبدالفتاح طبارہ" کا قول ہے: —

"ہر زمانے کے علما اور ادیبوں نے قرآن کے معجزہ ہونے کا اعتراف کیا ہے، اور خود کو اس کے مقابلے میں عاجز پایا ہے۔"

تاریخ عرب، ایسے افراد، کثرت سے پیش کرتی ہے جنھیں نظم یا نثر میں بلند مقام حاصل ہے، جس سے دوسرے محروم ہیں جیسے "ابن مقفع" "جاحظ" "ابن عمید" فرزدق، ابو نواس، ابو تمام ...... لیکن یہ سب کے سب عظمت قرآن کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہیں اور اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ "قرآن کسی انسان کا کلام نہیں ہے بلکہ وحی الٰہی ہے۔" (روح الدین الاسلامی ص ۳۲/۳ پانچواں ایڈیشن)۔

بے مثال اسلوب

مصر کے عالمی شہرت یافتہ اور صاحبِ طرز ادیب "طٰہٰ حسین" کا کہنا ہے کہ قرآن نظم و نثر کے حدود سے بلند و بالا ہے کیونکہ اس میں ایسی خصوصیتیں پائی جاتی ہیں

جو کسی بھی نظم و نثر میں نہیں ملتی ہیں لہٰذا قرآن کو نہ نثر کہا جاسکتا ہے اور نہ نظم، ہاں اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ قرآن، قرآن ہے اور بس ... (ماخذ سابق)۔

قرآن کی یہ امتیازی حیثیت نتیجہ ہے قرآن کریم کے خاص اندازِ بیان، مخصوص زبان اور جداگانہ اسلوب کا، جو کسی عربی ادب کے کسی بھی شہ پارے میں نہیں ملتی ہیں۔

مطالب کی یکسانیت

کتنا ہی اچھا لکھنے والا ہو، کتنا ہی ماہرِ فن ہو، کتنا ہی زبان و بیان پر عبور ہو، کتنا ہی شیریں بیان ہو لیکن اس کا کلام ہر وقت یکساں نہیں رہتا، شرائط و حالات کے لحاظ سے اس میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں تالیف و تصنیف کے ابتدائی دور میں جو خصوصیات ہوتی ہیں وہ ان خصوصیات سے کافی مختلف ہوتی ہیں جو دراز مدت تجربے اور مشق سے حاصل ہوتی ہیں جیسے جیسے وقت گذرتا جاتا ہے زبان و بیان میں پختگی آتی جاتی ہے اس لئے بعد کی تصنیفات ابتدائی تصنیفات سے مختلف اور بہتر ہوتی ہیں۔

لیکن قرآن کریم جو ۲۳ سال کی مدت میں رفتہ رفتہ اور مختلف حالات و شرائط میں نازل ہوا ہے وہ وسیع و عریض دریا کی طرح ہے جو سنگلاخ وادیوں، پتھریلی زمینوں، پہاڑ کے ذروں، مختلف صحراؤں سے گذرے جس کا پانی آج تک ہر جگہ صاف اور شیریں مزہ ہو، قرآن کے مطالب اور طرز کی یکسانیت تعجب خیز اور حیرت انگیز ہے یہ بات اس وقت اور زیادہ تعجب آور ہو جاتی ہے جب ہم یہ غور کرتے ہیں کہ قرآن کے بارے میں مختلف جہات سے بحث کی گئی ہے مگر ہر جگہ اس کی عظمت اور خصوصیت کا وہی ایک عالم ہے۔

واضح ہے کہ جس فن میں مہارت اور دسترس حاصل کی ہو اگر اسی موضوع پر قلم اٹھایا جائے تو ایک شاہکار سامنے آجائے گا لیکن اگر کسی دوسرے موضوع پر قلم اٹھایا جائے تو وہ درجہ حاصل نہ ہوگا جو اپنے فن میں حاصل تھا۔ لیکن قرآن ہر فن میں معجزہ ہے۔

قرآن کے علمی معجزات

قرآن کی تصریح کے مطابق قرآن کا اصلی مقصد لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی ہے دنیا و آخرت میں سعادت مند زندگی کی نشاندہی ہے لیکن ضمنی طور پر علمی حقائق بھی واضح کئے ہیں مختلف علوم کے متعدد حقائق پر روشنی ڈالی ہے یہ بھی اعجازِ قرآنی کی بہترین دلیل ہے۔ اس دورِ جاہلیت میں ایسے حقائق کی نشاندہی معجزہ ہے۔ ذیل کی سطروں میں اس کے چند نمونے ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) موسمیات کا شمار جدید علوم میں ہوتا ہے پرانے زمانے میں ابر و باد بارش اور طوفان..... کے بارے میں معلومات زیادہ تر خیالی ہوا کرتی تھیں۔ اس کی کوئی علمی اور ٹھوس بنیاد نہیں تھی۔

ناخدا اور کسان قرآن کی بنیاد پر پیشین گوئیاں کیا کرتے تھے مگر اس کی حقیقت سے ناواقف تھے۔ اسی طرح ہزاروں سال گذر گئے۔

۱۷ویں صدی عیسوی میں تھرمامیٹر اور ۱۹ویں صدی میں ٹیلی گراف کا وجود عمل میں آیا۔ موسمیات سے متعلق دوسری ضروری چیزیں بھی رفتہ رفتہ وجود میں آتی رہیں بیسویں صدی کے پہلے ۵۰ سال میں (BYERKNESS) برکنس موسمیات کے بارے میں کچھ اصول و قوانین بنانے میں کامیاب ہوا۔

اس کے بعد دوسروں نے مزید تحقیق اور تلاش و جستجو کے بعد اس علم کو اور

پھیلایا اور نئے انکشافات کیے۔ کس طرح بادل بنتا ہے اور کس طرح بارش ہوتی ہے، اولے کب گرتے ہیں بجلی کب چمکتی ہے۔ گرج اور چمک کیوں ہوتی ہے۔ گرم علاقوں میں طوفان کیوں آتا ہے بادل کب برستا ہے اور کب نہیں برستا اسی طرح کے بہت سارے مسائل۔

...... (باد و باراں در قرآن ص ۱۹۔ ۲۵)

موسمیات کے سلسلے میں جن باتوں کا انکشاف آج کی علمی تحقیق نے کیا ہے قرآن ان حقائق کی طرف ۱۴ سو سال قبل اشارہ کر چکا ہے۔

آج یہ بات ثابت ہوئی ہے اگر بادل پانی سے پوری طرح بھرا ہوا ہے ضروری نہیں ہے کہ بارش ہو جائے اور اگر بارش ہو تو اس کے قطرے اتنے باریک ہوں کہ ہوا میں معلق رہ جائیں اور زمین تک نہ آئیں مگر وہ ہوا جو سمندر کے کھارے پانی سے اٹھی ہے اس میں نمک کے جو غیر مرئی ذرات ہوتے ہیں اس کی وجہ سے پانی کے قطرے زمین تک آجاتے ہیں۔

یا یہ کہ برف سے ڈھکے پہاڑوں پر جو سرد ہوائیں چلتی ہیں وہ بارش کے باریک قطرات کو ایک دوسرے میں جما دیں اور اولے کی شکل میں بادلوں کے درمیان زمین پر گریں جبکہ قرآن کریم نے ۱۴ سو سال قبل اشارہ کیا تھا:-

"ہم نے ہواؤں کو "تلقیح"[1] کے لئے چلایا جس کے ذریعہ ہم آسمان سے پانی برساتے ہیں اور تمھیں سیراب کرتے ہیں۔" (سورہ حجر آیت ۲۲)۔

(۲) ہوائی جہاز کی ایجاد کے بعد انسان کو یہ موقعہ فراہم ہوا کہ وہ بادلوں سے اوپر

---

[1] تلقیح یعنی نر مادے کو مادہ تک پہونچانا۔ نر مادہ کا وجود پھول پودوں درختوں میں بھی ہوتا ہے اور ہواؤں کے ذریعہ آپس میں رابطہ برقرار ہوتا ہے۔ ان ہواؤں کو "لواقح" کہا جاتا ہے۔

نکل کر وہاں کی بھی دنیا دیکھے اس سے پہلے کسی کو اس کا علم نہ تھا کہ انسان کے سر پہ برف کے پہاڑ بھی ہیں۔

لیکن قرآن نے یقین کے ساتھ فرمایا:

"خدا (برف اور اولے) برف کے ان پہاڑوں سے نازل کرتا ہے جو آسمان میں ہیں۔" (سورہ نور آیت ۴۳)۔

(۳) انسان گرچہ زمین کی حدوں سے گذر کر چاند کی وادی میں پہونچ گیا ہے لیکن ان جگہوں پر زندہ موجود کی تلاش صرف نظریہ اور تصوری کی حد تک محدود ہے صرف احتمال کی بنیاد پر یہ بات کہی جاتی ہے کہ دوسری جگہوں پر بھی زندہ چیزیں ہوں گی لیکن قرآن بغیر کسی ابہام کے فرماتا ہے:

"آسمانوں اور زمین کی خلقت اور ان دونوں میں چلنے پھرنے والی چیزیں اللہ کی نشانیاں ہیں اور وہ اس بات پر قادر ہے کہ جب چاہے انھیں یکجا کر دے۔" (سورہ شوریٰ آیت ۲۹)۔

(۴) سورہ یٰسین کی ۳۶ ویں آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

"پاک و منزہ ہے وہ خدا جس نے تمام چیزوں کا جوڑا پیدا کیا وہ چیزیں جو زمین سے اگتی ہیں اور خود ان میں اور جس کو وہ نہیں جانتے۔"

سورہ طٰہٰ کی ۵۳ ویں آیت میں ارشاد ہوا:

"ہم نے آسمان سے پانی برسایا اور اس سے مختلف سبزیوں کے جوڑے پیدا کئے۔"

جس وقت علم محدود تھا اور مفسرین کو اس کا علم نہیں تھا کہ سبزیوں اور پھولوں کے بھی جوڑے ہوتے ہیں وہ ان آیات کی تفسیر اس طرح کرتے تھے کہ ہر سبزی

کی دو قسم پیدا کی ہے اسی لئے زوجیت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن آج کی تحقیقات نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ صرف انسانوں اور حیوانوں ہی میں جوڑے نہیں ہیں بلکہ سبزیوں اور پھولوں میں بھی جوڑے پائے جاتے ہیں وہاں بھی رشتۂ زوجیت برقرار ہے۔

آج کی تحقیق نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ہواؤں کے ذریعہ رشتۂ زوجیت برقرار ہوتا ہے اور بسا اوقات پھولوں اور سبزیوں پر بیٹھنے والے کیڑے یہ کام انجام دیتے ہیں۔

قرآن کی مبارز طلبی

قرآن صرف فصاحت و بلاغت کا معجزہ نہیں بلکہ انسانی افکار کے تمام میدان میں معجزہ ہے۔

سخن شناس کے لئے فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے

حکماء کے لئے حکمت کے لحاظ سے

علماء کے لئے علم کے لحاظ سے

اسی لئے قرآن ہر ایک کو مخاطب کر کے کہتا ہے:

اگر تم یہ کہتے ہو کہ یہ کلام انسان کا کلام ہے تو ایسا کلام تم بھی پیش کرو۔

(۱) "اگر تمام انس و جن ملکر قرآن کا جواب لانے کا تہیہ کر لیں تب بھی قرآن کا جواب نہیں لا سکتے ہیں گرچہ ایکدوسرے کی بھرپور مدد کیوں نہ کریں" (سورہ اسریٰ آیت ۸۸)۔

(۲) "کہتے ہیں کہ قرآن کو جھوٹی نسبت دی گئی ہے ان سے کہدیجئے

ایسے ہی دس سورے تم بھی لے آؤ اور خدا کے علاوہ جس کو چاہو
بلا لو اگر سچے ہو۔ اور اگر تمھیں جواب نہ دیں تو جان لو کہ یہ علم خدا
سے نازل ہوا ہے اور اس کے علاوہ کوئی اور خدا نہیں ہے۔"

(سورہ ہود آیت ۱۵)

(۳) "جو چیز ہم نے اپنے بندے (محمدؐ) پر نازل کی ہے اگر اس میں
تم کو شک ہے تو اس جیسا ایک سورہ لے آؤ۔" (سورہ بقرہ آیت ۲۳)

—— تاریخ گواہ ہے کہ اس وقت سے آج تک کسی کو یہ جرأت نہ ہو سکی کہ وہ قرآن کا جواب لا سکے —— البتہ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اور آپ کی وفات کے بعد کچھ لوگوں نے جواب لانے کی ضرور کوشش کی تھی جیسے مسیلمہ، سجاح، ابن ابی العوجا مگر کسی کو کامیابی نصیب نہ ہوئی اور ہر ایک کو اپنی عاجزی کا اعتراف کرنا پڑا۔

اسلام کے دشمنوں نے پیغمبر اسلامؐ کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچائیں ان کا اقتصادی محاصرہ کیا گیا۔ قتل کی سازشیں ہوئیں مگر قرآن کا جواب نہ بن سکا۔

آج بھی اسلام کو نابود کرنے کے لئے اربوں ڈالر خرچ کئے جا رہے ہیں۔ اگر یہ لوگ آج بھی قرآن کا جواب لا سکتے تو کبھی بھی اتنے مصارف برداشت نہ کرتے۔

قرآن کا جواب دشمنان اسلام کی بہت بڑی کامیابی ہوگی اور اسلام کے خلاف بھرپور سند۔

طرح طرح کے مظالم، نت نئے فتنے گواہ ہیں کہ دشمنان اسلام قرآن کا جواب لانے سے عاجز ہیں۔

دوسروں کے اعترافات

ترقی اور ارتقا کے اس دور میں یورپی دانشوروں نے قرآن کے معجزہ ہونے کا اعتراف کیا ہے۔

اٹلی کی ایک خاتون جو ناپل یونیورسٹی میں استاد ہیں ان کا کہنا ہے کہ "اسلام کی آسمانی کتاب بھرپور معجزہ ہے جس کی تقلید ناممکن ہے"۔

اس کا انداز بیان عربی ادب میں بالکل اچھوتا ہے۔ انسان کی روح پر اس کے اثرات اس کی امتیازی حیثیت کی بنا پر ہے۔ یہ کتاب کیونکر "محمدؐ" کی تالیف ہو سکتی ہے جبکہ انھوں نے کسی ایک سے بھی تعلیم حاصل نہیں کی۔

ہم اس کتاب میں علم کے خزانے پاتے ہیں جو عظیم ترین فلاسفہ اور سیاستدانوں کی عقل وفکر سے بالاتر ہیں۔ اسی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ کوئی تعلیم یافتہ بھی ایسی کتاب لکھنے کی قدرت نہیں رکھتا ہے۔ (پیش رفت سریع اسلام ص ۴۹ کے بعد)

استاد سینس کا کہنا ہے کہ قرآن ایسا عمومی اور مکمل قانون ہے جس میں کسی طرف سے بھی باطل کا گذر نہیں ہے لہذا ہر جگہ اور ہر وقت کی ضرورت ہے۔ اگر مسلمان اس کو باقاعدہ اختیار کریں اور اس کی تعلیمات پر مکمل عمل کریں تو اپنی کھوئی ہوئی عزت اور قیادت کو دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں"۔ (تفسیر نوین ص ۲۲)

J.W. DROI OER کا کہنا ہے کہ قرآن میں اخلاقی باتیں بہت ہیں، قرآن کا طرز تحریر اتنا زیادہ منظم ہے کہ ہم جس صفحہ پر بھی نظر ڈالتے ہیں اس میں ہر ایک کی پسند کے اعلیٰ نمونے ملتے ہیں قرآن کا یہ خاص انداز جو چھوٹے چھوٹے سوروں کی شکل میں ہے اس میں مطالب، شعار اور قوانین کے مکمل نمونے نظر آتے ہیں۔

(تاریخ ترقی فکر اروپا ص ۳۴۳-۳۴۴ مطبوعہ لندن)

آخر میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے اگر ہم قرآن کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کریں اور اس کتاب سے خوب اُنس پیدا کریں۔ اسکے بتائے ہوئے راستے پر سنجیدگی سے عمل کریں تو اوج و ترقی ہماراہی حصہ ہوگی۔

ہم مسلمانوں کی عظمت اور ترقی کی بلند پایہ عمارت اس وقت متزلزل ہوگئی جب ہم نے اس آسمانی کتاب کے حکم پر عمل کرنا چھوڑ دیا اور اس کے بتائے ہوئے راستے سے منحرف ہوگئے ہم نے صرف اسلام کے نام کو کافی جانا اس لئے بس نام کے مسلمان رہ گئے۔

اپنی کھوئی ہوئی عزت ہم اس وقت حاصل کر سکتے ہیں جب ہم اپنی کج رفتاری سے باز آئیں اور از سرِ نو مسلمان ہوں، دل و دماغ کو آیاتِ قرآن سے روشن کریں اور اس کے معین کردہ راستہ پر زندگی گذاریں۔

حضرت رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

"اذا البست علیکم الفتن کقطع اللیل المظلم فعلیکم بالقرآن"

"جب رات کی سیاہی کی طرح ہر طرف سے تم کو فتنے گھیر لیں تو تم قرآن سے تمسک اختیار کرو۔"

(اصول کافی جلد ۲ صہ ۵۹۹)

بائیسواں ۲۲ سبق

اسلامی تعلیمات

اسلامی تعلیمات کی روح اس ایک جملے میں بیان کی جا سکتی ہے:۔۔۔۔۔
لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ! خدائے واحد کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے۔
درخت اسلام کے سرسبز، شاداب اور پھل دار ہونے کا یہی راز ہے۔ اگر ہم اسلام کی مثال ایک درخت سے دیں اور اس کی آئیڈیالوجی کو اس کی جڑ قرار دیں تو جاننا چاہیے کہ درخت کی سلامتی اور پھلوں کی شادابی جڑ کی سلامتی پر موقوف ہے۔ اس ایک جملہ میں اسلامی آئیڈیالوجی کی بنیاد کو بیان کیا گیا ہے یہ آئیڈیالوجی کس قدر مستحکم اور پائیدار ہے۔

سعادت اور ایمان

اگر انسان کی تمام ضروریات کی بنیاد مادیت پر ہوتی ماورائے مادہ کسی چیز کی احتیاج نہ ہوتی تو مادی آسودگی سے سعادت حاصل ہو جاتی۔ لیکن ہم جانتے ہیں اور دیکھ رہے ہیں کہ ٹکنالوجی، صنعت اور مادیت کی گہرائیوں سے روح انسانی کی یہ آواز آ رہی ہے کہ جس قدر مادی وسائل میں اضافہ ہو رہا ہے، روح کی پیاس بڑھتی جا رہی ہے اور سماج کی معنوی ضروریات میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے آج کے سماج کی اضطرابی کیفیت اس حقیقت کی مکمل عکاسی کر رہی ہے بیسویں صدی کی ابتداء سے سماج کے اوپر نا اتفاقی اور بحرانی کیفیت نے سایہ ڈال رکھا ہے۔ معاشرے کے افراد خاص کر جوان

ایک ایسے روحانی بحران کا شکار ہیں جس کو کنٹرول کرنا ناممکن ہوگیا ہے۔

"مادیت کی متمدن ثقافت میں انسان ایک زندہ جسم ہے۔۔۔۔وہ کسی پیغام، اقدار اور خوبیوں کا علمبردار نہیں ہے۔ اس کے روحانی کمالات اور معنوی ضروریات کی تکمیل کے لئے کسی راہ کا انتخاب نہیں کیا گیا ہے۔"

انسان کی اوج پسند روح شاہین بلند پرواز کی طرح کوہساروں کی بلندیوں پر پرواز کرنا چاہتی ہے اور جب تک بلندیوں کو طے نہ کرلے، روحانی فضیلتوں اور معنوی اقدار کے سرچشمہ میں غوطہ زن نہ ہولے اس وقت تک انسان کو سکون حاصل نہ ہوسکے گا۔ اس کی روح مضطرب رہے گی۔

یہ تمام سرکشی، طغیانیت، فسادات،۔۔۔۔ انسان کی روحانی تشنگی کے اثرات ہیں جبتک انسان روحانی اقدار کے ساحل سے ہمکنار نہ ہوگا اس وقت تک آرام نصیب نہ ہوگا۔ ساحل نجات صرف لامحدود طاقت، لامتناہی علم، کمال مطلق پر ایمان لانا اور تمام خیالی خداؤں کا انکار ہے۔ ایسی ذات کی یاد، اس پر مستحکم ایمان اور پختہ عقیدہ سے دلوں کو آرام ملتا ہے۔ قرآن کریم نے اس حقیقت کی طرف ایک مختصر سے جملے میں اشارہ کیا ہے:

"اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب" [1]

"ہاں یقیناً اللہ کی یاد سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔"

ہاں اطمینان قلب یاد خدا میں ہے، خدا پر ایمان اور اس کی طرف توجہ وہ چیز ہے جس سے فطری تقاضوں میں اعتدال باقی رہتا ہے اور سعادتوں کی سمت رہنمائی ہوتی ہے۔ اسی معیار پر اسلام نے انسانی اقدار کو پرکھا ہے:

---

[1] سورہ رعد آیۃ ۲۸

"اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاکُمْ" [1]

"سب سے زیادہ بزرگ وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔"

اسلام کا مقصد مادی کثافتوں اور پست خواہشات سے انسان کو نجات دلانا اور بلند و بالا افق کی نشاندہی ہے تاکہ انسان معنوی اور حقیقی لذتوں کے سدا بہار گلستاں سے واقف ہو، مادیت کی اجاڑ راہوں سے کنارہ کش ہو اور سعادت و نجات کے راستہ پر گامزن ہو۔

"یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ" [2]

"خدا اور رسولِ خدا کی آواز پر لبیک کہو جب وہ ان چیزوں کی طرف تمھیں بلائیں جو تمھیں زندگی عطا کرتی ہیں۔"

اسلامی تعلیمات سے نیم جاں انسانیت کو حیات اور دبی ہوئی صلاحیتوں کو اجاگر ہونے کا موقع ملتا ہے۔ اسلامی تعلیمات کے سایہ میں انسانی صلاحیتیں پھولتی ہیں پھلتی ہیں پھیلتی ہیں۔ زندگی کی یہ بہاریں اسلامی تعلیمات کے چمن زار میں باقاعدہ نظر آتی ہیں۔ ذیل کی سطروں میں اسلامی تعلیمات کے بعض اصولوں کو بطور اختصار پیش کیا جا رہا ہے:

۱. اخوت اسلامی
۲. عام نگرانی
۳. علم و دانش
۴. کام اور کوشش
۵. تشکیل خاندان

---

[1] سورہ حجرات آیۃ ۱۳ ۔ [2] سورہ انفال آیۃ ۲۴

اخوت اسلامی

اخوت اسلامی عالی ترین انسانی اصولوں کی بنیاد پر قائم ہے۔ غیر معقول تکلفات سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اسلامی اخوت کا ہدف ہر مسلمان میں فداکاری اور ایثار کے جذبات کو مستحکم کرنا، خلوص اور صفائے باطن کو تقویت پہنچانا ہے۔ اس اخوت اور برادری کا اثر زندگی کے تمام شعبوں میں ایک کو دوسرے کا ذمہ دار قرار دینا ہے۔ اس اخوت کی بنا پر ناممکن ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے درد و غم میں شریک نہ ہو۔

صدر اسلام میں اسلامی اخوت کی بنیاد اس خوش اسلوبی سے ڈالی گئی کہ امیر و غریب دل و جان مال و متاع سے ایک دوسرے کے بھائی قرار پائے۔

اخوت اسلامی کے مفہوم کو بہت ہی سادہ اور وسیع دائرے میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

"مومنین اس طرح آپس میں بھائی بھائی ہیں جس طرح انسانی جسم کے مختلف اعضا اگر کسی ایک عضو میں درد ہو تو بقیہ اعضا بھی بے چین رہتے ہیں۔"[1]

آپؑ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

اخوتِ اسلامی اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ خود سیر و سیراب رہو اور تمہارا مسلمان بھائی بھوکا پیاسا رہے۔ تمہارے پاس لباس ہوں اور تمہارا بھائی برہنہ رہے۔ جو کچھ اپنے لئے پسند

---

[1] بحار الانوار ج ۴، ص ۲۶۸

کرتے ہو وہی اس کے لئے بھی پسند کرو۔

جس طرح وہ تمھارا سہارا ہے تم بھی اس کو سہارا دو۔

جب وہ سفر میں ہو تو اس کے مال اور ناموس کی حفاظت کرو۔

جب وہ سفر سے واپس آئے تو اس کی ملاقات کو جاؤ، اس کا احترام کرو۔

وہ تم سے ہے اور تم اس سے ہو۔

اگر اس کو کوئی اچھائی نصیب ہوئی تو اس خوشی میں خدا کا شکرادا کرو۔

اگر وہ مشکلات میں گرفتار ہو تو اس کی مدد کرو۔ [1]

عام نگرانی

خداوند عالم نے ہمارے بدن میں سفید خلیے پیدا کئے ہیں جو ایک ہوشیار محافظ کی طرح جراثیم (صحت وسلامتی بدن کے دشمن) سے ہمارے بدن کی حفاظت کرتے ہیں۔

یہ چیز مسلمانوں کے لئے بہترین نمونہ بن سکتی ہے۔ سماج کے مسائل میں مسلمانوں کو بھی ہوشیار محافظ کی طرح ہونا چاہیئے۔ جس وقت معنویت اور صدق وصفا پر مادیت اور ظاہرداری کے اہریمن حملہ آور ہوں اس وقت ان کا جم کر مقابلہ کیا جائے اور ان کے قدم اکھاڑ دیئے جائیں اور وقت آنے پر معنویت کے تحفظ میں جان تک کی بازی لگا دیں ورنہ سماج بے جان پیکر کی طرح رہ جائے گا۔ اگر برائیوں کے حملوں کے مقابلہ میں مسلمان خاموش رہیں تو ایسے ٹھہرے ہوئے گندے پانی کی طرح ہو جائیں گے جس میں طرح طرح کے جراثیم پرورش پاتے ہیں جس کی بنا پر ان کا تابناک سماج تیرہ وتاریک ہو جائیگا

---

[1] بحار ج ۷۴ ص ۲۲۳

صحت مند معاشرہ امراض کا شکار ہو جائے گا۔

لہٰذا سمندر کی موجوں کی طرح ہمیشہ حرکت میں رہنا چاہیئے۔ ایک لحظہ بھی تلاش و کوشش کے لئے رکنا نہ چاہیئے تاکہ برائیاں اثر انداز نہ ہو سکیں۔

سماج کی صحت و سلامتی، معاشرے کی زندگی کے لئے اسلام نے عام نگرانی کو مسلمانوں کے اہم فرائض میں قرار دیا ہے۔ اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ اجتماعی ذمہ داریاں انفرادی ذمہ داریوں سے کم نہیں ہیں مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اجتماعی ذمہ داریاں بھی پوری تندہی سے انجام دیں۔

اس سلسلہ میں قرآن نے دو اصولی باتیں بیان کی ہیں:

① اچھائیوں کا حکم ــــــ امر بمعروف

② برائیوں سے روکنا ــــــ نہی از منکر [1]

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے:

اِنَّ الْاَمْرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيَ عَنِ الْمُنْكَرِ فَرِيْضَةٌ عَظِيْمَةٌ بِهَا تُقَامُ الْفَرَائِضُ۔ [2]

"اچھائیوں کا حکم اور برائیوں سے روکنا ایک عظیم فریضہ ہے جس سے دوسرے واجبات ادا ہوتے ہیں"

جس دن مسلم سماج ان دو اصولوں سے لاپرواہی برتے گا اپنی عظمت اور بزرگی سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔

اس بنا پر اسلام کی منطق میں اس طرح بے کار باتوں کی گنجائش نہیں ہے کہ مجھے

---

[1] سورۂ آل عمران آیۃ ۱۱۰ ۔ [2] کافی ج ۵ ص ۵۵

تمھاری قبر میں یا تم کو میری قبر میں نہیں دفن کیا جائے گا۔

ہم اپنے راستہ پر، تم اپنے راستہ پر!

ننگ و عار سے بچنے کے لئے دوسروں کے ہم رنگ ہو جاؤ۔

—— اس بات کو ہرگز فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ امر بمعروف اور نہی از منکر ہر ایک مسلمان کی عظیم ذمہ داری ہے جس پر عمل کرنے سے سماج زندہ اور معاشرہ صحیح و سالم رہے گا۔

عِلم و دانِش

اسلام سے پہلے لکھنے پڑھنے کا عام رواج نہیں تھا۔ عوام کو علم حاصل کرنے کی اجازت نہ تھی صرف حکمراں طبقہ، بڑے خاندانوں اور سرمایہ داروں کو تعلیم کی اجازت تھی۔ یہ خصوصیت ان ممالک میں کافی نمایاں تھی جہاں ملوک الطوائفی تھی۔

تمدن اور ثقافت سے عرب قوم اور عرب ممالک کے عوام کافی دور تھے جس وقت حجاز میں اسلام آیا اس وقت وہاں کے تعلیم یافتہ افراد انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے۔

ایسے زمانے میں اور ایسے افراد کے درمیان اسلام نے شروع ہی سے تعلیم پر زور دیا یہاں تک کہ حصول علم کو واجب قرار دیا۔

یہ قرآن کریم ہے جو اپنے ملکوتی اور شیریں انداز میں جگہ جگہ طالبان علم کی مدح و ثنا کر رہا ہے اور انھیں اعلیٰ مراتب عطا کر رہا ہے۔[1]

---

[1] سورہ مجادلہ آیت ۱۱

پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: علم حاصل کرنا ہر مسلمان کا فریضہ ہے خدا طالبان علم کو دوست رکھتا ہے۔[1]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: علم حاصل کرنا ہر ایک پر واجب ہے۔[2]

امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے: (جس طرح مال کی زکات یہ ہے کہ اس کا کچھ حصہ خدا کی راہ میں دیا جائے۔) علم کی زکات یہ ہے کہ دوسروں کو تعلیم دیجائے۔[3]

تاریخ اسلام اس بات پر گواہ ہے کہ اسلام نے علم و دانش کو کتنا سراہا ہے۔

علم حاصل کرنے کی بار بار تاکید اس بات کا سبب ہوئی کہ جس وقت یورپ جہالت کی تاریکیوں میں زندگی بسر کر رہا تھا اس وقت علم و تمدن کی مشعل فروزاں مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھی۔

یہ ایک حقیقت ہے جس کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے کہ مسلمان صرف دنیا کی خاطر علم حاصل نہیں کرتے تھے بلکہ خدا پر مستحکم ایمان اور معنوی اقدار پر مکمل یقین کے سایہ میں علم حاصل کرتے تھے۔ افسوس کہ آخری صدیوں میں مسلمانوں نے اسلامی تعلیمات سے روگردانی کی جس کی بنا پر وہ خود بھی نظروں سے گر گئے جو کاروان علم کے علمبردار تھے وہ بہت پیچھے رہ گئے۔

کام اور کوشش

کام اور کوشش فطری اور تخلیقی اصولوں میں شامل ہے۔ خداوند عالم نے

---

[1] و [2] اصول کافی ج ۱ ص ۳۰ ۔ [3] اصول کافی جلد ۱ صفحہ ۴۱۔

ترقی کا راز کام اور کوشش، حرکت و جنبش میں پوشیدہ رکھا ہے۔

بہار کی آمد، فصل کی حرکت و جنبش، دریاؤں اور نہروں کی روانی سرچشموں کا جوش و خروش، گھونسلہ کی تعمیر، پرندوں کی نقل و حرکت، نسیم صبح کی خوش خرامی، ہلکی ہلکی ہواؤں کا دریا پہ سے گذر، سبزہ زاروں کا رشد و نمو، پرندوں کی ایک جگہ سے دوسری جگہ ہجرت..... سب اسرار خلقت کے بلیغ اشارے ہیں تاکہ انسان جمود کا شکار نہ ہونے پائے ہمیشہ کار و کوشش حرکت و جنبش میں سرگرم رہے، پھلے، پھولے، بڑھے، پھیلے، یقین محکم کے ساتھ ساتھ عمل پیہم اور سعی مسلسل ہو۔

اسلام نے اسی فطری اصول کی بنیاد پر انسانوں کو سعی و کوشش کی دعوت دی ہے۔ عظیم ترین رہبر حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے: جس کے اختیار میں زمین اور پانی ہو (وہ ان دو عظیم نعمتوں اور سرمائے سے فائدہ نہ اٹھائے) اور وہ فقیر ہو خدا کی لعنت ہو اس پر۔[1]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے: خداوند عالم کو کوئی کام زراعت سے زیادہ پسند نہیں ہے۔[2]

آپ کا یہ بھی ارشاد ہے: کسان عوام کا خزانہ ہیں۔[3]

حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں: مختلف طرح کی تجارت کرو خداوند عالم امانتدار تاجروں کو دوست رکھتا ہے۔[4]

امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ روایت نقل ہوئی ہے: انسان کی عزت و بزرگی اس کا کسب معاش اور سعی و کوشش ہے۔[5]

تمام حوالے وسائل الشیعہ جلد ۱۲ صفحات بالترتیب ۲۴ / ۱۹۲ / ۲۵ / ۴ / ۳

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں: خدا بے کار لوگوں کو ناپسند کرتا ہے[1]

ہمارے پانچویں امام اور رہبر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام، سخت گرمی کے موسم میں جب کہ آپ پسینہ سے شرابور تھے مدینہ کے باہر اپنے فارم گئے ہوئے تھے (تاکہ وہاں کے امور انجام دے سکیں)، ایک شخص (جو یہ خیال کرتا تھا کہ کام کرنا اسلامی نقطۂ نظر سے ذلت کا سبب ہے) آپ کے سامنے آیا اور تعجب آمیز اور بظاہر دردمندانہ لہجے میں کہنے لگا: آپ قریش کے بزرگ اور محترم افراد میں شامل ہیں۔ دنیا کو اس حد تک اہمیت کیوں دیتے ہیں، اتنی سخت گرمی میں پسینہ میں تربتر ہو رہے ہیں اور اس حالت میں یہاں تشریف لاتے ہیں اگر اس حالت میں آپ کو موت آجائے تو آپ کا کیا حال ہوگا؟

امام نے فرمایا: اگر اس وقت موت آجائے تو خدا کی اطاعت و فرمانبرداری میں موت آئے گی، میں یہاں اس لئے آیا ہوں تاکہ اپنے عیال کا آذوقہ فراہم کرسکوں اور تمھارے جیسوں کے سامنے ہاتھ نہ پھیلاؤں، انسان کو اس وقت سے ڈرنا چاہئے کہ موت آئے اور وہ گناہ میں مشغول ہو۔

وہ شخص کہنے لگا: میں آپ کو نصیحت کرنا چاہتا تھا لیکن آپ نے مجھے خود نصیحت کردی۔[2]

اس حقیقت کی طرف بھی متوجہ رہنا چاہیئے کہ گرچہ اسلام نے تجارت، زراعت اور دوسرے کام کی کافی تاکید کی ہے اور اسے عبادت شمار کیا ہے[3] لیکن کسی بھی کام میں افراط کی بھی اجازت نہیں دی ہے۔

اسلام کا اصول یہ ہے کہ دن رات کا ایک حصہ کام اور کوشش کے لئے اور

---

[1] وسائل الشیعہ ج ۱۲ ص ۳۷ ۔ [2] وسائل الشیعہ ج ۱۲ ص ۱۰ ۔ [3] وسائل الشیعہ جلد ۱۲ ص ۱۳

ایک حصہ دوسری مادی اور معنوی ضروریات کے لئے۔[1]

آرام کرو، گھریلو امور کی دیکھ ریکھ کرو، دینی مسائل کا علم حاصل کرو، نماز پڑھو، قرآن کی تلاوت کرو، ایک دوسرے کی ملاقات کو جاؤ......

تشکیل خاندان

ازدواج (شادی) ایک فطری اصول ہے، یہاں تک کہ نباتات کو پھلدار ہونے کے لئے ایک طرح کی شادی ضروری ہے۔

ایسا ہرگز نہیں ہے کہ شادی کی حیثیت صرف انفرادی ہو بلکہ اس کی سماجی حیثیت زیادہ ہے قوموں کی بقا اور دوام، سماج کی بقا اور اس کا دوام، اور دوسرے مظاہر کے لئے شادی ایک ضروری چیز ہے۔ بعض افراد اپنے اعلیٰ مقاصد اور سماجی اہداف کی تکمیل آئندہ نسل کو سونپ دیتے ہیں۔

شادی سے انسانی خواہشات میں اعتدال قائم ہوتا ہے اور انسان گناہ سے محفوظ رہتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ خداوند عالم نے شادی کی بنیاد جنسی خواہشات پر رکھی ہے۔ اگر انسان شادی کے دوسرے فائدوں سے واقف نہ ہو تب بھی جنسی خواہشات سے مجبور ہو کر شادی کر لے۔ لیکن ضروری یہ ہے کہ جنسی خواہشات پر اسلامی تعلیمات کی روشنی میں عمل ہوں اور اس کو کنٹرول میں رکھا جائے، جس طرح ایک قوی ہیکل ٹرک ایک لاپرواہ ڈرائیور کے ہاتھ میں جس کا نتیجہ کسی گڑھے میں گر کر ہلاک ہو جانا ہے یہی صورت جنسی معاملات میں لاپرواہ انسان کی ہوگی۔

---

[1] نہج البلاغہ کلمات قصار شمارہ ۳۹۰

اسلام نے شادی کے ساتھ ساتھ اس کے شرائط بھی آسان اور سادہ رکھنے پر کافی زور دیا ہے۔

قرآن کا ارشاد ہے: شادی اللہ کا عطیہ ہے سکون اور اطمینان کا سبب ہے۔[1]

رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: شادی اور تشکیل خاندان میری سنت ہے۔[2]

آپ کا یہ بھی ارشاد ہے: اگر ایسا شخص خواستگاری کے لئے تمھارے پاس آئے جس کا اخلاق اور دینداری تمھیں پسند ہو اس کے ساتھ شادی کے لئے تیار ہو جاؤ ورنہ روئے زمین پر فساد پھیل جائے گا۔[3]

حضرت امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے: پیغمبر اسلامؐ لڑکیوں اور عورتوں کا مہر پانچ سو (۵۰۰) درہم سے زیادہ نہیں رکھتے تھے[4] گرچہ یہ رقم اس وقت کے حیثیت دار گھرانوں کے اعتبار سے بہت کم تھی۔[5]

یہ ساری باتیں اس حقیقت کی نشاندہی کر رہی ہیں کہ اسلام نے جنسی خواہشات کو کنٹرول میں رکھنے کے لئے شادی کی پیش کش کی ہے اور اس کے لئے آسان اور سادہ شرائط رکھے ہیں۔

اس سلسلہ میں اسلام نے سنہرے خوابوں اور طبقاتی امتیازات پر بہت سخت تنقید کی ہے اور اس کی مخالفت کی ہے، بے جا تکلفات کو ناروا قرار دیا ہے۔

مقداد، حقیقی مسلم، ایمان سے سرشار دماغ، عقیدہ سے بھرپور دل، لیکن نہ

---

[1] سورہ روم آیۃ ۲۱ ۔ [2] وسائل الشیعہ جلد ۱۴ ص ۷ ۔ [3] اصول کافی جلد ۵ ص ۳۴۷ ۔ [4] کافی جلد ۵ ص ۳۷۶

[5] اصول کافی جلد ۵ ص ۳۷۶

کوئی خاندان نہ دولت و ثروت۔

"ضباعہؓ جناب عبدالمطلب کی پوتی، پیغمبر اسلامؐ کی چچازاد بہن، خاندانِ قریش کی ایک فرد۔

پیغمبرِ اسلامؐ کے مشورے سے ان دونوں کی شادی ہوئی۔ اس نامور لڑکی نے مقداد کے غربت کدہ میں زندگی گذار دی اپنی محبت وایثار سے مقداد کے گھر کو منور بنائے رہی۔

امام صادق علیہ السلام نے اس شادی کا فلسفہ بیان فرمایا ہے: پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ اقدام اس لئے کیا تاکہ شادی کو تکلفات اور بے جا رسم ورواج سے آزاد کر دیا جائے اور دوسرے افراد رسولِ خدا کی پیروی کریں اور اس بات پر یقین رکھیں کہ خدا کے نزدیک وہی سب سے زیادہ محترم ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔[1]

ایک دوسری مثال امام زین العابدین علیہ السلام کی زندگی میں نظر آتی ہے عبدالملک مروان کو یہ خبر ملی کہ امام نے اپنی آزاد کردہ کنیز سے عقد فرمایا ہے، عبدالملک کی نگاہ میں یہ کام امام کے لئے مناسب نہیں تھا کہ امامت کی منزلوں پر فائز ہونے کے ساتھ اپنی آزاد کردہ کنیز سے عقد کریں۔ اس نے (عبدالملک) امام علیہ السلام کو ایک خط لکھا، جس میں اس اقدام کی مذمت کی تھی۔

امام نے جواب میں تحریر فرمایا:

"تمھارا خط ملا،

تم یہ خیال کرتے ہو کہ کسی قریشی عورت سے شادی کرنا میرے لئے باعث عزت ہے؟

---

[1] اصول کافی جلد ۵ ص ۳۴۴

یہ تمھارا اشتباہ ہے، پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بزرگ تر اور محترم تر کوئی نہیں ہے۔ (اور میں پیغمبروں کی اولاد ہوں)۔

میں نے اپنی آزاد کردہ کنیز سے عقد کیا ہے کیونکہ اس کے دین اور اخلاق میں کوئی خامی نہیں تھی۔

خداوند عالم نے اسلام کی برکت سے ہر طرح کے خیالی امتیازات کی بساط تہ کردی ہے اور شرافت و بزرگی کا معیار تقویٰ اور ایمان قرار دیا ہے۔

تم نے یہ جو مذمت کی ہے۔ یہ زمانہ جاہلیت کی بات ہے اسلام سے پہلے اس طرح کی باتیں روا تھیں اسلام کے بعد ایسی بے بنیاد باتوں کی کوئی قدر وقیمت نہیں ہے۔ [1]

---

[1] اصول کافی جلد ۵ ص ۳۴۴

تیئسواں سبق

آخری پیغام اور آخری پیغامبر

اسلام ابتدا ہی سے آخری پیغام کے عنوان سے ظاہر ہوا، مسلمانوں نے عقل و ایمان کی روشنی میں اس حقیقت کو باقاعدہ تسلیم کیا کہ اسلام وحی اور نبوت کا جلوہ آخر ہے اور گذشتہ کے تمام پاکیزہ ادیان کا تکمیل کنندہ ــــــ بے پناہ آیتوں اور بے شمار حدیثوں کی بنا پر تمام مسلمان اس بات کے معتقد ہیں کہ پیغمبرِ اسلامؐ خدا کے آخری پیغمبر ہیں۔

قرآن مجید نے اپنی متعدد آیتوں میں اسلام کی جامعیت پر روشنی ڈالی ہے اور صراحت سے یہ بیان کیا ہے کہ پیغمبرِ اسلامؐ خدا کے آخری رسول ہیں۔

مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمًا[1]

"محمدؐ تم میں سے کسی ایک مرد کے باپ نہیں ہیں بلکہ وہ خدا کے رسول ہیں اور آخری نبی ہیں اور خدا ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔"

پیغمبر اسلامؐ نے حضرت علیؑ سے ارشاد فرمایا:

"اے علی! تم کو مجھ سے وہ تمام نسبتیں حاصل ہیں جو ہارون کو موسیٰؑ سے حاصل تھیں (ہارون موسیٰ کے بھائی تھے تو تم بھی میرے بھائی ہو) اگر ہارون

[1] سورہ احزاب آیۃ ۴۰

موسیٰ کے جانشین ہوئے تم بھی میرے جانشین ہوگے) لیکن بس فرق یہ ہے کہ موسیٰ آخری نبی نہ تھے اور میں آخری نبی ہوں۔[1]

آنحضرتؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: میں ایوانِ نبوت کی خشت آخر ہوں میرے بعد نبوت کا سلسلہ ختم ہوجائے گا۔[2]

حضرت علی علیہ السلام نہج البلاغہ (علم و دانش کا اتھاہ سمندر) میں ارشاد فرماتے ہیں: رسولِ خدا پر وحی و نبوت کا خاتمہ ہوگیا۔[3]

آٹھویں امام حضرت علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: حضرت محمد مصطفیٰؐ کا دین قیامت تک منسوخ نہیں ہوگا اور آنحضرتؐ کے بعد قیامت تک کوئی پیغمبر نہیں آئے گا۔[4]

پیغمبر اسلامؐ کے آخری نبی اور آپؐ کے دین کی جامعیت اور اس کی ابدیت کے سلسلے میں ہزاروں حدیثیں کتابوں میں مذکور ہیں ان حدیثوں کا ایک مختصر سا نمونہ آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا ہے۔

اسلام کی جامعیت

اسلام کے ابدی ہونے کا سب سے بڑا راز اسلام کی "جامعیت ہے، اسلام ایک ایسا جامع منشور ہے جس کی بنیاد انسانی فطرت پر رکھی گئی ہے۔ اس نے زندگی

---

[1] یہ حدیث اکثر محدثین نے ذکر کی ہے۔ تفصیل کے لئے، الغدیر، ج ۳ ص ۲۰۲-۱۹۶

[2] مسند ابی داؤد صفحہ ۲۳۲   [3] نہج البلاغہ خطبہ ۱۳۳

[4] بحار الانوار، طبع جدید جلد ۱۱ ص ۳۴

کے تمام پہلوؤں انفرادی، اجتماعی، مادی، معنوی، اعتقادی، جذباتی، اقتصادی، ....پر راہ نمائی کے چراغ روشن کئے ہیں۔ ہر ایک اصول بہت ہی دلچسپ حقائق پر مبنی، ہر نسل کے لئے، ہر زمانے کے لئے ہر جگہ کے لئے بیان کیا گیا ہے۔

یورپ کے اسلام شناس دانشوروں نے اپنے مطالعہ اور اپنی تحقیقات کے مطابق اسلام کی جامعیت کا اعتراف کیا ہے۔[۱]

اسلام کی جامعیت کے بعض گوشے بیان کئے جا رہے ہیں۔

خدا، قرآن اور اسلام

اسلام کا خدا تمام کائنات کا پروردگار ہے، کسی خاص قبیلہ یا قوم کا خدا نہیں ہے تاکہ بس انھیں تک محدود رہے۔ نماز میں پڑھتے ہیں: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ[۲] حمد و ستائش اس خدا سے مخصوص ہے جو ساری کائنات کا پروردگار ہے۔ ہر وقت، ہر جگہ جو چاہے پیدا کر دے، اس کی ذات میں کسی قسم کی محدودیت نہیں ہے، ساری کائنات پر اس کا اختیار ہے۔[۳]

ظاہر و باطن، گذشتہ اور آئندہ یہاں تک کہ وہ ان تمام چیزوں سے بھی واقف ہے جو ہمارے دلوں میں ہیں۔[۴]

وہ ہر جگہ ہے، ہر جگہ اس کی بارگاہ میں رسائی ممکن ہے اس تک پہنچنے کے لئے صحرا نوردی اور دربانوں سے اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ اس سے زیادہ

---

[۱] کتاب تمدن و علوم اسلامی۔ [۲] سورہ فاتحہ آیۃ ۲۔ [۳] سورہ ملک آیۃ ۱

[۴] سورہ تغابن آیۃ ۴۔ ۱۴۔

قریب کوئی چیز نہیں ہے[1]

وہ ایسی حقیقت ہے جس کا کوئی ثانی نہیں۔ دوسرے مکاتب خیال کے برخلاف وہ تمام انسانی صفات سے منزہ ہے وہ کسی مخلوق یا بشر کی مانند نہیں ہے اس لئے اسے مکان کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ خود ہی مکان کا خالق ہے۔

وہ زمان میں سما نہیں سکتا کیونکہ اسی نے زمانہ کو پیدا کیا ہے۔

وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، اس کی کوئی ابتدا اور انتہا نہیں ہے۔

لہٰذا اس کا کوئی مثل و نظیر نہیں ہے۔[2]

اس کی ذات نیند، تھکن، پشیمانی، اشتباہ...... جملہ تمام عیوب سے پاک ہے۔[3]

اکیلا ہے اسکا کوئی نظیر نہیں نہ اس کے کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد۔

اس کا نہ کوئی شریک ہے اور نہ مددگار۔

یہ وہ حقائق ہیں جو سورۂ توحید میں بیان کئے گئے ہیں اس سورہ کو مسلمان بار بار نمازوں میں پڑھتے ہیں تاکہ وہ ہر طرح کے شرک سے پاک رہیں[4]

اسلام کا خدا، وہ خدا ہے جس کے صفات قرآن کے الفاظ میں اوپر بیان کئے گئے جن کے مفہوم کی وسعت، شوکت و عظمت کا احاطہ عقل نہیں کر سکتی۔ فکر انسانی میں اتنی وسعت نہیں ہے کہ مفاہیم کی وسعت کو سمیٹ سکے، وہ بے نیاز ہے، بلا شریک ہے۔ قادر ہے۔ نزدیک ہے، برتر ہے، مہربان ہے اور بہت زیادہ مہربان ہر وقت اس تک رسائی ممکن ہے۔ ہر وقت ہر شخص اس سے اپنا راز دل کہہ سکتا ہے

---

[1] سورہ ق آیۃ ۱۶ [2] سورہ شوریٰ آیۃ ۱۱ [3] سورہ بقرہ ۲۵۴ [4] سورہ توحید

اس کی بارگاہ میں راز و نیاز کرسکتا ہے اپنی تمام حاجتیں اس سے طلب کرسکتا ہے۔ وہ حسب مصلحت و مفاد عطا کرتا ہے۔ خود اس کا ارشاد ہے:

"اِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ" [۱]

یقیناً خدا تم پر مہربان ہے عطا کرنے والا ہے۔

اسلام اور مساوات

تمام نسلی اور طبقاتی امتیازات نہ صرف اسلام نے یکسر لغو قرار دے بلکہ انسانوں کی برابری اور مساوات کا بھی اعلان کیا۔

"تمام انسان ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ سب ایک ماں باپ کی اولاد ہیں، خاندانی اور نسبتی شرافت میں باہم شریک ہیں کسی کو کسی پر تقویٰ اور پرہیزگاری کے علاوہ کوئی فوقیت نہیں ہے [۲]"

اسلام اور آزادیِ فکر

اسلام منطق و استدلال کی آزادی کا زبردست حامی ہے۔ نظریات و عقائد کو زبردستی منوانے کا اسلام قائل نہیں ہے:

"لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ [۳]"

دین کے اختیار کرنے میں کوئی جبر نہیں ہے ہدایت و ضلالت کی باقاعدہ نشاندہی کی جاچکی ہے۔

---

[۱] سورہ حدید آیۃ ۹۔ [۲] سورہ حجرات آیۃ ۱۳۔ [۳] سورہ بقرہ آیۃ ۲۵۶

اسلام میں اصول عقائد کی تحقیق و جستجو ہر فرد کا فریضہ ہے۔ ہر ایک پر واجب ہے کہ وہ بغیر دلیل کوئی بات قبول نہ کرے۔ گرچہ اسلام میں بعض احکام تعبدی (بے چوں وچرا قبول کر لینا) ہیں لیکن ان کے قبول کرنے کی دلیل یہ ہے یہ احکام سرچشمۂ وحی (جو ہر قسم کی خطا و اشتباہ سے محفوظ ہے) سے پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ علیہم السلام کے ذریعہ ہم تک پہونچے ہیں۔

اسلام ان لوگوں کی سخت مذمت کرتا ہے جو اندھی تقلید کی بنا پر اپنے خاندانی روایات پر قائم ہیں۔ اسلام انھیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ خود فکر کرو، تحقیق کرو بے بنیاد باتوں سے چپکے نہ رہو ہاں صرف علم و یقین کی پیروی کرو۔[1]

اسلام مخالفین کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ علمی اجتماعات میں اپنے اعتراضات بیان کریں اور دلیلیں قائم کریں اور جوابات سنیں۔

"قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ"[2]

کہہ دیجئے۔ اگر سچے ہو تو اپنی دلیلیں پیش کرو۔

تاریخ میں ایسے واقعات بکثرت ملتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ یا دوسرے مخالفین رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم یا ائمہ علیہم السلام کی خدمتوں میں حاضر ہوتے تھے، بحث کرتے تھے دلیلیں پیش کرتے تھے۔

صدیوں تک یہ رواج تھا کہ مذہبی اقلیتیں دانشوران اسلام کے اجتماعات میں حاضر ہوتی اور مناظرہ کرتی تھیں۔ صفحات تاریخ پر اس طرح کے واقعات درج ہیں۔ ڈاکٹر گوسٹاولبن اپنی کتاب 'تمدن اسلام' میں رقمطراز ہیں:

---

[1] سورہ اسراء آیۃ ۳۶۔ [2] سورہ بقرہ آیۃ ۱۱۱

"بغداد میں ایسے اجتماعات ہوتے تھے جس میں ہر مذہب کے دانشور جمع ہوتے تھے، یہودی، عیسائی، ہندو، آتش پرست، دہریہ۔۔۔ سب شریک ہوتے تھے اور کمال آزادی سے اپنی باتیں پیش کرتے تھے ان کے استدلال بہت غور سے سنے جاتے تھے، اس بحث میں صرف ایک شرط تھی کہ صرف عقلی دلیلیں پیش کی جائیں۔"

ڈاکٹر موصوف اضافہ کرتے ہیں:

"اگر غور کیا جائے تو ہزار سال کی وحشیانہ جنگ، خود غرضانہ عداوتوں، اور بے پناہ خونریزیوں کے بعد بھی یورپ میں اس طرح کی آزادی حاصل نہیں ہے[1]"

اسلام اور علم

اسلام نے تفکر کو کافی اہمیت دی ہے۔ عقلمندوں سے یہ تقاضا کیا ہے کہ وہ خلقت زمین و آسمان، روز و شب، حیوان و انسان، کائنات اور جو چیزیں کائنات میں ہیں ان کے بارے میں بہت زیادہ غور و فکر کریں۔[2]

گذشتہ اقوام کی تاریخ پڑھیں ان کے حالات کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ ان کے سقوط ان کی ہلاکت کا کیا سبب تھا تاکہ خود ان کی زندگی ہلاکت کا شکار نہ ہونے پائے۔[3]

ہاں اسلام یہ چاہتا ہے کہ انسان خوب فکر کرے، خوب گہرائی سے ہر شعبہ کا جائزہ لے تاکہ فکر کے دور دراز افق تک اس کی رسائی ممکن ہو سکے اور زیادہ سے زیادہ علوم کے خزانے جمع کر سکے۔ اپنے وجود سے بہترین استفادہ کر سکے۔

---

[1] تمدن اسلام صفحہ ۱۰۱-۱۰۳ [2] سورہ بقرہ آیۃ ۱۶۴ [3] سورہ آل عمران آیۃ ۱۳۷

اس بنا پر اسلام نے علمی ترقیوں اور جدید انکشافات کی کافی قدر کی ہے۔ خاص کر وہ انکشافات جو انسانی خدمت کے لئے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ظہور اسلام کے بعد دانشوران اسلام اٹھ کھڑے ہوئے۔ بشریت کی شاہراہ تمدن اپنی کوششوں سے آراستہ کر دی آج بھی علم کے کوہساروں پر ان کا نام چمک رہا ہے اور ہمیشہ چمکتا رہے گا۔[1]

عیسائی مورخ جرجی زیدان اپنی کتاب تاریخ تمدن اسلام صفحہ ۵۹۸ پر لکھتا ہے: ادھر اسلامی تمدن کی بنیاد پڑی، مسلمانوں میں علمی لہر دوڑی ادھر دانشوران اسلام اٹھ کھڑے ہوئے بعض علوم میں ان کے افکار و نظریات ان علوم کے موسسین کے افکار و نظریات سے کہیں بلند تھے بلکہ اسلامی دانشوروں کی تحقیقات سے ان علوم نے نئی شکل اختیار کر لی اور اسلامی تمدن سے ہماہنگ ہو کر ترقی کی راہ پر گامزن ہوئے۔"

میسولیبری لکھتا ہے کہ "اگر اسلام سلسلہ تاریخ سے الگ ہو جاتا تو یورپ کی علمی بیداری کئی صدی پیچھے رہ جاتی"۔[2]

اسلام اور زندگی

اسلامی نقطۂ نظر سے مادی و معنوی زندگی، دین و دنیا میں کوئی تضاد نہیں

---

[1] جیسے جابر بن حیان، رازی، ابن سینا، خواجہ نصیر طوسی نے..... عقلی، طبعی، نجوم، کمسٹری...... علوم میں قابل قدر آثار چھوڑے ہیں ابھی آخری صدیوں میں ابن سینا کی کتابیں یورپ کی یونیورسٹیوں میں پڑھائی جاتی تھیں۔ ڈاکٹر گولسٹاون نے لکھا ہے کہ "یوزنان لکھتا ہے کہ البرٹ کے پاس جو کچھ تھا وہ اس نے ابن سینا سے حاصل کیا تھا" تمدن اسلام، ص۸۱ طبع اول۔ [2] تمدن اسلام ص ۱۷۵/۵۶۹۔

ہے وہ لوگ جو دنیا میں کوئی کام نہیں کرتے انھیں اسلام پسند نہیں کرتا اسی طرح اسلام ان لوگوں کی بھی مذمت کرتا ہے جن کی ساری فکر، ساری سعی و کوشش صرف اپنے لئے ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے: جو شخص دنیا کو آخرت کے لئے ترک کردے (زہد کی بنا پر دنیا سے دست بردار ہو جائے) اور جو آخرت کو دنیا کے لئے ترک کردے وہ ہم سے نہیں ہے۔[1]

یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اسلام نے اس بات کا باقاعدہ خیال رکھا ہے کہ مسلمان دنیاوی امور میں اپنی عقل و کوشش سے ترقیاں کرتے رہیں اور دنیوی معاملات میں بھی کسی سے پیچھے نہ رہیں دنیا بھی آباد ہو دین بھی، اس بنا پر اسلام میں رہبانیت اور سماج پر بوجھ بننا، گوشہ نشینی اختیار کرلینا ناروا سمجھا گیا ہے۔ پیغمبر اسلامؐ کا ارشاد ہے: "رہبانیت ہمارا نوشتہ تقدیر نہیں ہے میری امت کی رہبانیت خدا کی راہ میں جہاد کرنا ہے"۔[2]

اسلامی احکام اور عصری ترقیاں

تغیر و تبدل، کمال و ارتقا، نئے نئے وسائل کی ایجاد، روز افزوں ترقی پذیر تمدن اسلامی احکام کی ابدیت کے منافی نہیں ہیں۔ کیونکہ ترقیوں کے ساتھ احکام کی عدم مطابقت اس صورت میں ہوگی جب وہ قانون ابتدائی وسائل اور خاص عوامل کی بنیاد پر قائم ہو۔ اگر قانون یہ ہو کہ لکھتے وقت صرف ہاتھ سے استفادہ کرنا چاہئے اور سفر کے لئے صرف خچر استعمال کرنا چاہئے... اس طرح کے قوانین علم و تمدن کی ترقی کا ساتھ نہیں دے سکتے ہیں۔ لیکن اگر قانون نے کسی خاص عوامل اور وسائل کو بنیاد قرار نہ دیا ہو بلکہ صرف مثال کیلئے پیش کیا ہو، اس صورت میں نئے وسائل کی ایجاد علم و تمدن کی ترقی قانون پر اثر انداز نہ ہوگی۔

---

[1] وسائل الشیعہ ج ۱۲ ص ۴۹۔ [2] بحار ج ۷، ص ۱۱۵

اسلام نے قانون سازی کے وقت کسی خاص زمانے کو نظر میں نہیں رکھا ہے اسلام کا حکم ہے کہ دوسروں کے مقابلہ کیلئے طاقتور ہو تاکہ اپنے انسانی وجود اور حقوق کا دفاع کر سکو۔ یہ قانون گرچہ اسوقت وضع ہوا ہے جب جنگی وسائل سے گھوڑے اور تلواریں مراد لیجاتی تھیں لیکن اس قانون کی نظر اسوقت کے جنگی وسائل پر نہیں ہے اسلام نے ہرگز یہ نہیں کہا ہے کہ اسلامی جہاد صرف تلوار سے ہو سکتا ہے ـــــ لہٰذا آج کی دنیا میں یہ قانون قابلِ نفاذ نہیں ہے ـــــ" یہی صورت حال زندگی کے دوسرے مسائل میں ہے۔

تمدن اور اس کے اسباب و عوامل و وسائل جس قدر بھی ترقی یافتہ ہو جائیں، ان کا دائرہ کتنا ہی وسیع کیوں نہ ہو جائے کسی بھی منزل پر اسلامی قوانین کوتاہ دامنی کا شکار نہ ہوں گے اسلام کے ابدی ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔

جارج برناڈ شا مشہور برطانوی فلسفی اور دانشور کا کہنا ہے کہ اسلام اکیلا وہ دین ہے جو زندگی کے تمام پہلوؤں کے لئے سازگار ہے اور ہر نسل کو اپنی طرف جذب کرنے کی اس میں صلاحیت ہے۔" (تمدن و علوم اسلامی ص ۱۳)

کیا جدید نظریات ہمیں بے نیاز کر سکتے ہیں؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ علم کے میدان میں انسان نے بے پناہ ترقی کی ہے لیکن دانشور خود اس بات کے معترف ہیں کہ جو کچھ وہ جانتے ہیں۔ اس کا کوئی تناسب ان چیزوں سے نہیں ہے جن کو وہ نہیں جانتے۔ چونکہ ان کی معلومات بہت محدود ہیں لہٰذا وہ کائنات کے تمام اسرار و رموز سے واقف نہیں ہیں۔

انسان جس قدر ترقی کر جائے پھر بھی خطا اور اشتباہ سے محفوظ نہیں ہے اس بنا پر انسانی مسائل کے بارے میں جو باتیں پیش کی جائیں گی وہ کسی بھی زمانے میں سو فیصد

قابل اطمینان نہ ہوں گی، اس بات کا بہرحال احتمال ہے کہ اس کے افکار ونظریات پر ماحول یا دوسرے عوامل کا لاشعوری اثر ہو جو اسے صحیح فکر سے دور کر دے۔

اسلامی قوانین کا سرچشمہ وحی ہے جہاں خطا اور اشتباہ کا کوئی گذر نہیں ہے اسلئے وہ ہر زمانے میں سو فیصد قابل اطمینان ہے لیکن یہ شرط ہے کہ اسلام کے پاکیزہ قوانین میں دوسرے ناپاک قوانین مخلوط نہ ہونے پائیں۔ اگر رسم ورواج اسلامی قوانین کا جز بن جائیں گے تو اسلامی قوانین سے صحیح استفادہ حاصل نہ ہو سکے گا۔

غیبی امداد

بعض لوگ آنحضرتؐ کے خاتم النبیین (آخری نبی) ہونے کا مفہوم یہ بیان کرتے ہیں کہ "آنحضرتؐ کے بعد دنیائے غیب سے رابطہ منقطع ہو گیا"۔ یہ ایک بے بنیاد بات ہے آنحضرتؐ کے خاتم النبیین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپکے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں آئے گا اور نہ کوئی دوسرا دین، دنیائے غیب سے رابطہ منقطع ہونے کا کوئی سوال نہیں ہے۔

ہم شیعہ جو بارہ امام کی امامت وولایت کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ ائمہؑ کے ذریعہ دنیائے غیب سے رابطہ برقرار ہے، مذہب شیعہ کے امتیازات میں یہ بھی ایک خاص امتیاز ہے۔ (جو پیغام رسولؐ خدا لائے تھے امام انھیں احکام کو بیان کرتا ہے)

صدر المتالہین ملا صدرا شیرازی "مفاتیح الغیب" میں تحریر فرماتے ہیں:

"وحی کا سلسلہ یعنی پیغام رسانی کے لئے فرشتوں کا نزول، گرچہ منقطع ہو گیا ہے لیکن الہام واشراق کا سلسلہ جاری ہے اور یہ سلسلہ کبھی بھی منقطع نہ ہو گا"

دورِ حاضر میں اسلامی احکامات پر عمل

دورِ حاضر میں ہر طرف فساد پھیلا ہوا ہے جس قدر ترقیاں ہو رہی ہیں اسی قدر اخلاقی

اقدار متزلزل نظر آرہی ہیں یہ بات بھی فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ مرد آہن مشکلات ہی میں پیدا ہوتا ہے ہماری شخصیت اور استقلال اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ زمانے کے انحرافات کا پامردی سے مقابلہ کریں۔

سماج کی اصلاح اور اس کے حالات پر کنٹرول کرنا ہماری بنیادی ذمہ داری ہے۔ پیغمبروں کی زندگی زمانے کے انحرافات سے مقابلہ کرنے کا درس دے رہی ہیں۔ پیغمبر کبھی بھی سماج کی پستیوں سے متاثر نہیں ہوئے معاشرے کی ضلالت و گمراہی ان پر اثر انداز نہ ہوئی۔ پیغمبروں نے سماج کو بدل ڈالا نہ کہ سماج نے پیغمبروں کو۔

پیغمبر اسلامؐ نے جاہلیت کی پستیوں اور انحرافات کا جم کر مقابلہ کیا یہاں تک کہ سماج میں انقلاب برپا کر دیا۔

قبیلہ قریش کی بزرگ شخصیتیں خاص کر ہمیشہ پیغمبر اسلامؐ کی مصلحانہ روش سے خاصی ناراض تھیں رائے مشورے کے بعد یہ طے پایا کہ پیغمبرؐ اسلام کو ڈرا دھمکا کر بڑے بڑے وعدے کر کے ان کو ان کے ارادے سے باز رکھا جائے۔ پیغمبر اسلامؐ نے ارشاد فرمایا

"میری یہی ذمہ داری ہے خدا کی قسم اگر میرے ایک ہاتھ پر سورج دوسرے ہاتھ پر چاند رکھ دیں تب بھی میں ایک قدم پیچھے نہ ہٹوں گا اور اپنے ایمان سے دست بردار نہ ہوں گا یہاں تک کہ میں کامیابی یا موت سے ہمکنار ہو جاؤں" (سیرۃ ابن ہشام ص۲۹۵ / ۲۶۶)

کامیابی پیغمبر اسلامؐ کی پیروی اور اطاعت میں مضمر ہے۔

آئیں اس راہ سے توشہ حاصل کریں اور اس راہ پر قدم اٹھائیں جس میں پیچھے ہٹنا نہ ہو۔ ہمیں دنیا کو بدلنا ہے، سماج کی اصلاح کرنا ہے، اخلاقی اقدار کو زندہ جاوید بنانا ہے۔ ہمیں دنیا کے رنگ میں رنگ جانا نہیں ہے۔

چوبیسواں سبق

خلافت و امامت

آخر کار وہ وقت آپہنچا کہ پیغمبرؐ کا طائر روح آشیانہ ابدیت کی طرف پرواز کرگیا۔ "جس کو نہ موت آئی ہے نہ آئے گی وہ خدا کی ذات ہے۔"

پہلے سے اندازہ تھا کہ پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے اسلام کے پرسکون سمندر میں تلاطم برپا ہو جائے گا، فتنہ و فساد کی موجیں اٹھیں گی اور موقع پرست اس بحران سے فائدہ اٹھائیں گے۔ یہ بھی معلوم تھا کہ اکثریت کی عقل آنکھوں میں ہوتی ہے۔ عوام ہمیشہ ایسی آگ کا ایندھن بنتے رہے ہیں جس کو دوسروں نے بھڑکایا ہو..... اس لیے عوام کی مسلسل تربیت، مستقل نگرانی کی ضرورت ہے۔ کسی مخلص اور فداکار مربی کے بغیر عوام ارتقا کی منزلیں خود طے نہیں کر سکتے ہیں۔

اب ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ:

اس طرح اور ایسے سماج کے لئے کیا کسی رہبر کی ضرورت نہیں ہے جو پیغمبر اسلامؐ کی تمام ذمہ داریوں کو پورا کرے تاکہ پیغمبرؐ کی زحمتیں بے کار نہ ہونے پائیں؟ کیا کسی ایسے مرکز کی ضرورت نہیں ہے جو خدا کے تمام قوانین کا علم رکھتا ہو اور زندگی کے تمام مسائل میں عوام کی رہبری کر سکتا ہو؟

شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا کا لطف، بے پناہ رحمت اور لامحدود حکمت اس بات کی متقاضی ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کے بعد بھی کوئی رہبر ہو وہ بھی معصوم رہبر ہو جسکے علم و کردار کی ضمانت خود خدا نے لی ہو، جو غیر معمولی انسان اور نگاہ خالق کا انتخاب

تاکہ سماج کی زمام اپنے ہاتھوں میں لے سکے اور اپنے وسیع اور لامحدود علم (جو اسے پیغمبرؐ سے ورثہ میں ملا ہے) کی بنیاد پر عوام کی رہنمائی کر سکے۔

وہ خدا جس نے پیغمبرؐ کے زمانے میں ہادی و رہنما معین فرمایا، وفات پیغمبرؐ کے بعد کیا اس کی سنت دیرینہ بدل جائے گی؟

وہ خدا جس نے ہمارے بدن کی حفاظت اور رشد و نمو کے لئے ہزار ہا انتظامات کئے ہیں جس نے آنکھ کو پیشانی کے پسینے، گرد و خاک سے محفوظ رکھنے کے لئے ابرو قرار دئے، سورج کی تیز شعاعوں سے بچنے کے لئے پلک بنائی تاکہ آنکھ محفوظ بھی رہے اور خوبصورت بھی، ..... نہ معلوم بدن کی حفاظت کے لئے کیا کیا انتظامات کئے ہیں۔ کیا اس خدا نے پیغمبر اسلامؐ کا جانشین معین نہ فرمایا ہوگا؟ بہترین اور مثالی معاشرے کی تشکیل (جو اسلام کا بنیادی مقصد ہے) کے لئے بہترین اور مثالی رہبروں کی ضرورت نہیں ہے؟ معصوم رہبروں کا تعین سعادتمند معاشرے کے لئے لازمی نہیں ہے؟

اسلامی معاشرہ بغیر کسی معصوم رہبر کے سعادت کی منزلوں سے ہمکنار ہو سکتا ہے؟ اگر ایک معصوم رہبر کی ضرورت ہے اور سماج کی اصلاح کے لئے الٰہی نمائندے کی ضرورت ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اسلام نے اس موضوع پر کوئی توجہ نہ کی ہو اور عوام کو ان کے حال پر چھوڑ دیا ہو۔

مختصر یہ کہ جس بنا پر انبیا کی بعثت ضروری ہے بالکل اسی بنا پر یہ بھی ضروری ہے کہ خدا نے پیغمبرؐ کے ذریعہ ان کے جانشین کا انتخاب و اعلان کیا ہو۔

پیغمبر اسلامؐ نے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں ارشاد فرمایا کہ:

"اے لوگو! خدا کی قسم ہر وہ چیز جو تمھیں جنت سے نزدیک کرتی ہو اور ہر وہ

چیز جو جہنم سے دور کرتی ہو ان سب کو میں نے بیان کر دیا ہے۔" [1]

کیا اب بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے اپنا جانشین معین نہ فرمایا ہو؟

کیا قرآن کافی ہے؟

تمام اسلامی تعلیمات، افکار و نظریات کی بنیاد قرآن کریم ہے، اسلام کے بلند و بالا ایوان کی خشت اوّل یہی قرآن مجید ہے۔ یہ وہ سوتا ہے جس سے اسلامی افکار و نظریات کے چشمے پھوٹتے ہیں۔

دین کے دوسرے مآخذ کا اعتبار اور حیثیت اسی قرآن سے وابستہ ہے۔

لیکن یہ بات واضح دلیلوں سے ثابت ہے کہ معاشرے کی رہبری اور سماج کے اختلافات کو حل کرنے کے لئے تنہا قرآن کافی نہیں ہے۔

(۱)

قرآن کے معانی و مطالب اتنے عمیق اور بلند ہیں کہ توضیح و تفسیر کی ضرورت ہے کیونکہ قرآن کی تمام آیتیں بالکل واضح نہیں ہیں ناشناس اور ناواقف افراد منحرف ہو سکتے ہیں راہ سے بے راہ ہو سکتے ہیں۔

لہٰذا خود پیغمبر اسلامؐ یا وہ افراد جن کو پیغمبرؐ نے معین فرمایا ہو عالم غیب سے جن کا رابطہ ہو وہ اس وادی میں رہبری فرمائیں اور قرآنی مطالب کی توضیح و تفسیر فرمائیں ورنہ عوام قرآن کی غلط تفسیر بیان کریں گے اور راہ راست سے منحرف ہو جائیں گے۔ [2]

---

[1] اصول کافی طبع آخوندی ج ۲ ص ۷۴۔ [2] پیغمبر اسلامؐ کا ارشاد ہے کہ جو شخص اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کرے وہ آتش جہنم میں خود اپنی جگہ تلاش کرے۔ تفسیر صافی ج ۱ ص ۲۱

تاریخ میں اس طرح کے واقعات بہت ہیں۔

معتصم خلیفہ عباسی کے دربار میں ایک چور پکڑ کر لایا گیا تاکہ اس پر وہ حد جاری کی جائے جو قرآن نے چور کے لئے معین کی ہے۔

اس سلسلہ میں قرآن کا حکم یہ ہے کہ "چور کے ہاتھ کاٹے جائیں"

لیکن معتصم کو یہ معلوم نہیں تھا کہ چور کے ہاتھ کہاں سے کاٹے جائیں، اس نے اہلسنت کے علماء سے دریافت کیا۔

ایک نے کہا ـــــ گٹے سے ہاتھ کاٹا جائے۔

دوسرے نے کہا ـــــ کہنی سے ہاتھ کاٹا جائے۔

یہ جواب سن کر معتصم مطمئن نہیں ہوا، اس نے امام محمد تقی علیہ السلام (جو اس وقت وہاں موجود تھے) سے دریافت کیا:۔

آپ نے ارشاد فرمایا ـــــ صرف چار انگلیاں کاٹی جائیں۔

کیوں ـــــ ؟

فرمایا ـــــ خدا نے قرآن میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

"اِنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ[1]" سجدہ کرنے کی جگہیں اللہ کے لئے ہیں"

چونکہ سات اعضا سجدہ میں، ہاتھ کی ہتھیلی بھی شامل ہے لہٰذا وہ خدا کے لئے ہے اور اسے نہیں قطع ہونا چاہیئے۔

امام کا یہ استدلال ہر ایک کو پسند آیا اور ہر ایک مطمئن ہو گیا[2]

اس طرح قرآن سے قرآن کی تفسیر اہلبیت علیہم السلام کی خصوصیت

---

[1] سورہ جن آیہ ۱۸۔ [2] تفسیر نور الثقلین ج ۵ ص ۴۳۹

ہے کوئی بھی تفسیر کا حق ادا نہیں کر سکتا ہے خواہ وہ اپنی جگہ علامۂ دہر کیوں نہ ہو، مگر یہ کہ اس نے تعلیمات اہلبیت علیہم السلام سے خوشہ چینی کی ہو۔

(۲)

تفسیر قرآن کے سلسلے میں اب تک جو کچھ بیان کیا گیا وہ تصویر کا ایک رُخ تھا جو قرآن کے ظاہری مطالب اور احکام سے متعلق تھا۔ جبکہ انھیں ظاہری الفاظ و مطالب میں مفاہیم کے سمندر پوشیدہ ہیں خاصکر عقائد اور معارف کے سلسلے میں پیغمبر اسلامؐ کا ارشاد ہے کہ قرآن کا ظاہر خوشنما اور باطن عمیق ہے۔[1]

آنحضرتؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ قرآن کے مطالب میں گہرائیاں ہیں اور ان گہرائیوں میں سات گہرائیاں پوشیدہ ہیں۔[2]

عظیم مفسرین کا کہنا ہے کہ سارا قرآن ظاہر و باطن پر مشتمل ہے صرف غور و فکر کے ذریعہ ان مفاہیم تک رسائی ممکن نہیں ہے۔ قرآنی مطالب ہر ایک کے لئے لفظوں سے بیان نہیں کئے جا سکتے ہیں کیونکہ عوام ان مطالب کو درک نہیں کر سکتے ہیں۔ صرف اولیاء خدا اور پاک سیرت افراد ہی ان مطالب کو درک کر سکتے ہیں۔ اختلافات اور مشکلات کو ان مطالب کی روشنی میں حل کر سکتے ہیں۔ یہ معصوم ہستیاں صاحبان استعداد کو ان مطالب سے آگاہ کر سکتی ہیں۔

یہ اولیاء خدا اور معصوم ہستیاں پیغمبر اسلامؐ اور ان کے اہلبیت علیہم السلام ہیں انھیں کے بارے میں قرآن کا یہ ارشاد ہے کہ خدا نے یہ طے کر لیا ہے کہ وہ تم اہلبیت سے ہر طرح کی نجاست کو دور رکھے گا اور تمھیں پاک و پاکیزہ قرار دے گا۔[3]

---

[1] اصول کافی ج ۲ ص ۵۹۹ طبع آخوندی۔ [2] تفسیر صافی ج ۱ ص ۲۹ طبع اسلامیہ۔ [3] سورہ احزاب آیۃ ۳۳

حدیث میں یہ جملہ ملتا ہے کہ "اِنَّمَا یَعْرِفُ الْقُرْآنَ مَنْ خُوْطِبَ بِہٖ"[۱]
صرف پیغمبر اور ان کے اہلبیت قرآن کے مخاطب ہیں اور وہی قرآنی مطالب کو درک کر سکتے ہیں۔[۲]

قرآن اور اہلبیت کے اسی باہمی ربط کی بنا پر پیغمبر اسلامؐ نے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں ارشاد فرمایا تھا کہ:۔

میں تمہارے درمیان دو امانت چھوڑ کر جا رہا ہوں اللہ کی کتاب اور میرے اہلبیت اگر تم ان دونوں سے متمسک رہو گے تو کبھی بھی گمراہ نہیں ہو گے۔[۳]

قرآنی احکام اپنے نفاذ میں معصوم کے محتاج ہیں کیونکہ قرآن ایک دستور اساسی ہے اس کے لئے ایک نافذ کرنے والا اور انتظامیہ درکار ہے، نفاذ کی ذمہ داریوں کو وہی رہبر نبھا سکتا ہے جو پیغمبر اسلامؐ کی طرح ہر خطا اور اشتباہ سے پاک ہو اور قرآنی مفاہیم پر مکمل دسترس رکھتا ہو۔

یہ خصوصیات صرف ہمارے ائمہ علیہم السلام کی ذات میں منحصر ہیں۔ اس حقیقت کا بہترین گواہ حضرت علی علیہ السلام کا مختصر دورِ حکومت ہے، تمام مشکلات، مسائل، جنگیں.... تمام چیزوں کے باوجود حضرت علی علیہ السلام نے قرآنی احکام کا مکمل نفاذ فرمایا۔

اس سبق کے آخر میں آپ ایک ایسا مناظرہ پڑھیں گے جو امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک شاگرد اور اہلِ سنت کے عالم کے درمیان امام کے حضور میں ہوا تھا۔

---

(۱) مقدمہ تفسیر مرآۃ الانوار ص ۱۶

(۲) جبرئیل وحی لیکر پیغمبرؐ کے گھر پر نازل ہوتے تھے اور اہل بیت خاندان نبوت کے افراد تھے لہذا اہلبیت سب سے زیادہ قرآن سمجھتے تھے

(۳) مسند ابن حنبل ج ۳ ص ۱۷ طبع بیروت۔ الغدیر ج ۱ ص ۵۵-۹ حمایۃ المرام ص ۲۱۲

ایک شخص دمشق سے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں شرفیاب ہوا اور کہنے لگا میں آپ کے شاگردوں سے مناظرہ کرنے آیا ہوں۔

امام کے حکم کے مطابق اس شخص کو امام کے سب سے کم عمر شاگرد جناب ہشام سے ملوا دیا گیا۔

شامی: اے فرزند، تم مجھ سے اس شخص (امام جعفر صادقؑ) کی امامت کے بارے میں سوال کرو۔

شامی کی بے ادبانہ گفتگو سے ہشام کو غصہ تو بہت آیا لیکن اس کا اظہار نہیں کیا اور شامی سے سوال کرنا شروع کئے

- خدا بندوں پر زیادہ مہربان ہے یا بندے اپنے آپ پر زیادہ مہربان ہیں؟
- خدا زیادہ مہربان ہے۔
- مہربان خدا نے بندوں کے لئے کیا کیا ہے؟
- ان کے لئے رہنما اور رہبر معین فرمایا تاکہ وہ انھیں اختلاف وانتشار سے محفوظ رکھے، ان میں اتحاد وبرادری پیدا کرے، ان کو دینی احکام سے آگاہ کرے۔
- وہ رہبر اور رہنما کون ہے؟
- پیغمبر اسلامؐ۔
- پیغمبر اسلامؐ کی وفات کے بعد کون ہے؟
- خدا کی کتاب اور رسولِ خداؐ کی سنت۔
- خدا کی کتاب اور رسول خداؐ کی سنت ہمارے موجودہ اختلافات کو دور کرسکتی ہے؟
- ہاں! یقیناً!
- ہم اور آپ (جو مسلمان ہیں) آپس میں اختلافات کیوں رکھتے ہیں اسی اختلاف

کی بنا پر تو آپ شام سے یہاں تشریف لائے ہیں؟

شامی خاموش ہوگیا اور کوئی جواب نہ دیا، تو امامؑ نے اس شامی سے کہا جواب کیوں نہیں دیتے۔ شامی نے کہا۔ کیا جواب دوں! اگر یہ کہوں کہ ہمارے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے یہ خلاف واقع ہے۔ اگر یہ کہوں کہ خدا کی کتاب اور رسول خدا کی سنت اختلافات کو دور کرسکتی ہے تب بھی بات صحیح نہیں ہے کیونکہ قرآن اور سنت میں بہت سے مطالب ایسے ہیں جو واضح نہیں ہیں جس سے اختلافات کو دور کیا جاسکے۔

اسکے بعد شامی نے کہا: یہی سوالات اب میں ہشام سے کرنا چاہتا ہوں۔ امام نے فرمایا: ہاں ضرور سوال کرو۔

- ○ اے ہشام بندوں پر خدا زیادہ مہربان ہے یا خود بندے؟
- ○ خدا!
- ○ خدا نے لوگوں کی ہدایت، ان کو متحد رکھنے اور اختلافات واانحرافات سے محفوظ رکھنے کے لئے کس کو معین فرمایا ہے؟
- ○ آپ کا یہ سوال رسولِ خدا کے زمانے سے متعلق ہے یا آج کے دور سے؟
- ○ رسولِ خداؐ کے زمانے میں آنحضرتؐ خود نمائندے تھے۔ آج کے دور میں بتاؤ؟
- ○ ہشام نے امام جعفرؑ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا آج کے دور میں یہی خدا کے نمائندے ہیں۔ دنیا کے گوشے گوشے سے لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں یہ ہمیں آسمان وزمین کی باتیں بتاتے ہیں! انھیں علم ودانش رسولِ خداؐ سے وراثت میں ملی ہے۔
- ○ تمہاری بات کس طرح قبول کروں اور اس کی تصدیق کروں؟
- ○ سوالات کرکے دیکھو!
- ○ ہاں یہ بات صحیح ہے۔ تصدیق کے لئے لازم ہے کہ میں سوال کروں۔

اس کے بعد امام جعفر صادقؑ نے اس شخص کے سفر کی تفصیلات بیان کی، وہ تمام واقعات جو دورانِ سفر پیش آئے تھے بیان فرمائے جسکو اسکے علاوہ کسی اور کو خبر نہ تھی۔ امام نے اتنی تفصیل سے واقعات بیان فرمائے کہ شک کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی۔ اس کے بعد شامی حضرت کی امامت پر ایمان لے آیا۔ (اصول کافی جلد ۱ صـ ۱۷۱/۱۷۳)۔

پچیسواں ۲۵ سبق

معنوی ھدایت
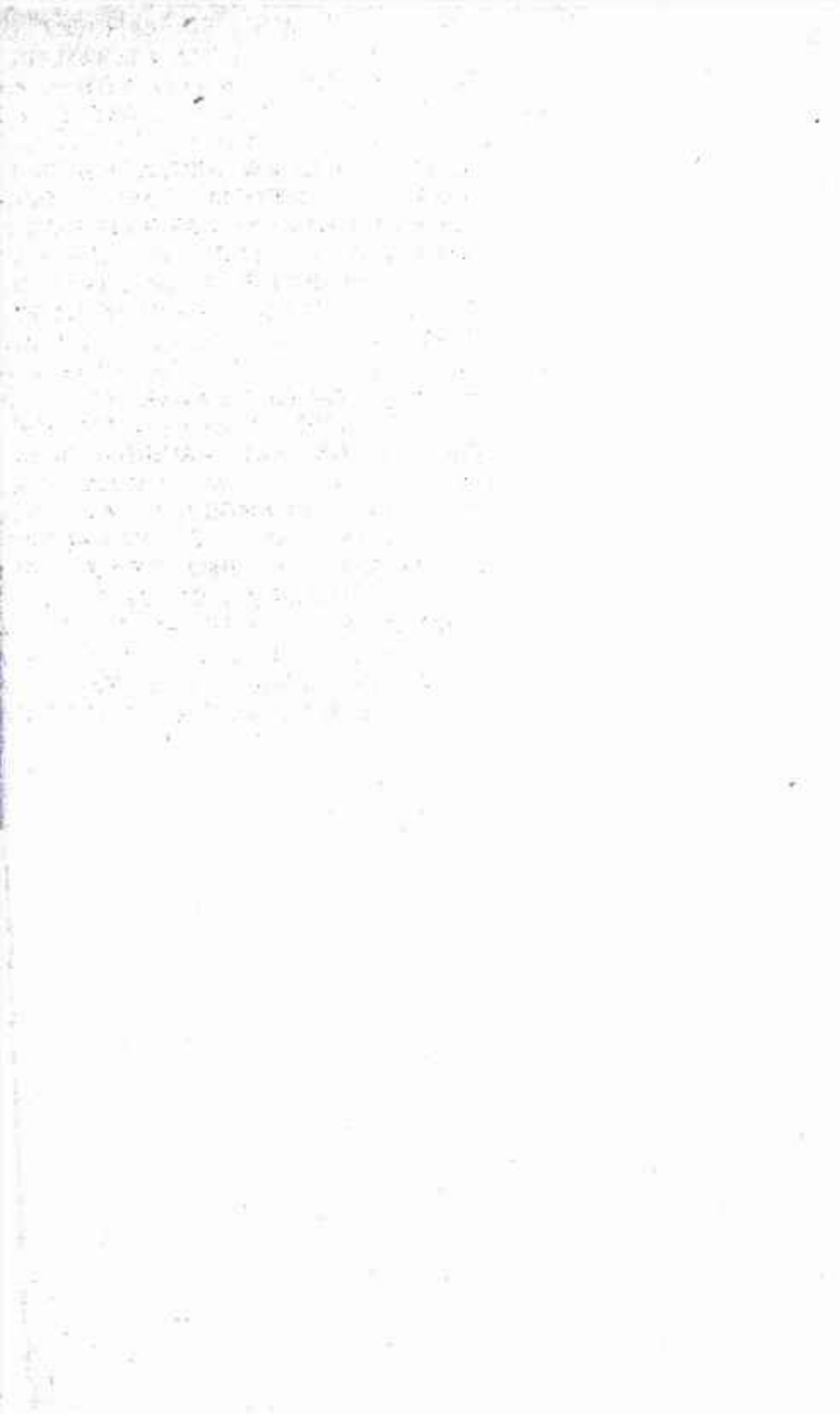
اسلامی تعلیمات اور احکام کی مکمل ترجمانی اور تفسیر رسول خداؐ کی زندگی اور سیرت پاک ہے۔ وہ وحی کے ذریعہ خداوندِ عالم سے احکام و قوانین حاصل فرماتے تھے اور اسلامی معاشرے میں اس کو نافذ فرماتے تھے وہ مسلم سماج کے سیاسی رہبر اور قائد بھی تھے۔ آپؐ کا کردار مجسم قانون، آپ کی رفتار سراپا اخلاق، آپ کی گفتار الٰہی قانون، آپ کی رہبری عقل کی بنیاد، آپ کی ہدایت نجات کی ذمہ دار، آپ صرف موعظہ اور نصیحت پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ عدل و انصاف کی بنیاد پر اسلامی معاشرے کی تشکیل کی ہمیشہ کوشش کرتے رہتے تھے۔

کیونکہ اسلام کے پاس معاشرے کی فلاح و بہبود کے لئے "نفاذی ضمانت" بھی موجود ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے کہ مجرمین اور فساد پھیلانے والوں، سماج میں برائیوں کو عام کرنے والوں .... کو صرف اخروی عذاب سے ڈرایا گیا ہو بلکہ ان لوگوں کے لئے اس دنیا میں بھی سزائیں مقرر کی گئی ہیں۔ یہ قوانین اس بات کی دلیل ہیں کہ ایک حکومت کی تشکیل بھی آنحضرتؐ کی ذمہ داریوں میں شامل تھی۔

دنیا کے دوسرے مکاتب فکر اور نظام ہائے حیات کے برخلاف اسلام نے صرف مادی پہلو پر نظر نہیں رکھی ہے بلکہ انسانی زندگی کے دوسرے رخ یعنی معنویت کو بھی خاص اہمیت دی ہے اس لئے اسلام کی اکثر تعلیمات میں

معنوی اور انسانی فضیلتوں کے حصول کی ترغیب دِلائی گئی ہے۔

آج کی متمدن دنیا میں جس چیز کو بالکل فراموش کر دیا گیا اور جس کے مضر اثرات بھی روز بروز ظاہر ہو رہے ہیں۔ "وہ ہے انسانیت اور آخرت" ان دونوں ہی چیزوں کو بھلا دیا گیا ہے۔

لیکن اسلام نے ان باتوں پر خاص توجہ دی ہے۔ اسلامی رہنماؤں نے اپنی تعلیمات کی بنیاد معنویت کو قرار دیا ہے۔

اکثر افراد" انسانیت کے گرانقدر جوہر" سے ناواقف ہیں۔ یہ جوہرِ انسانیت اس قدر لطیف اور پاکیزہ ہے کہ اس کو دیکھنے کے لئے چشمِ بصیرت درکار ہے ـــــ یہ سرسبز و شاداب چمن عام نِگاہوں سے اتنا دور ہے کہ مادی نِگاہیں اس کو درک نہیں کر سکتی ہیں چہ جائیکہ وہ اس سلسلہ میں کچھ رہنمائی کر سکیں۔

ہزاروں سال کی تلاش و جستجو کے بعد بھی انسان اس بات پر قادر نہیں ہو سکا ہے کہ وہ اپنے بدن کے مادی عمل اور عکس العمل کے نصف اثرات کو بھی صحیح طور سے پہچان سکے۔ اس انسان سے کیونکر امید کی جا سکتی ہے کہ وہ روحانی پہلو سے واقف ہو گیا ہو اور اس سلسلے میں کوئی لائحہ عمل پیش کر سکتا ہو۔

بغیر کسی بحث و گفتگو کے یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ اس میدان میں وہی رہنمائی کر سکتا ہے جس کا جوہر وجود روحانیت اور معنویت سے ہم آغوش رہا ہو۔ جو معنوی دنیا کے نشیب و فراز سے خوب اچھی طرح واقف ہو بلکہ اس دنیا کے گوشہ گوشہ کی سیر کر چکا ہو۔

موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے انسان کی معنوی ترقی اور روحانی سربلندی کی کوئی امید نہ رکھی جائے!

انسان کے وجود میں جو روحانی استعداد اور معنوی صلاحیتیں پائی جاتی ہیں ان سے چشم پوشی کرلی جائے! اور انسان کو حیوان کا درجہ دے دیا جائے جس کی ساری فکر اور ساری کوشش بس کھانا پینا، سونا جاگنا، خواہشات .... کی برآوری .... ہے۔

یہ باتیں انسانیت کی بلند و بالا منزلت کی توہین ہیں۔

انسان میں روحانی صلاحیتیں اور ملکوتی صفتیں ودیعت کی گئی ہیں۔

خداوندِ عالم نے انسان کو معنوی استعداد سے سرشار کیا ہے۔ انسان شاہکارِ قدرت اور عالم مخلوق کا نیّرِ تاباں ہے ــــ انسان کو چاہئے کہ وہ آفتاب کی طرح بلندیاں حاصل کرے اور ان بلندیوں سے سورج کی طرح ساری دنیا میں اپنی شعاعیں پھیلائے، اور کائنات کو نورِ علم اور حرارتِ ایمان سے مالامال کردے۔

یہ منتخب روزگار اس نظامِ شمسی میں سرگرداں و حیراں نہیں چھوڑا گیا ہے بلکہ اس ذرہ پر خورشید ربوبیت نے اپنی شعاعیں ڈالی ہیں اور اپنی خاص عنایتوں سے نوازا ہے۔

خداوندِ عالم کی یہ خاص عنایتیں بعثت انبیاء کی شکل میں ظاہر ہوئیں، انسان کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے ہر دور میں نبی آتے رہے تاکہ ہر پہلو سے انسان کی رہنمائی کرسکیں اور فضیلتوں کی متلاشی روح کو سعادتوں اور الٰہی خصلتوں کے ساحل سے ہم کنار کرسکیں۔

اس حقیقت کی طرف قرآن نے اپنی متعدد آیتوں میں اشارہ کیا ہے۔

ایک جگہ جناب ابراہیم علیہ السلام کی زبانی ارشاد ہوتا ہے کہ:

خدایا میرے فرزندوں پر انہیں میں سے ایک پیغمبر معبوث فرما۔

جو ان کے سامنے تیری واضح آیتوں کی تلاوت کرے انھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے۔ اور انھیں پاکیزہ کرے کہ تو عزیز اور حکیم ہے۔[1]

اس آیت میں ہدایت اور علم و حکمت کی تعلیم کے علاوہ ایک بات کا اور تذکرہ کیا گیا ہے اور وہ ہے "پاکیزگی" نفس اور روح کی پاکیزگی، جس کو اصطلاحی طور پر "تزکیہ نفس" کہتے ہیں۔ یہ معنوی اور روحانی تربیت انبیاء کی بعثت کا ایک خاص رکن ہے۔

پیغمبر اسلامؐ کی تربیت گاہ میں ایسے افراد نظر آتے ہیں جو اس معنوی اور روحانی تربیت سے سرشار تھے، فضیلتوں کے دلدادہ، حقیقتوں کے متلاشی اور اعلیٰ صفات کا مجسمہ تھے۔ جن کی روحانی بلندیاں حیرت انگیز ہیں ____ سلمان ابوذر، مقداد، عمار، میثم، اویس قرنی .... یہ افراد اسی چمن کے گل سرسبز ہیں۔

جن کا وجود پاکیزگی اور نیکی کا سرچشمہ، تمام برائیوں سے پاک، جملہ آلودگیوں سے دور ان کی رگ و پے میں بس خدا کا تصور تھا۔ خدا سے ہٹ کر نہ کچھ چاہتے تھے اور نہ اس کے علاوہ کوئی اور فکر کرتے تھے ان کی روح، ان کے قلب، ان کے دماغ، ان کے افکار، ان کے خیالات .... ان کے روئیں روئیں پر بس خدا کی حکمرانی تھی۔

اسی لئے ان میں سے ہر ایک مکمل انسان تھا بلکہ آنے والی نسلوں کیلئے منارہ ہدایت انسان کی معنوی اور روحانی ارتقاء میں ہر ایک نے بے پناہ خدمتیں انجام دی ہیں اور فضیلتوں کی طرف معاشرے کی رہنمائی کی ہے۔

---

[1] سورہ بقرہ آیت ۱۲۹

لہٰذا اخلاق، پاکیزگیِ نفس، کوئی اضافی چیز نہیں ہے تاکہ ہم اس کی طرف کوئی توجہ نہ دیں اور اگر متوجہ بھی ہوں تو اس وقت جب زندگی کا کوئی اور کام نہ ہو۔ ہرگز ایسا نہیں ہے۔ بلکہ اخلاق، پاکیزگیِ نفس سب سے اہم چیز ہے، زندگی کا ایک اہم جزء ہے۔ عالی صفات، پاکیزگیِ نفس، صفائے باطن، وہ عظیم اور بہ دار خصلتیں ہیں جہاں انسان شکل وصورت کے ظاہری نقش ونگار سے گذر کر حیاتِ معنوی اور حقیقی انسانی زندگی کے اعلیٰ مدارج پر فائز ہو جاتا ہے۔ جہاں اس کی نگاہوں کے سامنے سے پردے ہٹ جاتے ہیں اور وہ ان چیزوں کا مشاہدہ کرتا ہے جس کو دیکھنے سے عام نگاہیں قاصر ہیں۔

معنوی زندگی اور قرآن

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيَاةً طَيِّبَةً [۱] جس کا ــــ مرد ہو یا عورت ــــ کردار بھی اچھا ہوگا اور ایمان بھی ہم اسے پاکیزہ زندگی عطا کریں گے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ. [۲] اے مومنو! جب خدا اور رسول تمہیں اس چیز کی دعوت دیں جو تمہیں زندگی عطا کرے تو تم ان کی آواز پر لبیک کہو تاکہ تمہیں زندگی دی جائے۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ جس حیات اور پاکیزہ زندگی کا تذکرہ ان آیات میں کیا گیا ہے وہ اس ظاہری حیات سے یقیناً مختلف زندگی ہے ــــ اور

---

[۱] سورہ نحل آیت ۹۷ [۲] سورہ انفال آیت ۲۴

وہ حیاتِ معنوی حیات اور روحانی زندگی ہے جہاں زندگی کی علامت، نیک کردار، انسانی صفات پاکیزگی نفس، صفائے باطن........ ہے۔[1]

معنوی زندگی کس طرح حاصل ہوتی ہے؟

تمام دوسری چیزوں کی طرح معنوی زندگی کے حصول کے کچھ شرائط ہیں۔

معنوی زندگی انسان کے اچھے کردار اور پاکیزہ اخلاق کا لازمی نتیجہ ہے۔ البتہ وہ کردار اور وہ اخلاق جو آسمانی رہبروں اور اخلاقی مربیوں کے بتائے ہوئے نقوش پر تعمیر ہوا ہو۔

خداوندِ عالم کے اوامر اور نواہی جسے اصطلاحی طور پر "تشریع" کہا جاتا ہے اور کائنات کے وہ حقائق اور اسرار و رموز سے جسے اصطلاحی طور پر "تکوین" کہا جاتا ہے۔ ہم آہنگ ہیں۔ ہمارا علم چونکہ محدود ہے اس لئے ہم کائنات کے اسرار و رموز اور ان کی مصلحتوں سے ناواقف ہیں۔ اسی لئے ہم حیاتِ معنوی کے صحیح نقوش سے بھی بے خبر ہیں ____ لیکن امامؑ کائنات کے ہر اسرار و رموز اور ان کی تمام مصلحتوں سے واقف ہیں۔ وہ ان حقائق کو ایک مہربان اور دلسوز استاد کی طرح عام فہم الفاظ میں انسانوں کے لئے بیان کرتے ہیں۔

---

[1] ان آیات میں جس پاکیزہ زندگی کا تذکرہ کیا گیا ہے اسے مجازی زندگی نہ سمجھنا چاہئے بلکہ یہ وہ حقیقی زندگی ہے جو ایسے باایمان کو عطا کی جاتی ہے جس کا کردار بلند ہوتا ہے! اس حقیقی زندگی کی علامت وہ خاص بصیرت شعور ادراک اور قدرت ہے جو مومن کو عطا ہوتی ہے اور عام لوگوں میں جس کا سراغ نہیں ملتا ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے دوسری باتیں بیان کی ہیں لیکن ہم نے یہ مفہوم دورِ حاضر کے عظیم مفسر حضرت علامہ طباطبائی طاب ثراہ کی گرانبہا تفسیر "المیزان" سے استفادہ کیا ہے۔

تا کہ ہم ان ہدایتوں پر عمل کر کے سعادت مند اور کامیاب زندگی بسر کریں۔

لہٰذا دین ایسے حقائق اور معارف کا مجموعہ ہے جو عام انسانوں کی فہم سے بالاتر ہے جسے خداوند عالم نے اپنے پیغمبروں اور ان کے معصوم جانشینوں کے ذریعہ ہم تک بھیجا ہے تا کہ ہم حیات معنوی سے سرشار ہو جائیں اور ہماری سعادت وکامیابی یقینی ہو جائے۔

اگر ہم ان احکام اور فرامین کی پیروی کریں گے تو سعادت مند ہوں گے اور اگر ہم نافرمانی کریں گے تو نقصان میں رہیں گے۔ ایک بچہ کی طرح جس کی تربیت ایک معلّم اخلاق کے ذمہ ہے۔ جہاں بچہ معلّم کے اشاروں پر عمل کرتا ہے جن چیزوں کا حکم دیتا ہے انہیں انجام دیتا ہے اور جن باتوں سے روکتا ہے اس سے پرہیز کرتا ہے گرچہ بسا اوقات ان چیزوں کی حقیقت اور ان کی مصلحتوں سے ناواقف رہتا ہے۔ لیکن تربیت کی مدت گذرنے کے بعد اس بچہ میں اعلیٰ صفات، انسانی خصلتیں، روحانی فضیلتیں کوٹ کوٹ کے بھر جاتی ہیں جس کی بنا پر اس کی زندگی سعادتوں سے مالا مال اور کامیابیوں سے سرشار رہتی ہے۔ اگر یہ بچہ ابتدا میں معلّم کی ہدایتوں پر عمل نہ کرے اس کے احکام کی نافرمانی کرے تو کچھ دنوں کے بعد معلوم ہو گا کہ کس قدر نقصان میں ہے۔

رہنما کون؟

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس معنوی زندگی میں اور اس کے ارتقائی مراحل میں رہبری کے فرائض کون انجام دے؟

کیا عام انسان اس ذمہ داری کو نبھا سکتا ہے؟ یا رہبری کے فرائض وہ انجام

دے جس کی باتیں اور جس کے الفاظ سراپا صداقت ہوں۔ جو ہر طرح کی خطا اور لغزش سے پاک ہو یعنی اصطلاحاً معصوم ہو۔ جو خود بھی حیاتِ معنوی کے اعلیٰ ترین درجہ پر فائز ہو۔

کیونکہ جو شخص خود ہدایت یافتہ نہ ہو خدا ہرگز اسے دوسروں کا رہبر قرار نہیں دے گا(۱) جو خود ہدایت کا محتاج ہو وہ دوسروں کی کیا ہدایت کرے گا۔

اس کے علاوہ۔ امامت کا مفہوم عام اور معمولی ہدایت نہیں ہے کیونکہ اس معیار کی ہدایت اور رہنمائی ہر مسلمان کا فرض ہے خاص امام کی ذمہ داری نہیں ہے۔

جس ہدایت کی ذمہ داری امامؑ کو انجام دینا ہے وہ "ہدایت بامر" ہے۔ جب تک وہ خود حیاتِ معنوی میں ڈوبا ہوا نہ ہو اور جب تک خود اس پر کائنات کے اسرار و رموز منکشف نہ ہوں وہ دوسروں کی رہبری کیونکر کر سکے گا؟

قرآن کی آیتوں میں غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ جہاں امامت کا تذکرہ کیا گیا ہے وہاں اکثر امامت کے بعد "ہدایت بامر" کا ذکر توضیح اور تفسیر کے عنوان سے کیا گیا ہے۔

ہدایت بامر کیا ہے؟

احکام کی تعلیم اور ظاہری ہدایت کے علاوہ باطنی ہدایت اور روحانی رہنمائی میں بھی امام کو ولایت اور حاکمیت حاصل ہے۔

---

(۱) اَفَمَنْ یَّهْدِیْۤ اِلَی الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ یُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا یَهِدِّیْۤ اِلَّاۤ اَنْ یُّهْدٰی ۚ فَمَا لَكُمْ ۫ كَیْفَ تَحْكُمُوْنَ۔ سورہ یونس آیۃ ۳۵

وہ افراد جن میں صلاحیت اور استعداد پائی جاتی ہے امامؑ ان کی باطنی طور پر ہدایت کرتے ہیں اور معنویت کی ارتقائی منزلوں کی سمت ان کی رہنمائی کرتے ہیں۔

اس ہدایت کی بنیاد چونکہ معنوی فیوض و برکات اور باطنی و روحانی امور پر قائم ہے اس لئے اس سلسلہ ہدایت کو "ہدایت بِاَمر" کہا جاتا ہے۔

باطنی ہدایت وہ بلند و بالا منصب ہے جس پر انبیاء منصب نبوت و رسالت کے بعد فائز ہوتے ہیں خداوندِ عالم نے جناب ابراہیم علیہ السلام کو نبوت و رسالت کے عظیم منصب کے بعد ہدایت معنوی یعنی امامت کا منصب عطا فرمایا۔

اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا [1]

یقیناً ہم نے آپ کو لوگوں کا امام قرار دیا۔

امام کو ولایت امر اور ہدایت امر کا منصب حاصل ہے اس لئے امام ایسے امور انجام دے سکتے ہیں جو دوسروں کی نگاہوں میں حیرت انگیز اور ناممکن معلوم ہوں۔

قرآن اس بات پر گواہ ہے کہ حضرت "سلیمانؑ" کے وزیر جناب "آصف بن برخیاؑ" نے پلک جھپکنے سے پہلے ملکہ سبا کا تخت ان کے سامنے حاضر کر دیا تھا ____ وہ اس بنا پر کہ جناب "آصف بن برخیا" اس کائنات کے بعض اسرار و رموز اور حقائق کا علم رکھتے تھے اور وہ اس باطنی نظام سے واقف تھے جو اس کائنات پر حکم فرما ہے۔

ہمارے ائمہ علیہم السلام کا درجہ اور علم آصف بن برخیا سے کہیں زیادہ

---

[1] سورہ بقرہ آیت ۱۲۴

بلند اور لامحدود ہے۔ اس بات پر وہ بے شمار واقعات گواہ ہیں جو تاریخ اور معتبر روایات کے دامن میں محفوظ ہیں جہاں امام کی باطنی ہدایت اور ولایت امر جلوہ گر ہے۔

امام خود حیات معنوی اور روحانی زندگی کے اعلیٰ ترین نقطۂ ارتقاء پر فائز ہیں اس بنا پر امام میں روحانی کشش پائی جاتی ہے جس سے پاک باطن اور ذی صلاحیت افراد اثر قبول کرتے ہیں۔ روحانی ارتقاء کی منزلوں کی طرف قدم بڑھاتے اور اپنے دل و دماغ کو حیات نو سے آشنا کرتے اور معنوی فضیلتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ذیل میں چند افراد کا تذکرہ کریں گے جو امام کی ہدایت معنوی سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔ جن کے کردار پر تاریخ فخر و مباہات کر رہی ہے۔

(۱) مردِ دمشقی

"علی بن خالد" زیدی تھے (یعنی امام زین العابدین علیہ السلام کے بعد دوسرے اماموں کے معتقد نہیں تھے) اور امام محمد تقی علیہ السلام کے ہمعصر تھے۔

علی بن خالد کا بیان ہے کہ میں عراق کے شہر "سامرا" میں تھا ـــــ وہاں مجھے یہ خبر ملی کہ دمشق سے ایک شخص کو یہاں لا کر قید کیا گیا ہے جو پیغمبر ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے۔

میں اس کی ملاقات کو گیا۔ اور اس سے اس کی سرگذشت دریافت کی۔

اس نے کہا ـــــ شام میں جس جگہ امام حسین علیہ السلام کا سر اقدس رکھا گیا تھا وہاں میں عبادت کیا کرتا تھا ایک شب ناگاہ ایک شخص کو اپنے سامنے دیکھا اس نے مجھ سے کہا اٹھو!

میں لاشعوری طور اٹھ کھڑا ہوا اور چند قدم اس کے ساتھ چلا کہ اپنے کو

مسجد کوفہ میں پایا۔

فرمایا: ـــــــ کیا تم اس مسجد کو جانتے ہو؟

عرض کیا: ـــــــ جی ہاں یہ مسجد کوفہ ہے

انہوں نے وہاں نماز پڑھی میں نے بھی ان کے ساتھ نماز ادا کی۔ اس کے بعد ان کے ہمراہ چل دیا ابھی چند قدم ہی گیا تھا کہ اپنے کو مسجد مدینہ میں پایا۔

انہوں نے رسول خداؐ پر درود بھیجا۔ ہم دونوں نے وہاں نمازیں پڑھیں۔

وہاں سے باہر نکلے اور چند قدم چلے تھوڑی دیر بعد اپنے کو مکہ میں پایا۔ طواف کیا اور وہاں سے روانہ ہو گئے اور تھوڑی دیر بعد اپنے کو وہیں دمشق میں پایا جہاں میں عبادت کیا کرتا تھا اس کے بعد وہ شخص میری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

گویا نسیم صبح تھی جس کی چند نرم و لطیف لہریں آئیں اور ختم ہو گئیں۔

اس واقعہ کو ایک سال کا عرصہ گذر گیا۔ سال بھر کے بعد پھر اسی شخص کی زیارت نصیب ہوئی پہلی مرتبہ کی طرح اس مرتبہ بھی تمام سفر کئے اور اس بزرگ کی ہمراہی میں گذشتہ سفر کی طرح ساری چیزیں انجام دیں اس مرتبہ جب میں اپنی جگہ واپس پہنچا جس وقت وہ شخص جانے لگا میں نے ان سے کہا۔

قسم ہے آپ کو اس ذات کی جس نے آپ کو یہ قدرت و توانائی عطا فرمائی ہے اپنا تعارف کرائیے۔

فرمایا میں محمد بن علی بن موسیٰ بن جعفر (یعنی محمد تقی) ہوں۔

جس سے بھی ملاقات ہوتی تھی میں یہ واقعہ اس سے بیان کر دیتا تھا رفتہ رفتہ اس واقعہ کی خبر "محمد بن عبد الملک زیات" تک پہونچی۔ اس نے میری گرفتاری کا حکم دیا اور یہ مشہور کیا کہ میں پیغمبری کا دعوے دار ہوں اور اس وقت

جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو اس کے قید خانہ میں قید و بند کی زندگی گذار رہا ہوں۔

میں نے اس سے کہا تم مجھے اس بات کی اجازت دیتے ہو کہ صحیح واقعات سے محمد بن عبد الملک کو باخبر کروں ہو سکتا ہے اس کو صحیح واقعہ نہ معلوم ہو۔

اس نے کہا: لکھو تمہیں اجازت ہے۔

میں نے پورا واقعہ محمد بن عبد الملک کو لکھا۔ اس نے میرے جواب میں لکھا کہ:

"اس سے کہہ دو کہ جو شخص اسے ایک شب میں شام سے کوفہ، مدینہ اور مکہ لے گیا اور وہاں سے پھر واپس شام لے آیا اسی سے رہائی طلب کرے۔ وہی اس کو قید خانہ سے نجات دلائے۔"

یہ جواب سن کر مجھے بڑی شرمندگی ہوئی اور مایوسی بھی

دوسرے دن صبح قید خانہ گیا تاکہ اسے جواب سے باخبر کروں اور صبر و استقامت کی تلقین کر کے اس کا حوصلہ بڑھاؤں۔

جب میں قید خانہ پہونچا تو دیکھا کہ کافی تعداد میں سپاہی اور دوسرے افراد قید خانہ کے ارد گرد کچھ تلاش کر رہے ہیں میں نے ان سے دریافت کیا کہ کیا تلاش کر رہے ہو؟ کہنے لگے۔ وہ قیدی جو پیغمبری کا دعویٰ کر رہا تھا وہ قید خانہ میں نہیں ہے نہیں معلوم کہاں گیا زمین نگل گئی کہ آسمان اٹھا لے گیا۔

علی بن خالد کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے بعد میں زیدی مذہب سے دست بردار ہو گیا امام محمد تقی علیہ السلام کی امامت کا قائل ہو گیا اور ان کے شیعوں میں شامل ہو گیا۔[1]

---

[1] ارشاد مفید ص ۳۰۵ - ۳۰۴

۲ میثم تمّار

قافلہ تقویٰ اور پرہیزگاری کے قافلہ سالار، نیکو کاروں کے امام، پاک طینتوں کے رہنما حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام نے جناب میثم کو خریدا اور آزاد کر دیا ــــ ان سے دریافت کیا کہ تمہارا نام کیا ہے۔؟

- سالم
- میں نے پیغمبر اسلامؐ کی زبانی سُنا کہ تمہارا اصلی نام "میثم" ہے۔
- آنحضرتؐ نے سچ فرمایا۔ اور آپ نے بھی صحیح فرمایا میرا اصلی نام "میثم" ہے۔

جو نام پیغمبر اسلامؐ نے بیان فرمایا ہے اسی کو اختیار کرو اور دوسرے ناموں کو ترک کر دو۔

اس طرح حضرت علی علیہ السلام نے ایک غلام کو خرید کر آزاد کر دیا لیکن اپنی شفقت اور محبت سے اس کو ہمیشہ کے لئے اپنا گرویدہ کر لیا اور وہ رشتہ استوار کیا کہ موت بھی اسے منقطع نہ کر سکی، دنیا بھر کی سازشیں ان دونوں میں جدائی نہ ڈال سکیں۔

میثم وہ بندہ آزاد تھے جن میں صلاحیتیں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں۔ حضرت علی علیہ السلامؑ کی تربیت میں رفتہ رفتہ پوشیدہ صلاحیتیں ظاہر ہوتی رہیں مولا کی تعلیم نے اس کو گوہر آبدار بنا دیا یہاں تک کہ میثم حضرت علی علیہ السلام کے خاص الخاص اصحاب میں شمار ہونے لگے۔

اسرار و رموز سے واقف ہوئے اور حقائق کا علم حاصل کیا۔ مولائے کائنات پر دل و جان سے عاشق ہوئے جیسے خشک گھاس اور ابر باراں، وہ علی علیہ السلام

کی تعلیمات سے دل و دماغ منور کرتے اور انہیں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ چشم و ابرو کے اشاروں پر زندگی بسر کرتے۔ ان کو دیکھ کر اپنے وجود میں روشنیاں جمع کرتے یہاں تک کہ خود نور ہو گئے — اور اس سے ان کو وہ لذت حاصل ہوتی تھی جس کے مقابلے میں ساری دنیا کی نعمتیں ہیچ تھیں۔

ایک دن حضرت علی علیہ السلام نے ان سے فرمایا۔

میرے بعد تمہیں سولی دی جائے گی، تمہارے جسم کو اسلحہ سے زخمی کیا جائے گا۔ تیسرے دن تمہاری ڈاڑھی تمہاری ناک اور دہن کے خون سے رنگین ہوگی۔ تمہیں عمرو بن حریث" کے گھر کے پہلو میں دار پر چڑھایا جائے گا، تمہارے ساتھ ۹ آدمیوں کو سولی دی جائے گی۔ تمہارے دار کی لکڑی سب سے چھوٹی ہوگی۔ آؤ چلو اس درخت خرمہ کی طرف چلیں جس کی شاخ پر تم لٹکائے جاؤ گے۔

حضرت علی علیہ السلام نے وہ درخت میثم کو دکھلا دیا۔ اس واقعہ کو ایک مدت گذر گئی —

یہاں تک کہ حضرت علی علیہ السلام شہید کر دیئے گئے۔

بنی امیہ عوام پر باقاعدہ مسلط ہو گئے۔

میثم برابر اس درخت کے پاس جاتے تھے وہاں نماز پڑھتے تھے اور اس درخت سے باتیں کرتے تھے۔

اے درخت خدا تجھے برکت دے میں تیرے لئے پیدا کیا گیا ہوں اور تو میرے لئے نمو کر رہا ہے۔

جس سال جناب میثم شہید ہونے والے تھے اس سال وہ مکہ تشریف لے گئے خانہ کعبہ کی زیارت کا شرف حاصل کیا اور جناب "ام سلمہ" سے ملاقات کی

جناب "ام سلمہ" نے ان سے فرمایا میں نے پیغمبرؐ سے تمہارا نام بارہا سنا ہے وہ حضرت علیؑ سے تمہارے بارے میں برابر سفارش فرمایا کرتے تھے۔

میثم نے ان سے امام حسین علیہ السلام کے بارے میں دریافت کیا۔ معلوم ہوا امام شہر سے باہر تشریف لے گئے ہیں کہا امام کی خدمت میں میرا سلام پہونچا دیجئے گا اور کہہ دیجئے گا کہ عنقریب ہم اور آپ دوسری دنیا میں خدا کے حضور میں ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے۔

جناب ام سلمہ نے عطر منگوایا کہ میثم کی ڈاڑھی کو معطر کیا جائے اس کے بعد فرمایا کہ بہت جلد (محمد و آل محمد کی دوستی کی بنا پر) تمہاری ڈاڑھی تمہارے خون سے رنگین کی جائے گی۔

میثم کوفہ پہونچے ابن زیاد کے سپاہی انہیں گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس لے گئے۔ وہاں یہ گفتگو ہوئی۔

- تمہارا خدا کہاں ہے؟
- میرا خدا ستمگروں کی تاک میں ہے تو بھی ان میں سے ایک ہے۔
- تمہارے مولا علیؑ نے تمہارے اور میرے بارے میں کیا کہا ہے۔
- فرمایا ہے کہ تم مجھے ۹ آدمیوں کے ساتھ سولی دو گے اور میرے دار کی لکڑی سب سے چھوٹی ہوگی۔
- میں تمہارے مولا کی باتوں کی مخالفت کرنا چاہتا ہوں۔ میں تمہیں ایک دوسرے طریقے سے قتل کروں گا۔
- تم یہ کام کیونکر کر سکتے ہو۔ میرے مولا نے یہ بات پیغمبرؐ سے سنی اور پیغمبرؐ کو جبرئیل نے خبر دی ہے کیا تم خدا کی مخالفت کرو گے

اپنی شہادت کی جگہ کو بھی جانتا ہوں اور میں وہ پہلا مسلمان ہوں جس کے منھ میں لگام لگائی جائے گی۔

یہ سن کر عبید اللہ بن زیاد غصہ سے بھر گیا اور اس نے حکم دیا کہ اس وقت میثم کو قید کر دیا جائے ___ اسی قید خانہ میں میثم کی ملاقات مختار ثقفی سے ہوئی اور انہیں آزادی کی بشارت دی اور کہا

تم حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کے خون کے انتقام میں ابن زیاد کو قتل کرو گے ___ اور ایسا ہی ہوا۔

جناب میثم کو قربان گاہ کی طرف لے گئے ...... منزل پرواز روح جہاں سے اعلیٰ ترین اور بلند ترین روحانی ارتقار کی منزلیں طے ہوتی ہیں جہاں انسان مادی قیود سے آزاد ہو جاتا ہے اور ملکوت ارضی و سماوی میں پرواز کرتا ہے۔ میثم کو "عمرو بن حریث" کے پہلو میں اسی درخت کی لکڑی پر سولی دی گئی جس کو وہ بہت پہلے سے پہچانتے تھے ___ عوام ان کے گرد جمع ہو گئے۔ دار کی بلندی کو منبر قرار دے کر حضرت علیؑ کے فضائل بیان کرنا شروع کئے۔ لوگوں کی نگاہوں سے پردے ہٹائے، علیؑ کے فضائل سے لوگوں کے دل منور کئے، انکو نئی روشنی عطا کی۔

ابن زیاد کو خبر دی گئی کہ میثم نے تمہیں ذلیل و رسوا کر دیا۔

اس نے حکم دیا کہ ان کے منھ میں لگام لگا دو تاکہ کچھ کہہ نہ سکیں ......

اسلحہ سے ان کو زخمی کیا گیا۔ بالکل اسی طرح جس طرح حضرت علیؑ خبر دے گئے تھے ___

میثم "اللہ اکبر" کہہ رہے تھے۔ تیسرے دن کے آخری لمحات میں میثم کی ناک اور دہن سے خون جاری ہوا جس سے ان کی ڈاڑھی رنگین ہو گئی

اور میثم دار پر پھول کی طرح کھل گئے ——

خدا کی بے پناہ رحمتیں اور سلام ہو جناب میثم پر (۱)

۳ اویس قرنی

پیغمبر اسلامؐ نے ارشاد فرمایا کہ:-

"قرن" کی طرف سے جنت کی خوشبو آرہی ہے۔ اے اویس قرنی میں تمہاری ملاقات کا بہت زیادہ مشتاق ہوں جو بھی ان سے ملاقات کرے میرا سلام ان تک پہونچا دے" ۲ے

جس وقت لوگوںؒ "ذی قار" کے مقام پر حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کی اس وقت آپ نے فرمایا کہ کوفہ سے ایک ہزار (نہ ایک کم نہ ایک زیادہ) سپاہی آئیں گے اور میری بیعت کریں گے......

جب وہ آگئے

ابن عباس نے سپاہیوں کو شمار کیا وہ ۹۹۹ تھے۔ انہیں بہت زیادہ تعجب ہوا کہ ایک کم کیوں ہے؟

کچھ ہی دیر گذری تھی کہ ایک شخص اونی لباس پہنے تلوار و سپر اور سارے جنگی سامان لئے حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا۔

میں زندگی کے آخری لمحات اور جاں نثاری کی آخری حد تک آپ کے ہاتھوں پر بیعت کرنا چاہتا ہوں۔

لہ ارشاد مفید ص ۱۵۲-۱۵۴ ۲ے سفینۃ البحار ج ۱ ص ۵۳

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا! تمہارا کیا نام ہے۔؟

● ___ اویس

● ___ تم وہی اویس قرنی ہو؟

● ___ جی ہاں۔

● ___ "اللہ اکبر" میرے آقا پیغمبر خداؐ نے مجھے خبر دی تھی کہ میں ان کے ایک پیرو کار کو دیکھوں گا جس کا نام اویس قرنی ہوگا۔ جو خدا اور رسول کے گروہ میں ہوگا اسے شہادت نصیب ہوگی اور بے شمار افراد کی شفاعت کرے گا۔[1]

ایسا ہی ہوا۔ حضرت علی علیہ السلام کی طرف سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے[2]

جناب اویس معنویت اور روحانیت کی بلند منزلوں پر فائز تھے عبادت سے خاص لذت ملتی تھی، دنیاوی چیزوں کی طرف کوئی توجہ نہ تھی۔[3]

جناب اویس کی روحانی بلندیاں ان کے کلمات سے ظاہر ہیں۔ فرماتے تھے۔

● خدائی قسم موت کا تصور اور آخرت کا خوف صاحب ایمان کو دنیا میں شادمانی کا موقع عطا نہیں کرتا۔

امر بہ معروف اور نہی از منکر کے سلسلے میں ہمیں گالیاں دیتے ہیں۔ تہمت لگاتے ہیں ان تمام باتوں کے باوجود ہم صرف خدا کے لئے کام کرتے ہیں[4]

جناب قنبر بھی ان آزاد لوگوں میں شامل ہیں جن پر پیغمبرؐ اور علیؑ کے

---

[1] ارشاد مفید ص ۱۴۹۔ [2] اسد الغابہ ج ۱ ص ۱۵۲۔ [3] اعیان الشیعہ ج ۱۳ ص ۹۳-۸۱ طبع دوم۔ [4] سفینۃ البحار ج ۱ ص ۵۵

کردار کی شعاعیں پڑیں اور ذرہ آفتاب بن کر چمکنے لگا۔

راہ راست پر چلنے اور حق بات کہنے سے انہیں کوئی خوف و ہراس نہ تھا۔ دنیا والوں کی نظر میں وہ صرف ایک غلام تھے لیکن معنویت کے اس بلند درجہ پر فائز تھے کہ حضرت علیؑ کے رازداں ہو گئے۔

حجّاج بن یوسف (تاریخ ستمگری کا خون آشام حکمراں) سے گفتگو کرتے وقت جناب قنبر نے جو حقائق میں ڈوبے کلمات ادا کئے ہیں وہ آج بھی تاریخ کے دامن میں محفوظ ہیں ــــ

حجاج نے پوچھا۔

- ــــ تم علیؑ کی خدمت میں کیا کرتے تھے ــــ؟
- ــــ میں ان کے لئے وضو کا پانی لاتا تھا۔
- ــــ وضو کرنے کے بعد وہ کیا کہتے تھے؟
- ــــ اس آیت کی تلاوت کرتے تھے۔ کہ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ......

جب انہوں نے ہماری یاد آوریوں کو بھلا دیا ہم نے تمام دروازے ان کے لئے کھول دیئے تاکہ وہ ہماری چیزوں سے لطف اندوز ہونے لگیں (اسوقت) ہم انہیں یکبارگی گرفتار کرلیں گے، سر جھکائے ہوئے، مایوس و ناامید ان کے پاس کوئی دلیل و عذر نہ ہوگا۔ جن لوگوں نے ظلم و ستم کیا ہے ان کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ...... [1]

---

[1] سورہ انعام آیت ۴۵ ـ ۴۴

● ـــ میرا خیال یہ ہے کہ وہ اس آیت کی تاویل ہمارے اوپر کرتے تھے۔
قنبر نے شجاعت و شہامت کے ساتھ کہا۔

● ـــ ہاں یقیناً۔

● ـــ اگر تمہیں قتل کروں تو کیا کرو گے؟

● ـــ میں سعادت مند ہو جاؤں گا اور تم سخت نقصان اٹھاؤ گے۔ [1]

● ـــ اپنے مولا علیؑ سے بیزاری کا اعلان کرو۔

● ـــ اگر میں ان کے دین سے بیزار ہو جاؤں تو کیا تم ان کے دین سے بہتر اور دین بتا سکتے ہو۔؟

(حجاج نے اس سوال کا کوئی جواب نہ دیا اور کہا)
میں تمہارا قاتل ہوں جس طرح کہو اس طرح تمہیں قتل کروں۔

● ـــ اس سلسلے میں تمہیں اختیار دیتا ہوں۔

● ـــ کیوں؟

● ـــ اس لئے کہ جس طرح تم یہاں مجھے قتل کرو گے۔ اسی طرح آخرت میں میں تمہیں قتل کروں گا۔

میرے مولا حضرت علی علیہ السلام نے مجھے خبر دی ہے کہ مجھے ناحق قتل کیا جائے گا۔

حجاج نے حکم دیا ـــ اور جناب قنبر کا سر قلم کر دیا گیا۔ [2]

---

[1] بحار ج ۴۲ ص ۱۳۶ - ۱۳۵۔ [2] ارشاد مفید ص ۱۵۵

حضرت امیر المومنین علی بن ابیطالب علیہ السلام

جانشینِ پیغمبرؐ [1]

شیعہ اثنا عشری کا عقیدہ یہ ہے کہ رسولِ خداؐ کے بعد امت اسلامیہ کی قیادت اور رہبری علی علیہ السلام اور ان کے بعد ان کے بعد گیارہ معصوم فرزندوں کا حق ہے۔ اور اس عقیدہ کی صحت پر آفتاب کی طرح ایسی روشن اور واضح دلیلیں موجود ہیں کہ انصاف پسند کے لئے شک و تردید کی گنجائش نہیں ہے۔

جناب جابر بن عبداللہ انصاری رسولِ خداؐ کے خاص اصحاب میں ہیں آپ فرماتے ہیں کہ جس دن آیۂ اطاعت خدا، رسول اور اولی الامر نازل ہوئی [2] میں نے رسولِ خداؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ خدا اور اس کے رسول کو پہچانتا ہوں لیکن اولی الامر سے کون افراد مراد ہیں۔؟

---

[1] الغدیر اور علامہ امینی: غدیر کے موضوع پر عالمی کتاب "الغدیر" جو حضرت علامہ مجاہد شیخ عبدالحسین امینی علیہ الرحمہ کی انتھک کوششوں کا نتیجہ ہے۔ یہ کتاب علامہ امینی کی ساری زندگی کی تلاش و جستجو کا ماحصل ہے یہ کتاب عربی میں ہے اور ابھی تک گیارہ جلدیں چھپ چکی ہیں کتاب کی سلاست آب سبیل کی طرح اور مطالب کا استحکام پہاڑوں کی طرح علمائے اہلسنت کے بقول اس کتاب نے تشیع کی حقانیت ثابت کردی اور تعصب کی وہ خلیج پاٹ دی جو ان دونوں فرقوں کے درمیان تھی۔ علامہ امینی پر ہمیشہ اللہ کی بے شمار نعمتیں نازل ہوں۔ اس سبق میں الغدیر سے کافی استفادہ کیا گیا ہے۔ [2] اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم سورۂ نساء آیۂ ۵۹

فرمایا:۔ وہ سب امام ہیں اور میرے جانشین ہیں۔ سب سے پہلے حضرت ابوطالب کے فرزند علی ہیں اس کے بعد حسن حسین، علی بن الحسین، محمد بن علی، توریت میں انکا نام باقر مرقوم ہے اور اے جابر تم ان سے ملاقات کروگے اس وقت ان کی خدمت میں میرا سلام پہونچا دینا۔ اور ان کے بعد جعفر بن محمد الصادق، موسیٰ بن جعفر، علی بن موسیٰ، محمد بن علی، علی بن محمد، حسن بن علی اور آخر میں حسن بن علی کے فرزند ہوں گے جن کا نام میرا نام اور جن کی کنیت[1] میری کنیت ہوگی[2] یہ[3]

پہلے امام

کوئی بھی سماج کسی بھی وقت ایک رہبر کی قیادت سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ ہر وقت اور ہر جگہ معاشرہ کو رہنما کی ضرورت ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جس پر سب ہی متفق ہیں۔ اس حقیقت کو بنیاد بناتے ہوئے بات کو آگے بڑھاتے ہیں۔

اگر رہنما کو معاشرہ کا درد ہے اور وہ معاشرے کی بقا کا خواہاں ہے تو معاشرے کی حفاظت اس کا فریضہ ہے۔ اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے اور اپنے علم، قدرت اور دور اندیشی کے سہارے معاشرے کے حال اور مستقبل بعید کی بھی فکر کرے، سماج کی فلاح و بہبود اور کامیابی و سعادت کیلئے جامع منصوبہ پیش کرے۔

---

[1] عربی زبان میں وہ نام جس میں پہلے "اب" یا "ام" لگا ہو اس کو کنیت کہتے ہیں۔ [2] پیغمبر اسلامؐ کا نامؐ "محمد" اور کنیت "ابوالقاسم" ہے۔ [3] منتخب الاثر ص ۱۰۱ نقل از کفایۃ الاثر" مولف نے پیغمبر اسلامؐ سے اس طرح کی ۵۰ حدیثیں نقل کی ہیں جس میں بارہ اماموں کے نام بتائے گئے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ جب کوئی رہنما یا حکمراں مسافرت کرتا ہے تو چند دِن کی عدم موجودگی کے لئے بھی اپنا نائب معین کرتا ہے۔

خاندان کا بزرگ، مدرسہ کا پرنسپل، کارخانہ کا مالک اپنی مختصر سی غیبت میں اپنا جانشین معین کرتا ہے۔ اور اپنی عدم موجودگی کے زمانے میں اپنے جانشین کی اطاعت اور فرمانبرداری کا دوسروں کو حکم دیتا ہے۔ یہ بات اس قدر واضح ہے کہ اس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔

دُور اندیش اور دِل سوز پیغمبرؐ

پیغمبر اکرمؐ جو اسلامی سماج کے رہنما اور قائد تھے ان کی بھی روش یہی تھی۔ جو لوگ اسلام قبول فرماتے تھے ان کی تعداد کتنی مختصر کیوں نہ ہو پیغمبر اکرمؐ ان کے لئے ایک رہنما ضرور معین فرماتے تھے۔ اسی کے ذریعہ احکام نافذ ہوتے تھے۔

لشکر کو جہاد کے لئے روانہ کرتے وقت سردار معین فرماتے تھے اور کبھی کئی سردار معین فرماتے تاکہ اگر ایک شہید ہو جائے تو لشکر بغیر سردار کے نہ رہے اور دوسرا اس کی جگہ لے لے۔

ہمارے سامنے ایسے نام بھی ہیں کہ جب پیغمبر اکرمؐ مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تھے تو انہیں مدینہ میں اپنا جانشین مقرر کرتے تھے۔ تاکہ آنحضرتؐ کی عدم موجودگی میں مدینہ بغیر رہنما کے نہ رہے۔ [1]

شیعوں کا کہنا ہے کہ:۔ اس عقلی دلیل کی روشنی میں یہ بات کیونکر ممکن

---

[1] وہ کتابیں جو تاریخ اسلام پر لکھی گئی ہیں جیسے سیرۃ ابن ہشام وغیرہ ان کی طرف رجوع کیا جائے۔

ہے کہ پیغمبر اکرمؐ دنیا سے رحلت فرمائیں اور اپنا کوئی جانشین معین نہ فرمائیں؟

- ___ مندرجہ ذیل باتوں میں عقل کس کی تائید کرتی ہے۔
- ___ پیغمبر اکرمؐ کی رحلت کے بعد اسلامی سماج کو رہنما کی ضرورت نہ تھی۔ یا۔
- ___ پیغمبر اکرمؐ اپنے انتقال کے بعد اسلامی معاشرے کی اہمیت کے قائل نہ تھے۔ یا۔
- ___ معاشرے سے آنحضرتؐ کی دلچسپی ختم ہوگئی تھی ___ یا ___ کسی کو جانشینی کے لائق نہیں پاتے تھے ___

ان باتوں میں کونسی بات صحیح ہے اور کون عقل کی کسوٹی پر پوری اترتی ہے۔

پیغمبر اکرمؐ کے دل میں امت کا جو درد تھا۔ امت کے مسائل میں کس طرح ان کے شریک حال رہتے تھے اور ان کی مشکلات کے حل میں کتنا زیادہ کوشاں رہتے تھے۔ جگہ جگہ رہنما اور سردار معین فرماتے تھے۔ ایسی صورت میں کیونکر ممکن ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے اتنے عظیم مسئلہ سے چشم پوشی فرمائی ہو۔

ان حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے شیعوں نے تاریخ اسلام کے ابتدائی مآخذ کی چھان بین شروع کی۔ اس جستجو میں ایسی بے پناہ چیزیں دریافت ہوئیں جس سے واضح ہوگیا کہ پیغمبر اکرمؐ نے جانشینی کے سلسلے میں کتنے روشن نقوش اور احکام صادر فرمائے ہیں۔

جیسے۔ آیۃ ولایت، حدیث غدیر، حدیث سفینہ، حدیث ثقلین، حدیث حق حدیث منزلت، حدیث دعوت ذوالعشیرہ، اور بہت ساری چیزیں جو معتبر کتابوں میں تفصیل تحقیق سے موجود ہیں۔ آپ کی انصاف پسندی پر بھروسہ کرتے ہوئے صرف حدیث غدیر کا ذکر کرتے ہیں۔

حدیث غدیر

سن ۱۰ ہجری میں پیغمبر اکرمؐ نے حج کی نیت سے مکہ کا سفر کیا۔ پیغمبر اکرمؐ

نے یہ حج اپنی زندگی کے آخری ایام میں انجام دیا۔ اسی لئے تاریخ میں اس حج کو "حجۃ الوداع" یعنی "الوداعی حج" کہا جاتا ہے۔

عاشقان نبوت ورسالت جو اس تاریخی سفر میں پیغمبر کے ہمسفر تھے اور اعمال حج کی جزئیات معلوم کرنا چاہتے تھے مورخین نے ان کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار بتائی ہے۔ اور کافی لوگ مکہ میں آپؐ سے ملحق ہوئے۔

فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد جب پیغمبر اسلامؐ مدینہ واپس تشریف لا رہے تھے۔ ذی الحجہ کی اٹھارہ تاریخ کو "غدیر خم" میں یہ آیت نازل ہوئی۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ — (سورہ مائدہ آیۃ ۶۷)

اے پیغمبرؐ وہ بات پہونچا دیجئے جو آپ کے پروردگار نے آپ پر نازل فرمائی ہے۔ اگر نہیں پہونچایا تو اس کی رسالت کو انجام نہیں دیا۔ خدا آپ کو لوگوں کے "شر" سے محفوظ رکھے گا۔

معلوم ہو رہا ہے کہ ایک عظیم اور مہم پیغام کو پہونچانے کی ذمہ داری خدا کی طرف سے پیغمبرؐ پر عائد کی گئی ہے۔

لوگ آپس میں آہستہ آہستہ باتیں کر رہے ہیں۔

خدا نے حکم دیا ہے......

سب خدا کے حکم کا بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں۔

اسی درمیان پیغمبرؐ حکم دیتے ہیں کہ یہیں سفر روک دیا جائے اور آنے والوں کا انتظار کیا جائے حکم کے مطابق عمل کیا جاتا ہے۔ کاروان ٹھہرتا ہے۔

لوگ حکم سننے کے لئے کھڑے ہوئے ہیں۔ اور غدیر خم کا طویل و عریض، بے آب وگیاہ جلتا اور جھلستا ہوا میدان ہے۔

دوپہر کا وقت ہے اور آفتاب پوری طاقت سے گرمی برسا رہا ہے۔

آخر وہ کون سا پیغام ہے جس کے لئے ایسے ہنگامی وقت میں لوگوں کو روکے رکھا ہے۔ تمازت آفتاب سے لوگ جھلسے جا رہے ہیں۔

اتنے میں اذان کی آواز سنائی دی۔ پیغمبر کی امامت میں نماز جماعت سے ادا کی گئی۔ اونٹوں کے کوہان سے ایک بلند جگہ بنائی گئی۔ پیغمبر اکرمؐ وہاں تشریف لے گئے لوگ دم بخود پیغمبر اکرمؐ پر نظر جمائے ہوتے تھے، سینوں میں سانس رکی ہوئی تھی۔ صحرا کے ذروں کی طرح لوگ خاموش کھڑے تھے پیغمبر کی آواز پر کان دھرے تھے۔

پیغمبر اکرمؐ کی زبان مبارک پر جو الفاظ جاری تھے ان میں دلنواز چشمے کی روانی بھی تھی خنکی کے ساتھ ساتھ مٹھاس بھی سننے والے ان الفاظ سے اپنے جگر کی پیاس بجھا رہے تھے۔ — خدا کی حمد وثنا کے بعد پیغمبر اکرمؐ نے ارشاد فرمایا

- — ہم اور تم دونوں ہی ذمہ دار ہیں[1] — تم کیا کہتے ہو۔؟
- — ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے خدا کا پیغام ہم تک پہونچایا اور اس راہ میں بے شمار زحمتیں برداشت کیں۔ خدا آپ کو بہترین اجر عطا فرمائے۔
- — کیا تم لوگ خدا کی وحدانیت اور اس کے بندے محمدؐ کی رسالت کے گواہ نہیں ہو؟

---

[1] پیغمبر کی ذمہ داری پیغام پہونچانا ہے اور اس پر عمل کرنا لوگوں کی ذمہ داری ہے۔

● ـــ جنت، دوزخ، موت، حشر اور قیامت کے معتقد نہیں ہو۔؟

● ـــ ہم ان سب باتوں کا اقرار کرتے ہیں اور ان کی حقانیت کی گواہی دیتے ہیں۔

● ـــ خدایا گواہ رہنا ـــ اس کے بعد لوگوں کی طرف رخ کر کے ارشاد فرمایا:

● ـــ لوگو! ـــ ہم ایک دوسرے سے کوثر کے کنارے ملاقات کریں گے ـــ دیکھنا ہے کہ میرے بعد، لوگ "دو گراں بہا" چیزوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو!

● ـــ اے رسولِ خدا وہ "دو گراں بہا" چیزیں کیا ہیں؟

● ـــ **خدا کی کتاب اور میرے اہل بیت۔** مجھے خدا نے یہ خبر دی ہے کہ دونوں اس وقت تک ایک دوسرے سے جدا نہیں ہونگے جب تک کوثر پر مجھ سے ملاقات نہ کرلیں ـــ دیکھو کبھی ان پر سبقت حاصل کرنیکی کوشش نہ کرنا ورنہ ہلاک ہوجاؤ گے، اور اگر ان سے الگ رہو گے تب بھی ہلاک ہوجاؤ گے۔

اس کے بعد حضرت علی علیہ السلام کو ہاتھوں پر بلند کرتے ہیں تاکہ تمام لوگ انہیں دیکھ لیں اور پہچان لیں اس کے بعد اپنی جانشینی کا آسمانی پیغام اس طرح سناتے ہیں کہ:۔

اَیُّھَا النَّاسُ مَنْ اَوْلَی النَّاسِ بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ۔
لوگو! مومنین سے کس کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ ان کا سرپرست، ولی اور حاکم ہو اور سب سے زیادہ حق رکھنے والا ہو۔

● ـــ خدا اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔

● — خدا کو مجھ پر ولایت حاصل ہے اور مجھے مومنوں پر خود ان سے زیادہ اختیارات حاصل ہیں۔

لہٰذا:۔

مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَهٰذَا عَلِيٌّ مَوْلَاهُ [1]

جس کا "میں" ولی اور سرپرست ہوں اس کے "یہ علیؑ" بھی ولی و سرپرست ہیں۔

میرے پروردگار۔ — ان کے دوستوں کو دوست رکھ، اور انکے دشمنوں کو دشمن، جو ان کی مدد کرے تو اس کی مدد فرما۔ اور جو ان سے برسرپیکار ہو تو بھی اس سے جنگ کر۔

جو لوگ اس وقت یہاں موجود ہیں ان کی ذمہ داری ہے کہ دوسروں تک اس پیغام کو پہونچا دیں ابھی لوگ منتشر نہیں ہوئے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا — (سورہ مائدہ آیہ ۳)

آج کے دن تمہارے دین کو کامل اور تم پر نعمتیں تمام کر دیں۔ اور راضی وخوشنود ہوں کہ تمہارا دین اسلام ہو۔ اس کے بعد پیغمبر اکرمؐ نے تکبیر کہی۔

"اَللّٰهُ اَكْبَرُ

خدا کا دین کامل ہو گیا۔ خدا میری رسالت اور میرے بعد علیؑ کی امامت سے راضی وخوشنود ہو گیا۔"

اس کے بعد لوگوں نے علی علیہ السلام کی خدمت میں مبارکباد پیش کی۔

---

[1] اہل سنت کے بلند مرتبہ عالم "احمد بن حنبل" کی روایت کے مطابق اس جملہ کو پیغمبرؐ نے چار مرتبہ دہرایا۔

مبارکباد پیش کرنے والوں میں جو لوگ پیش پیش تھے وہ تھے ابوبکر اور عمر جو یہ کہہ رہے تھے۔ بَخٍ بَخٍ لَکَ یَا عَلِی اَصْبَحْتَ مَوْلَائِیْ وَمَوْلٰی کُلِّ مُؤْمِنٍ وَمُؤْمِنَۃٍ۔ مبارک ہو مبارک ہو۔ اے علی آپ میرے بھی مولا ہو گئے اور ہر مومن و مومنہ کے بھی مولا ہو گئے۔ [1]

حدیث غدیر کی سند

یہ حدیث راویوں کے تسلسل کے لحاظ سے اس درجہ مستحکم ہے کہ اس طرح کی کم حدیثیں ملتی ہیں۔

۱۱۰ وہ اصحاب جو غدیر خم میں موجود تھے انہوں نے بغیر کسی واسطے کے یہ حدیث پیغمبر اکرمؐ سے روایت کی ہے [2] اور ۸۴ تابعین نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے [3]

انصاف پسند اہل سنت دانشور اور علماء نے خواہ وہ مورخ ہوں یا مفسر قرآن ...... سب نے اپنی اپنی کتابوں میں واقعہ غدیر کو تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ الغدیر میں اس طرح کے ۳۵۰ علماء کا ذکر موجود ہے۔

متعدد علماء نے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ علامہ امینی نے "الغدیر" میں اس طرح کے ۲۶ علماء اہلسنت کا ذکر کیا ہے اور ان کتابوں کی خصوصیت بھی ذکر کی ہے۔

لغت لکھنے والوں نے بھی لفظ "الغدیر" کے تحت واقعہ غدیر لکھا ہے۔

---

[1] الغدیر ج ا ص ۹-۱۱ [2] الغدیر ج ا ص ۱۴-۶۱ [3] الغدیر ج ا ص ۶۲-۷۲، تابعین وہ لوگ ہیں جنہوں نے خود پیغمبر اکرمؐ کو نہیں دیکھا بلکہ آنحضرت کے صحابہ کو دیکھا۔

اس طرح حدیث غدیر کی سند کے بارے میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے ہاں وہ لوگ ضرور انکار کر سکتے ہیں جو دن دو پہر۔ سورج کے منکر ہو جائیں۔

حدیث غدیر کا مفہوم

خود حدیث غدیر اور اس کے اطراف میں ایسے روشن شواہد موجود ہیں جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ حضرت علی علیہ السلام کو اپنا جانشین و خلیفہ معین کر رہے تھے۔ ذیل کی سطروں میں بعض شواہد مختصراً ذکر کرتے ہیں۔

(۱) اس حدیث میں جو "مولیٰ" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے وہ خود بہترین دلیل ہے۔

مولیٰ وہ شخص جسے ولایت، امامت، سرداری، حکمرانی، فرمانروائی اور جسے ہر ایک پر بالادستی ہو کیونکہ پیغمبر اکرمؐ نے اپنے لئے بھی یہی لفظ استعمال فرمایا ہے" مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ .... " خود پیغمبر اکرمؐ نے اپنے مولیٰ ہونے کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے کہ:۔

أَيُّهَا النَّاسَ مَنْ أَوْلَى النَّاسَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ

لوگو! کس کو سب پر بالادستی اور سب سے زیادہ اختیارات حاصل ہیں؟

پیغمبر اکرمؐ کی اَوْلَوِیَّت کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کے حکم کو ہر ایک حکم پر اور پیغمبرؐ کی مرضی کو ہر ایک کی مرضی پر فوقیت حاصل ہے پیغمبرؐ کا حکم واجب العمل ہے اور اس کی اطاعت ضروری ہے۔ پہلے جملے میں پیغمبرؐ کی جو اولویت واضح کی گئی ہے اسی اَوْلَوِیَّت کی طرف دوسرے جملہ میں اشارہ کیا گیا ہے تاکہ دونوں جملوں کا آپس میں ربط برقرار رہے اور کلام پیغمبرؐ بے ربط نہ ہونے پائے۔

اس جملے سے جو مفہوم ذہن میں آتا ہے وہ اس طرح ہے۔ کہ پیغمبرؐ نے فرمایا:۔
کیا مجھے تمہاری بہ نسبت خود تم پر زیادہ اختیارات حاصل نہیں ہیں؟ سب نے کہا "یقیناً آپ کو ہم پر ہم سب سے زیادہ اختیارات حاصل ہیں" اس وقت پیغمبر اکرمؐ نے ارشاد فرمایا جو اختیارات مجھے تم پر حاصل ہیں وہی تمام اختیارات میرے بعد علیؑ کو حاصل ہیں۔ علیؑ تمام مسلمانوں کے مولیٰ اور میرے جانشین ہیں۔

اس حدیث میں اس کے علاوہ مولیٰ کا کوئی اور مفہوم مراد نہیں لیا گیا ہے بقیہ دوسرے تمام معانی بے ربط ہیں ـــــــ اس چلچلاتی دوپہر میں پیغمبرؐ کا قافلہ کو روکنا اور اس دھوپ میں وہاں ٹھہرنا اس واقعہ کی عظمت اور تاریخی حیثیت کو واضح کر رہا ہے ـــــ اگر بات اتنی زیادہ اہم نہ ہوتی تو ہرگز پیغمبر لوگوں کو اس طرح نہ روکتے ـــــ اور یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ پیغمبرؐ اتنے بڑے قافلہ کو ایسی جگہ صرف یہ بتانے کے لئے روکیں کہ "علی میرے دوست ہیں"

(۲) پیغمبر اسلامؐ نے اس کے بعد یہ جملہ ارشاد فرمایا "خدایا جو علیؑ کی مدد کرے تو بھی اس کی نصرت فرما اور جو علیؑ کی مدد نہ کرے اسے اپنی رحمت سے محروم رکھ۔"

پیغمبرؐ کو معلوم تھا کہ ان کے بعد اسلام کی تبلیغ اور نشر و اشاعت کے لئے ضروری ہے کہ علیؑ کے ہاتھ مضبوط ہوں۔ علیؑ کے پاس قدرت و طاقت ہو، لوگ ان کے ساتھ رہیں تاکہ اسلام پھیل سکے اور اسلامی حکومت کو استحکام حاصل ہو۔ حکومت کے استحکام کے لئے جہاں عادل رہنما کی ضرورت ہے وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ لوگ مکمل اس کی اطاعت کریں اس کے حکم کی نافرمانی نہ کریں اور پیغمبرؐ کے جانشین کی بہ بات کو اپنی تمام باتوں پر ترجیح دیں۔ اسی لئے پیغمبرؐ نے

علیؑ کے دوستوں کے حق میں دعا اور ان کے دشمنوں کے لئے بد دعا کی تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ علیؑ کی مخالفت خدا کے غضب اور پیغمبرؐ کی لعنت کا سبب ہے۔

(۳) پیغمبر اسلامؐ نے خطبہ کی ابتدا میں ارشاد فرمایا ہے کہ:-

کیا تم لوگ خدا کی وحدانیت اور اس کے بندے محمدؐ کی رسالت کی گواہی نہیں دیتے ہو؟ سب نے کہا بے شک ہم تصدیق کرتے ہیں۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے فرمایا "تمہارا ولی اور حاکم کون ہے؟ —— اس کے بعد ارشاد فرمایا "جس کا میں ولی اور حاکم ہوں علیؑ بھی اس کے ولی اور حاکم ہیں"

خدا کی وحدانیت اور پیغمبرؐ کی رسالت کے بعد علی علیہ السلام کی ولایت کا تذکرہ اس بات کی دلیل ہے کہ ولایت سے حضرت علیؑ کی امامت مراد ہے۔ اگر امامت کے علاوہ ولایت کا کوئی اور مفہوم لیا جائے تو جملوں میں ربط باقی نہیں رہے گا۔ سب جانتے ہیں کہ پیغمبرؐ سب سے زیادہ فصیح و بلیغ تھے اس لئے یہ بات بالکل نامناسب ہے کہ پیغمبرؐ ایسے جملے ارشاد فرمائیں جس میں آپس کوئی ربط نہ ہو۔

(۴) پیغمبر اسلامؐ کے اعلان کے بعد لوگ حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں مبارکباد پیش کر رہے تھے —— یہ مبارکباد یہ تہنیت اس وقت صحیح ہوگی جب یہ تسلیم کیا جائے کہ حضرت علی علیہ السلام کو خدا اور رسول کی طرف سے ایک بلند اور عظیم منصب ملا تھا۔ ورنہ معمولی سی بات کے لئے اس طرح کی مبارکبادیں کچھ بھلی نہیں معلوم ہوتیں۔

(۵) یَا اَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔ (سورہ مائدہ آیت ۶۷)

اے پیغمبرؐ:۔ پہونچا دیجئے اس چیز کو جسے آپ کے رب نے آپ پر نازل کیا ہے۔ اور اگر آپ نے نہیں پہونچایا تو آپ نے اس کی رسالت کو انجام نہیں دیا اور اللہ آپ کو لوگوں کے (شر) سے محفوظ رکھے گا۔

اہل سنت کے علماء گواہ ہیں کہ یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کی جانشینی کے سلسلے میں غدیر کے دن نازل ہوئی ہے ۔۔۔ [۱]

نمونے کے لئے اسلام کے عظیم مورخ اور مفسر اور اہل سنت کے بلند پایہ عالم "حافظ ابوجعفر محمد بن جریر طبری" کا بیان نقل کرتے ہیں۔

"......... جب غدیر خم میں یہ آیت نازل ہوئی پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا کہ خدا کی طرف سے جبرئیل پیغام لائے ہیں کہ میں یہیں ٹھہروں اور ہر سیاہ فام وسفید فام کو یہ بتا دوں کہ ابوطالب کے فرزند علیؑ۔ میرے بھائی، میرے جانشین اور میرے بعد اس امت کے امام ہوں گے ....." [۲]

(۶) وہ اشعار وقصائد جو اس وقت سے آج تک غدیر اور حضرت علیؑ کی جانشینی کے موضوع پر لکھے گئے ہیں۔ ان اشعار وقصائد کی جو ادبی اہمیت ہے وہ ایک مستقل حیثیت ہے اس کے علاوہ یہ اشعار ہمارے موضوع پر بھرپور دلیل ہیں۔ کیونکہ ان شعراء نے خطبۂ غدیر کو خطبہ ولایت اور جانشینی سمجھ کر اسکی توضیح وتفسیر کی ہے۔

یہ اشعار اور ان شعراء کے تذکرے تاریخ کے دامن میں محفوظ ہیں۔

---

[۱] علامہ امینی نے "الغدیر" میں علماء اہل سنت کے ۳۰ ایسے علماء کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے یہ اعتراف کیا ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ [۲] الغدیر ج ۱ ص ۲۱۴ نقل از کتاب الولایہ طبری

وہ افراد جو عربی ادب سے واقفیت رکھتے ہیں وہ "الغدیر" کا مطالعہ کریں۔ اس کتاب میں پہلی صدی سے آج تک کے اشعار اور شعراء کے تذکرے ترتیب وار مذکور ہیں۔ اور ان پر نقد و تبصرہ بھی کیا گیا ہے۔

(۷) پیغمبر اسلامؐ اور ہمارے ائمہ علیہم السلام نے ۱۸ ذالحجہ کو اسلام اور مسلمانوں کی ایک عظیم عید شمار کیا ہے تاکہ ہر سال غدیر کا واقعہ شد و مد کے ساتھ دہرایا جاتا رہے۔ پانچویں صدی کے مشہور و معروف عالم "ابوریحان بیرونی" نے اپنی کتاب "آثار الباقیہ" میں "ابن طلحہ شافعی" نے اپنی کتاب "مطالب السؤل" میں غدیر کے دن کو اسلام کی عید شمار کیا ہے۔ اسی طرح مشہور ادیب اور دانشور "ابو منصور ثعالبی" نے اپنی کتاب "ثمار القلوب" میں شب غدیر کو اسلام کی باعظمت شبوں میں شمار کیا ہے۔

(۸) مناظرے ــــــ جب کبھی حضرت علی علیہ السلام یا دوسرے ائمہ علیہم السلام نے حدیث غدیر کو خلافت وجانشینی وامامت کے سلسلے میں دلیل کے طور پر مخالفین کے سامنے پیش کیا تو کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ اس حدیث کا تعلق خلافت سے نہیں ہے۔ بلکہ ہر ایک نے حدیث غدیر کے استدلال کے مقابلے میں خاموش رہ کر حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کو تسلیم کیا ہے۔ [۱]

ایک مرتبہ حضرت علی علیہ السلام نے کوفہ میں خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: تمہیں خدا کی قسم دے کر سوال کرتا ہوں تم میں سے جس نے بھی غدیر کے دن پیغمبر اکرمؐ کی زبانی میری خلافت اور جانشینی کے بارے میں سنا ہو وہ کھڑا ہو جائے ہاں صرف وہی لوگ سامنے آئیں جنہوں نے خود اپنے کان سے

---

[۱] الغدیر ج ۱ ص ۱۵۹ سے۔

پیغمبرؐ کو فرماتے سنا ہو۔ وہ لوگ ہرگز نہ اٹھیں جنہوں نے دوسروں کی زبانی واقعہ غدیر سنا ہو ـــــــــ یہ سن کر کافی لوگ کھڑے ہوئے۔

اہلسنت کے بزرگ عالم "امام احمد بن حنبل" کا بیان ہے۔ اس دن جو لوگ سامنے آئے ان کی تعداد تیس[۳۰] تھی جنہوں نے حدیث غدیر کی تصدیق کی۔

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ اس وقت واقعہ غدیر کو ۲۵ سال گذر چکے تھے۔ اور اصحاب کی کافی تعداد کوفہ میں نہیں تھی۔ کافی صحابہ کا انتقال ہوچکا تھا اور کافی لوگوں نے شخصی اغراض کی بنا پر گواہی نہیں دی تھی۔

جس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام نے مکہ کے اسلامی اجتماع میں تقریر فرمائی اس وقت ...، صحابہ اور تابعین موجود تھے [۱] اس تقریر میں امام علیہ السلام نے فرمایا:۔

"...... تمہیں خدا کی قسم۔ کیا تم نہیں جانتے کہ پیغمبرؐ نے غدیر میں علیؑ کو خلافت اور ولایت کے لئے منتخب فرمایا تھا اور فرمایا تھا کہ حاضرین کی ذمہ داری ہے کہ اس خبر کو ان تک ضرور پہونچائیں جو یہاں نہیں ہیں"..... ؟

سب نے یک زبان ہو کر کہا: ـــــــ خدا گواہ ہے کہ واقعہ بالکل اسی طرح ہے۔ [۲]

اس سبق کے اختتام پر اس تقریظ کا اقتباس نقل کر رہے۔ جو شہر حلب کے بلند پایہ سنّی عالم اور وہاں کے امام جمعہ "شیخ محمد ودوح" نے "الغدیر" پر لکھی ہے۔

---

[۱] ان میں ۲۰۰ صحابہ تھے [۲] الغدیر ج ا میں ص ۱۵۹ ـ ۲۱۳ تک اس طرح کے ۲۲ مناظر اور استدلات پیش کئے گئے ہیں۔

"...... الغدیر کتاب نے حقیقتوں کو استوار کیا اور خرافات کو نیست و نابود۔ وہ چیزیں ثابت کی ہیں جو ہم نہیں جانتے تھے۔ اور ان باتوں کو باطل قرار دیا جنہیں ہم اپنی جہالت کی بنا پر کلیجے سے لگائے ہوئے تھے۔

گذشتہ واقعات کچھ اس طرح پیش آئے تھے کہ ہم ان کے بارے میں کبھی سوچتے بھی نہیں تھے اور ان کے اسرار و رموز سے بالکل بے خبر تھے۔ جب کہ ضروری تھا کہ ہم گذشتہ واقعات سے درس حاصل کرتے اور تاریخی واقعات کو حقائق کی بنیاد پر رکھتے اور انہیں حقائق کی بنیاد پر اپنے عقائد و افکار کی عمارت تعمیر کرتے......"

آپ نے دیکھا کہ الغدیر سے پہلے لوگ کس طرح حقائق سے بے خبر تھے اور غدیر کے سلسلے میں سنی علماء کی معلومات کس حد تک تھیں۔ الغدیر کے بعد علماء اپنے کو ایک ایسے سمندر کے کنارے پاتے ہیں جہاں واضح دلیلیں اور روشن براہین موجیں مار رہے ہیں ــــــ الغدیر کے مطالعہ کے بعد ہر ایک یہی کہتا ہے کہ "سورج کی روشنی چھپنے والی نہیں ہے۔"

شوریٰ

تمام مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ پیغمبر اسلامؐ معصوم ہیں اور آپکا قول خدا کا قول اور آپ کی مرضی خدا کی مرضی ہے۔ اور اگر ایسا نہ ہوتا تو خداوندِ عالم بغیر کسی قید و شرط کے آپ کی اطاعت اور پیروی کا حکم نہ دیتا۔ لہٰذا پیغمبرؐ کا حکم خدا کا حکم ہے اور اس کی اطاعت ہر ایک پر واجب ہے۔

اس کے علاوہ آیتوں میں ملتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ ــــــ خدا کا سلام ہو ان پر ــــــ کو لوگوں پر حاکمیت حاصل ہے اور آپ کا حکم ہر ایک کی مرضی اور اس کی خواہش پر فوقیت رکھتا ہے اور اجتماعی مسائل میں آپ کا فیصلہ واجب العمل ہے۔

ان آیتوں میں سے بعض یہ ہیں۔

(۱) اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ

مومنین کی بہ نسبت نبی کو ان پر زیادہ اختیارات حاصل ہیں۔

(۲) وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَۃٍ اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَہُمُ الْخِیَرَۃُ مِنْ اَمْرِہِمْ (سورۂ احزاب آیۃ ۳۶)

جب خدا اور اس کا رسول کسی مسئلے میں کوئی فیصلہ کریں تو کسی بھی مومن مرد یا عورت کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ خود کوئی چیز اختیار کرے۔

ان آیات کی تفسیر پر غور کرنے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ

پیغمبرؐ کا حکم ہر صورت میں واجب العمل ہے خواہ وہ شخصی مسائل ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ دوسری آیت خود ایک شخصی مسئلہ میں نازل ہوئی ہے اور وہ ہے زینب کی شادی زید سے۔

عربوں میں ایک جاہلی رسم تھی کہ وہ بڑے اور ثروت مند خاندانوں کے علاوہ کہیں اور شادی نہیں کرتے تھے ــــــ پیغمبرؐ نے عربوں کی اس رسم کو توڑنے کے لئے اپنی پھوپھی زاد بہن زینب کی شادی اپنے آزاد کردہ غلام زید سے طے کی۔ جاہلی رسوم اس شادی کی اجازت نہ دے رہی تھیں اس وقت یہ آیت نازل ہوئی جس نے تمام جاہلی رسومات کو یکسر قلم زد کر دیا۔ اس موقعہ پر آیت نے نازل ہو کر واضح کر دیا کہ شخصی مسائل میں بھی پیغمبرؐ کا حکم نافذ ہے۔ [۱]

(۳) فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝ (سورۂ نساء آیت ۶۵)

قسم ہے آپ کے رب کی اس وقت تک ان کا ایمان حقیقی نہ ہوگا جب تک یہ اپنے مسائل و اختلافات میں آپ کو حاکم قرار نہ دیں اور آپ جو فیصلہ کریں اسے قبول کریں اور دل میں بھی اس کے خلاف کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور مکمل آپکے فیصلے کے سامنے تسلیم ہوں۔

کیا پیغمبرؐ اکثریت کے تابع ہیں

بعض علمائے اہلِ سُنّت کا عقیدہ یہ ہے کہ اکثریت کی رائے کو

---

[۱] تفسیر نور الثقلین ج ۴ ص ۲۸۰۔

پیغمبرؐ کی رائے پر فوقیت حاصل ہے اور پیغمبرؐ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اکثریت کی رائے کی پیروی کریں۔

گذشتہ آیتوں پر غور کرنے سے اس نظریہ کی حقیقت واضح ہوجاتی ہے اور اس کی بے ثباتی کا علم ہوجاتا ہے ـــــ اہل سنت نے اپنے اس نظریے کی تائید میں اس آیت کو دلیل بنایا ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۝ (سورہ آل عمران آیت ۱۵۹)

"یہ اللہ کی رحمت ہے کہ آپ نرم طبیعت کشادہ رو ہیں اگر آپ تند خو اور سنگدل ہوتے تو لوگ آپ کے پاس سے چلے جاتے ـــــ آپ ان سے درگذر کیجئے ان کے حق میں استغفار کیجئے اور ان سے مسائل میں مشورہ لیجئے۔ اگر آپ نے کسی کام کا ارادہ کرلیا ہے اللہ کے بھروسہ پر اسے انجام دیجئے یقیناً اللہ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اس پر بھروسہ کرتے ہیں"۔

اگر اکثریت کی رائے کا احترام ملحوظ خاطر نہ ہوتا تو کبھی بھی پیغمبرؐ کو لوگوں سے مشورہ کرنے کا حکم نہ دیا جاتا۔

اس دلیل کا جواب خود اسی آیت میں موجود ہے کہ پیغمبرؐ اکثریت کے تابع نہیں ہیں اجتماعی مسائل میں پیغمبرؐ ہی کو حاکمیت کا حق حاصل ہے۔ مشورے کے بعد بھی پیغمبرؐ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی رائے پر عمل کریں ـــــ کیونکہ ارشاد خداوندی یہ ہے کہ:۔

"...... ان سے مشورہ کیجئے اور اگر آپ نے خود کسی کام کا ارادہ کرلیا ہے تو اللہ کے بھروسہ پر کر ڈالئے......"

اگر دوسروں کی رائے کی پیروی مقصود ہوتی تو اس طرح ہونا چاہیے تھا کہ:

"...... جب اکثریت کسی بات پر متفق ہو جائے تو آپ بھی اسے قبول کیجئے اور اس کی پیروی کیجئے......" بلکہ آیت نے بالکل برخلاف حکم دیا ہے۔

اس کے علاوہ تاریخ میں ایسی مثالیں کافی ہیں جہاں اکثریت کی رائے کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ جیسے "صلح حدیبیہ[1] کے موقع پر ــــ

رسولِ خداؐ خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب آپ مکّہ کے قریب پہونچے۔ اس وقت کفار قریش کا ایک نمائندہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کفار کا پیغام آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کیا کہ کفار نے یہ طے کیا ہے کہ آپ مکہ تشریف نہ لائیں۔ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا ہم جنگ کرنے نہیں آئے ہیں بلکہ صرف زیارت کی غرض سے آئے ہیں۔

کافی گفت وشنید کے بعد قریش صلح کے لئے تیار ہو گئے ہیں پیغمبر اسلامؐ نے مخصوص شرائط کے ساتھ صلح کر لی مسلمانوں کو یہ صلح اچھی نہ لگی وہ یہ چاہ رہے تھے کہ طاقت کے بل بوتے مکہ میں داخل ہو جائیں۔[2]

آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا: "میں خدا کا بندہ ہوں اور اس کا رسول ہوں میں ہرگز خدا کے حکم کی نافرمانی نہیں کرسکتا ہوں اور نہ وہ مجھ سے دست بردار ہوگا۔"[3]

---

[1] یہ صلح "حدیبیہ" نامی جگہ پر واقع ہوئی تھی اس لئے اس کو صلح حدیبیہ کہتے ہیں۔

[2] سیرۃ ابن ہشام ج ۳ ص ۳۲۱ سے ــــ [3] تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۵۴۶ مطبوعہ لیدن۔

یہاں عقلی طور پر چند سوال ہو سکتے ہیں۔ کہ

پیغمبر اسلامؐ کو مشورے کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے اس کا مفہوم کیا ہے۔؟

پیغمبر اسلامؐ اس لئے مشورہ کرتے تھے تاکہ لوگوں کی فکر و نظر کا احترام ہو عقل کو ترقی کی راہ پر لگایا جائے اور اسلام کی تبلیغ میں نئی راہوں کی نشان دہی ہو۔ اور ان لوگوں کی روک تھام ہو سکے جو کارشکنی کرتے رہتے ہیں کیونکہ جب ان کو مشورے میں شامل کر لیا جائے گا تو وہ بھی اپنے کو شریک کار خیال کریں گے اور احساس کمتری کا شکار نہ ہو کر کارشکنی نہیں کریں گے۔ لیکن مشورں میں آنحضرتؐ اکثریت کے تابع نہیں تھے۔ اگر وہ کسی کی رائے پر عمل کرتے تھے وہ صرف اس لئے کہ وہی پیغمبرؐ کی رائے ہوتی تھی۔

کسی بھی معتبر کتاب میں نہیں ملتا کہ پیغمبرؐ نے اکثریت کی رائے کا اتباع کیا ہو اور اکثریت کی رائے کی بنیاد پر کوئی فیصلہ کیا ہو۔

کیا پیغمبرؐ کے بعد کسی شوریٰ کی تشکیل ہوئی

یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ پیغمبرؐ کی رائے اکثریت کی رائے کی تابع نہیں ہے۔ بلکہ اکثریت کی رائے پر پیغمبرؐ کی رائے کو برتری اور فوقیت حاصل ہے۔ پیغمبر اسلامؐ کا حتمی فیصلہ حضرت علی علیہ السلام کا انتخاب تھا جس کا اعلان آپ نے غدیر کے موقع پر فرمایا اور لوگوں کو پہنچوا دیا کہ میرے بعد میرا جانشین کون ہوگا۔

وفات پیغمبرؐ کے بعد پیغمبرؐ کے جانشین کے سلسلے میں رائے و مشورہ کرنا خدا اور رسول کی صریحی مخالفت ہے جس کی کوئی قیمت نہیں ہے ـــــ

اس حقیقت سے صرف نظر کرتے ہوئے آیئے دیکھیں کہ پیغمبرؐ کے بعد کسی شوریٰ

کی تشکیل ہوئی یا نہیں۔ اور اگر شوریٰ کی تشکیل ہوئی تو اس میں اکثریت تھی کہ نہیں۔

سب سے پہلے معتبر تاریخوں کی روشنی میں "سقیفہ بنی ساعدہ" کے واقعہ پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

سقیفہ بنی ساعدہ پر ایک نظر

جب پیغمبر اسلامؐ نے اس دنیا سے اپنی آنکھیں بند کرلیں اس وقت انصار "سقیفہ بنی ساعدہ" میں جمع ہوئے اور کہنے لگے :۔

پیغمبر اسلامؐ کے بعد حکومت وولایت "سعد بن عبادہ" کو سونپ دیتے ہیں۔ سعد اس وقت مریض ہونے کے باوجود وہاں موجود تھے ــــــ خدا کی حمد وثنا کے بعد کہنے لگے :۔

"........ اے انصار! اسلام میں تمہیں جو فضیلت اور منزلت حاصل ہے وہ کسی اور کو حاصل نہیں ہے۔ پیغمبرؐ ۱۳ سال تک مکہ میں قریش کے درمیان تبلیغ کرتے رہے انہیں بت پرستی سے منع کرتے اور توحید کی طرف بلاتے رہے مگر ایمان لانے والے صرف چند تھے اور وہ بھی اتنے کمزور تھے کہ پیغمبرؐ کی طرف سے دفاع نہیں کرسکتے تھے۔ یہاں تک کہ خدا نے تم پر احسان کیا اور پیغمبرؐ ہجرت فرماکر مدینہ تشریف لائے تم نے ان کا دین قبول کیا، ان پر ایمان لائے، اس پر ثابت قدم رہے اور ان کے دین کی بھرپور حمایت کی، ان کی طرف سے دفاع کیا ــــــ اور جس وقت رسول خداؐ نے اس دنیا سے رحلت فرمائی وہ تم سے راضی وخوشنود تھے ــــــ ہاں ہوشیار رہو کہ تمہارے علاوہ کوئی اور ان کا جانشین نہ ہونے پائے۔ اور یہ منصب انصار کے علاوہ کسی اور کو نہ ملنے پائے"۔

انصار نے کہا آپ کی باتیں بالکل صحیح ہیں. لہٰذا آپ ہی جانشینی وحکومت کی ذمہ داریاں سنبھالیے اور بعض یہ کہنے لگے اگر قریش سامنے آ گئے تو اس وقت کیا ہوگا.؟

بعض نے اس طرح جواب دیا:۔ اگر قریش بھی اس منصب کے خواہشمند نظر آئے تو ہم ان سے یہ کہیں گے کہ تم اپنے لئے ایک الگ امیر معین کر لو.

سعد نے کہا ـــــ یہ پہلی ناکامی ہے.

یہ باتیں عمر تک پہونچیں ـــــ عمر نے ابوبکر کے پاس آدمی بھیج کر انہیں بلایا. اس وقت ابوبکر رسول خداؐ کے گھر میں علیؑ کے ساتھ تھے ـــــ پیغام بھیجا میں یہاں مصروف ہوں. عمر نے دوبارہ پیغام بھیجا کہ تازہ خبر ہے اور تمہاری موجودگی نہایت ضروری ہے.

رسول خداؐ کی تجہیز وتکفین چھوڑکر چلے آئے. اور حضرت علیؑ پیغمبرؐ کے غسل وکفن میں مشغول رہے ـــــ عمر نے کہا تمہیں نہیں معلوم کہ انصار سقیفہ میں جمع ہو گئے ہیں اور سعد کو خلیفہ بنانے والے ہیں.

اس کے بعد یہ دونوں افراد وہاں سے جلد روانہ ہو گئے راستہ میں "ابوعبیدہ جراح" سے ملاقات ہوئی ان کو بھی اپنے ساتھ لے لیا اور سقیفہ پہونچ گئے.

"ابوبکر نے اس طرح گفتگو کا آغاز کیا" ـــــــــــــــ

حمد وتعریف ہے خدا کیلئے اور درود ہو پیغمبرؐ پر ـــــ خدا نے پیغمبرؐ کو اس لئے بھیجا کہ تا کہ لوگ خدائے واحد کی عبادت کریں. وہ جو متعدد خدا کے قائل تھے اور اس بات کے معتقد تھے کہ یہی ہماری شفاعت کریں گے.

عربوں کے لئے یہ بات سخت دشوار تھی کہ وہ اپنے آباء واجداد کے

دین کو ترک کردیں۔ اس لئے خداوند عالم نے سب سے پہلے مہاجروں کو یہ فضیلت دی کہ وہ پیغمبرؐ کے دین پر ایمان لائے اور ان کے ساتھ سختیاں برداشت کیں نرم وگرم حالات میں ان کے ساتھ رہے۔ لہٰذا اس منصب کے سب سے زیادہ حقدار مہاجر ہیں۔ اور اے انصار تمہاری فضیلتوں سے کون انکار کرسکتا ہے۔ مہاجرین کے بعد سب سے بلند درجہ تمہارا ہی ہے لہٰذا ہم حکمراں و فرمانروا ہوں اور تم وزیر۔ ہم تمہارے مشورے کے بغیر کوئی کام انجام نہیں دیں گے۔۔۔"

"حباب بن منذرؓ نے کھڑے ہو کر کہا...... اے انصار ہوشیار رہو حکومت تمہارے ہاتھوں سے نہ جانے پائے۔ لوگوں نے تمہارے سایہ میں زندگی بسر کی ہے۔ کوئی بھی تمہارے برابر نہیں ہے ایک دوسرے کی مخالفت نہ کرو تاکہ کام خراب نہ ہونے پائے۔ اگر یہ لوگ ہماری ریاست وحکومت کو تسلیم نہیں کر رہے ہیں تو ہمارا الگ ایک امیر ہو اور ان کا الگ حاکم۔

عمر نے کہا ـــــ یہ تو ہرگز نہ ہوگا عرب تمہاری حکومت پر ہرگز راضی نہ ہونگے کیونکہ پیغمبرؐ تم میں سے نہ تھے۔

حباب نے دوبارہ کہا۔

اے انصار بیدار رہو اور ہوشیار۔ اس کی اور اس کے دوستوں کی باتوں پر دھیان نہ دو یہ تمہارے حقوق پامال کردیں گے ـــــ اگر یہ لوگ تمہاری بات نہ مانیں تو انہیں اپنے شہر سے باہر نکال دو۔ اور حکومت کی باگ دوڑ اپنے ہاتھوں میں لے لو۔ خدا کی قسم تم ہی سب سے زیادہ حقدار ہو۔

عمر نے کہا ـــــ خدا تجھے غارت کرے۔

حباب ـــــ تمہیں غارت کرے۔

اس درمیان ابو عبیدہ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے۔

اے انصار تم ہی وہ پہلے گروہ ہو جو رسولؐ پر ایمان لائے اور ان کی مدد کی لہٰذا ردّو بدل میں تم پہل نہ کرو۔

اس وقت "بشیر بن سعد" کھڑے ہوئے اور کہنے لگے.....

اے انصار ہم نے مشرکوں سے جہاد کیا اور دین میں جو سبقت حاصل کی وہ صرف رضائے خدا کی خاطر۔ اور اللہ ہی کی خوشنودی کے لیئے ہم نے زحمتیں برداشت کیں۔

ابو بکر کہنے لگے ...... یہ عمر۔ اور یہ ابو عبیدہ جراح ان دونوں میں جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت کرلو۔

ان دونوں نے کہا:۔ خدا کی قسم آپ ہم سب سے بہتر ہیں آپ کی موجودگی میں ہم قطعی اس منصب کی لیاقت نہیں رکھتے ہیں۔ آپ ہاتھ بڑھائیں تاکہ ہم آپکی بیعت کریں۔

عمر اور عبیدہ بیعت کرنے کے لئے بڑھے ہی تھے کہ بشیر بن سعد ــــــ جو انصار میں سے تھے اور قبیلہ اوس[1] سے تعلق رکھتے تھے۔۔۔۔۔ نے سب سے پہلے ابو بکر کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔

قبیلہ اوس کے دوسرے افراد نے جب یہ دیکھا کہ بشیر نے پہل کر دی ہے اور قریش کو اپنے سے بہتر جانا ہے۔ قبیلہ خزرج کے افراد سعد بن عبادہ کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں تو ایک دوسرے سے کہنے لگے۔

اگر خزرج اس منصب پر فائز ہو گئے تو ان کو ہمیشہ کے لئے یہ فضیلت

---

[1] اوس اور خزرج مدینہ کے دو بڑے قبیلے تھے جن میں پرانی رنجش تھی اور یہی رنجش اور رقابت اس بات کا سبب ہوئی کہ قبیلہ اوس نے ابو بکر کی بیعت کرنے میں سبقت حاصل کی تاکہ سعد بن عبادہ کو خلافت نہ ملنے پائے۔

حاصل ہوجائے گی لہٰذا اٹھو اور فوراً ابوبکر سے کے ہاتھ پر بیعت کرو۔

اسی ہنگامہ میں عمر اور سعد بن عبادہ آپس میں دست و گریبان ہو گئے۔ عمر نے لوگوں سے کہا اس کو قتل کر دو .... اور سعد نے آخر دم تک ابوبکر کی بیعت نہیں کی [1]۔ [2]

فیصلہ کیجئے

سقیفہ کے واقعات میں کسی طرح بھی شوریٰ نہیں تھا اور یہ منظم سازش تھی حضرت علی علیہ السلام کے حق کو غصب کرنے کے لئے اور ریاست حاصل کرنے کے لئے ...... ان دلیلوں پر توجہ فرمائیے۔

(۱) سقیفہ جاتے وقت عمر نے صرف ابوبکر کو اطلاع دی۔ جب کہ اس وقت رسولِ خدا کے گھر میں اصحاب رسول اور حضرت علیؑ بھی موجود تھے۔ ابوبکر یہ خبر سنتے ہی پیغمبرؐ کی مصیبت بھول گئے اور خاموشی سے وہاں سے نکل آئے۔ اگر واقعاً کوئی منظم سازش نہ تھی تو ابوبکر نے عمر سے کیوں کہا کہ بنی ہاشم اور دوسرے اصحاب کو بھی اطلاع کر دی جائے ...... اس وقت اس مسئلے کو رہنے دو۔ پہلے پیغمبرؐ کو دفن کر دیں اس کے بعد خلافت کے مسئلہ کو طے کریں گے۔

کیا شوریٰ اسی کو کہتے ہیں کہ تین آدمی ایک جگہ جمع ہوجائیں اور چرب زبانی

---

[1] جن لوگوں نے ابوبکر کی بیعت نہیں کی ہے ان کی تعداد کافی ہے جیسے بنی ہاشم، عباس و انکی اولاد حباب بن منذر، سلمان فارسی، ابوذر، مقداد، عمار، زبیر، خزیمہ، ابی بن کعب، فردہ، خالد، برا بن عازب وغیرہ۔ فصول المہمہ ص ۲۵۔ [2] طبری ج ۴ ص ۱۸۲۷ کے بعد سے اختصار کے ساتھ۔

سے ایک دوسرے کو خلیفہ بنائیں دوسروں کو ڈرائیں دھمکائیں اور لوگوں کو دھوکہ دے کر اور بزور شمشیر بیعت لے لیں۔ مہم شخصیتوں کو واقعات سے بالکل بے خبر رکھیں۔ اور اگر کوئی اختلاف کرے اس کو قتل کی دھمکی دیں اور کہیں۔

اس امر کی مخالفت امت کے اجماع اور ملت کے مصالح کے خلاف ہے۔ جو مخالفت کی بات کرے وہ باغی ہے اور اس کا خون حلال ہے۔ اور انہیں باتوں کو بہانہ بنا کر کچھ لوگوں کو سولی دی جائے اور کچھ کو شہر بدر کیا جائے۔

اس عظیم مسئلہ میں مشورہ کرتے وقت بنی ہاشم اور دوسرے بزرگ اصحاب نہیں بلائے جا سکتے تھے کم از کم حضرت علی علیہ السلام کو مطلع کیا ہی جا سکتا تھا۔؟

(۲) اس وقت سقیفہ فٹ بال کا میدان ہو رہا تھا

چرب زبانی اور خود ستائی کے بعد ابوبکر انصار سے کہتے ہیں کہ "یہ عمر" ہیں اور یہ ہیں "ابو عبیدہ" جس کے ہاتھوں پر چاہو بیعت کر لو۔ یعنی ان دونوں کے خلیفہ ہونے میں کسی بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے ان دونوں میں سے کسی ایک کو خلیفہ ہونا ہے۔

یہ دونوں افراد بھی اپنے پرانے پڑھے ہوئے سبق کو دہراتے ہیں اور خلافت کی گیند ابوبکر کی طرف "پاس" کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ کی موجودگی میں ہمیں یہ جرأت کہاں؟

علمائے اہل سنت نے اس ڈرامہ کا نام "امت کا اجماع" اور "شوریٰ" رکھا ہے۔

(۳) سقیفہ کے واقعہ کو عرصہ گذرنے کے بعد عمر نے اپنی خلافت کے زمانے میں اس بات کی صراحت کی ہے کہ سقیفہ میں "شوریٰ" و اجماع" نہیں ہوا تھا۔ عمر نے منبر پر کہا۔

"میں نے سنا ہے کہ تم میں سے کسی نے یہ کہا ہے کہ اگر عمر کا انتقال ہو جائے تو ہم فلاں کی بیعت کر لیں گے کوئی اس فکر میں نہ رہے" اِنَّ بَیْعَتَ اَبِیْ بَکْرٍ کَانَتْ فَلْتَۃً " یقیناً ابوبکر کی بیعت ایک حادثاتی واقعہ تھی یعنی اس میں کسی مشورے اور اجماع کا سوال نہ تھا اور یہ بات اب نہیں ہونے والی وہ ایک بات تھی جو ہو گئی۔

صحیح ہے کہ ابوبکر کی بیعت ایک حادثاتی واقعہ تھی جو بغیر سوچے سمجھے انجام پذیر ہوا۔ خدا نے اس کے شر سے محفوظ رکھا ــــ اب تمہارے درمیان کوئی بھی ابوبکر جیسا نہیں ہے کہ سرداران قوم اس کی اطاعت کریں۔ [1]

اگر شوریٰ اور اجماع ہوا تھا اصحاب پیغمبرؐ نے آزادی سے اپنی رائے دی تھی تو ابوبکر کی بیعت حادثاتی واقعہ کیسے ہو گئی اور کیسے یہ بات مشہور ہو گئی کہ ابوبکر کی بیعت بغیر سوچے سمجھے انجام پا گئی؟

(۴) عمر کا کہنا ہے کہ "پیغمبرؐ کی وفات کے بعد علیؑ و زبیر اور ان کے ساتھی ہماری مخالفت کرنے لگے اور فاطمہؑ کے گھر میں جمع ہوئے" [2] ــــ کیا اتنی واضح مخالفت سے چشم پوشی کی جا سکتی ہے جبکہ خود عمر نے ان لوگوں کی مخالفت کا اعتراف کیا ہے؟ ــــ

کیا اسی کو اجماع کہتے ہیں۔؟

(۵) اگر خلافت کا مسئلہ شوریٰ سے حل ہونا تھا تو پیغمبر اسلامؐ کو اپنی زندگی میں اس کے اصول و ضوابط کی طرف کم از کم اشارہ تو کرنا ہی چاہئے تھا کہ میرے بعد خلیفہ کا انتخاب اس طرح ہو گا ــــ یہ بات عقل کی کسوٹی پر پوری نہیں اترتی

---

[1] طبری ج ۴ ص ۱۸۲۰ سے ۱۸۲۳ تک [2] طبری جلد ۴ ص ۱۸۲۲

کہ جس پیغمبرؐ نے چھوٹے چھوٹے مسائل بیان کئے ہوں معمولی معمولی باتوں کی طرف اشارہ کیا ہو۔ اتنے عظیم مسئلہ میں کیوں خاموش رہے۔ اشارۃً بھی کوئی بات نہیں کہی ؟

کس طرح حضرت علیؑ کے حق کو غصب کیا گیا ؟

ہر سماج میں ایسے افراد پائے جاتے ہیں جو حکومت اپنے ہاتھوں میں لے کر عوام پر حکمرانی کرنا چاہتے ہیں یہ لوگ ہمیشہ اس فکر میں رہتے ہیں کہ کس طرح اپنا مقصد حاصل کیا جائے اور کس طرح فرصت سے استفادہ کیا جائے خواہ اس راہ میں خدا و رسولؐ کے احکام پامال ہی کیوں نہ ہوں ۔

خلافت اور جانشینی پیغمبرؐ کے سلسلے میں ایسے متعدد ذہن تاریخ کے صفحات پر نظر آرہے ہیں وہ لوگ جو سقیفہ میں جمع ہو کر اسلام کا دم بھر رہے تھے وہ کچھ اسی طرح کے تھے۔ اس سلسلے میں پیغمبرؐ کی بیماری کے وقت کے چند واقعات پیش کرتے ہیں ۔

(۱) لشکرِ اسامہ

جس زمانے میں پیغمبرِ اسلامؐ مریض تھے اور صاحب فراش تھے اس وقت آپ نے پاک سیرت اور راست باز جوان " اسامہ بن زید " کو یہ حکم دیا کہ اپنی سرداری میں لشکر " موتہ " کی طرف لے جاؤ۔ [1]

اس لشکر میں مہاجر و انصار تھے جس میں ابوبکر، عمر، اور ابو عبیدہ جراح وغیرہ بھی شامل تھے پیغمبرؐ بار بار تاکید فرمار ہے تھے کہ اس لشکر سے جدا نہ ہو جائے۔

---

[1] اس وقت کے مشرقی روم کی سرحد کے نزدیک ایک مقام تھا۔

یہاں تک کہ ایک مرتبہ اسامہ نے آنحضرتؐ سے دریافت کیا۔ کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ آپ کے صحتیاب ہونے تک ہم مدینہ ہی میں رہیں؟

فرمایا:۔ جلدی سفر کرو۔ خدا کے نام سے اپنا سفر آغاز کرو

——— اس حالت میں اگر میں لشکر لے کر چلا جاؤں تو میرا دل آپ ہی میں لگا رہے گا اور فکر مند رہوں گا۔

فرمایا:۔ سفر کرو اللہ تمہیں کامیابی عطا کرے گا۔

——— مجھے یہ اچھا نہیں لگتا کہ میں آنے والوں سے آپکی خیریت دریافت کروں۔

فرمایا:۔ جو میں نے تمہیں حکم دیا ہے بس اسی پر عمل کرو ......

اس کے بعد آنحضرتؐ بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو فرمایا

"خدا لعنت کرے اس پر جو اسامہ کے لشکر سے الگ ہو" [1] اس کے بعد بھی عمر و ابوبکر اس لشکر سے الگ ہو گئے اور مدینہ واپس آ گئے۔

۲۔ قلم و دوات

پیغمبر اسلامؐ نے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں یہ حکم دیا کہ کاغذ و قلم لایا جائے تاکہ میں ایسی چیز لکھ دوں جس سے تم میرے بعد گمراہ نہ ہو۔

لیکن بعض نے کہا ——— یہ تو ہذیان کہہ رہے ہیں۔ [2]

ابن عباس کا بیان ہے کہ:۔

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۲ ص ۱۰۲ مطبوعہ در چہار جلد۔ [2] تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۹۲۔ صحیح مسلم کتاب الوصیۃ

عمر کی خلافت کے ابتدائی دنوں میں عمر کے پاس گیا۔

عمر نے پوچھا ـــــ کیا ابھی بھی وہ (علیؑ) اپنے کو خلیفہ جانتے ہیں؟

• ـــــ ہاں

• ـــــ کیا ان کا یہ خیال ہے کہ پیغمبرؐ نے ان کی خلافت کی باقاعدہ تصریح کی تھی؟

• ـــــ ہاں یقیناً بہت ہی صاف اور واضح۔ میں نے اس سلسلے میں خود اپنے والد سے دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا ـــ علیؑ جو فرما رہے ہیں وہ بالکل صحیح ہے۔

عمر نے کہا ـــــ پیغمبرؐ اپنی زندگی کے آخری دنوں میں ان کے نام کی صراحت کرنا چاہتے تھے مگر میں نے یہ کام نہ ہونے دیا ـــ [1]

اس جملہ سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ کس شخص نے پیغمبرؐ کی طرف ہذیان کی نسبت دی تھی۔ کیا عمر پیغمبرؐ سے زیادہ سمجھتے تھے۔ امت کی مصلحتوں کو وہ زیادہ بہتر درک کر رہے تھے جس کی بنا پر پیغمبرؐ کو تصریح کرنے سے روک دیا کہ وہ علیؑ کے نام کی وضاحت نہ کریں۔

ان واقعات کی روشنی میں یہ نتائج سامنے آتے ہیں کہ:۔

جو لوگ مسند خلافت پر براجمان ہوئے وہ پیغمبر اسلام کی رحلت کے وقت بلکہ اس سے پہلے ہی خلیفہ بننے کی فکر میں تھے اور اس کے لئے پہلے ہی سے نقشہ بنا چکے تھے۔ یہ ساری باتیں جاہ طلبی کی نشانیاں ہیں۔

یہی جاہ طلبی اس بات کا سبب ہوئی کہ اس راہ میں جو رکاوٹیں ہیں انہیں دور

---

[1] شرح ابن ابی الحدید ج ۲ ص ۵۶۳۔

کیا جائے۔ سعد بن عبادہ جو ابوبکر کی خلافت کے مخالف تھے اور جنہوں نے بیعت نہیں کی تھی انہیں قتل کر دیا اور مشہور یہ کر دیا کہ انہیں "جن" نے قتل کیا ہے ـــــ "مالک بن نویرہ" وہ پاک باز اور راست کردار شخص جس کے بارے میں پیغمبر اسلامؐ نے ارشاد فرمایا تھا۔ "جو شخص اہل بہشت کو دیکھنا چاہتا ہے وہ مالک کو دیکھے"۔ اور جس نے پیغمبرؐ کی زبانی سنا تھا کہ خلافت صرف حضرت علیؑ کا حق ہے ـــ پیغمبر اسلامؐ کی وفات کے بعد جب مالک مدینہ آئے اور دیکھا کہ دوسروں نے خلافت پر قبضہ جما لیا ہے۔ تو انہوں نے اسکی مخالفت کی ـ جس کے نتیجہ میں خالد بن ولید نے انہیں قتل کر دیا اور ان کی ناموس کی بے حرمتی کی۔ لیکن خلیفۂ وقت نے خالد سے کوئی بازپرس نہیں کی۔ اور اسے کوئی سزا نہیں دی۔

اسی زمانے میں فدک بھی آل محمدؐ سے چھین لیا گیا ـــ

فدک وہ علاقہ تھا جہاں سرسبز و شاداب باغات لگے ہوئے تھے اور یہ پیغمبرؐ کی اکلوتی بیٹی حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے اختیار میں تھا آپ ہی اس کی مالک تھیں۔

ابوبکر نے اس پر قبضہ کر لیا اور حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے آدمیوں کو وہاں سے باہر نکال دیا۔ فاطمہ زہراؑ نے اس کے خلاف احتجاج کیا۔

ابوبکر نے حضرت زہراؑ کو ایک سند پیش کی کہ فدک ان کی ملکیت ہے۔

لیکن عمر نے اس سند کو پارہ پارہ کر دیا[1] اور ابوبکر نے اس کا کوئی اثر نہیں لیا اور نہ دوسری سند حضرت زہراؑ کے حوالے کی۔

ان واقعات سے بس یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہ لوگ دنیا پرست اور جاہ طلب تھے انہیں صرف منصب و مقام کی فکر تھی جس کے حصول کیلئے ہر کام کرنے پر تیار تھے۔

---

[1] سیرۃ حلبیہ ج ۳ ص ۲

اٹھائیسواں سبق

بارھویں امام علیہ السلام

خدا کی آخری حجّت

عدل گستر حضرت امام مہدی علیہ السلام کی ولادت ۲۵۵ سنہ ہجری ۱۵ شعبان عراق کے ایک شہر "سامرا" میں ہوئی ــــ ۲۶۰ سنہ ہجری میں آپ کے والد کا انتقال ہوا اور اسی وقت آپ منصب امامت پر فائز ہوئے۔

آپ کا نام پیغمبرؐ کا نام "محمد" اور آپ کی کنیت پیغمبرؐ کی کنیت "ابو القاسم" ہے ــــ آپ کے والد ہمارے گیارہویں امام حضرت حسن عسکری علیہ السلام اور آپ کی والدہ جناب نرجس خاتون سلام اللہ علیہا ہیں۔

بعض اسباب و عوامل کی بنا پر آپ ابتدا ہی سے پوشیدہ رہے ستّر سال تک آپکے خاص قائدین کے ذریعے آپ تک رسائی ہوتی رہی۔ اس ستّر سال میں آپکے خاص نائب یہ افراد تھے:۔ عثمان بن سعید، محمد بن عثمان، حسین بن روح اور علی بن محمد سمری۔ اس ۷۰ سال کی مدت کو "غیبتِ صغریٰ" کہتے ہیں اور اس کے بعد سے "غیبتِ کبریٰ" کا آغاز ہوتا ہے۔

غیبت کبریٰ کی ابتداء سے ظہور تک کسی خاص نائب کا تعین نہیں فرمایا ہے۔ ان دنوں لوگوں کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ فقہا اور معتبر راویان حدیث جنہیں دینی مسائل میں دسترس ہو ان کی طرف رجوع کریں اور اپنی دینی ذمہ داریاں معلوم کریں۔

حضرت مہدیؑ اور عالمی اصلاح

حضرت مہدیؑ اور عالمی مصلح کے ظہور کا انتظار صرف شیعوں سے مخصوص نہیں ہے اسلام کے دوسرے فرقے بلکہ یہودی اور عیسائی اور دنیا کے عظیم دانشور ایک عالمی مصلح کے ظہور کی خبر دیتے ہیں۔

حضرت داؤدؑ کی زبور میں ہے کہ

"...... خداوند کے منتظر زمین کے وارث ہوں گے......"

"...... حلیم وبردبار زمین کے وارث ہوں گے۔ صحت وسلامتی کی عمومیت سے استفادہ کریں گے...... نیکوکاروں کی خدا تائید کرے گا۔ خدا مخلصوں کے دن کا علم رکھتا ہے۔ ان کی میراث ابدی ہوگی۔ جن لوگوں نے اس سے برکت حاصل کی وہ زمین کے وارث ہوں گے۔ اور جن پر لعنتیں بھیجی گئی ہیں وہ نیست ونابود ہوجائیں گے۔ نیکوکار زمین کے وارث ہوں گے اور وہ ہمیشہ رہیں گے......"[1]

قرآن اور عقیدہ حضرت مہدیؑ

قرآن میں ایک ایسے دن کا وعدہ کیا گیا ہے جس دن حق کے پرستار، اللہ کے نیک بندے، اس روئے زمین کے حکمراں ہوں گے۔ دین مقدس اسلام ساری دنیا میں پھیلائیں گے اور دوسرے تمام ادیان پر اسلام غالب ہوگا ـــــ

---

[1] مزمور ۳۷۔ بند ۳۰-۱۰۔

اس کے علاوہ بھی ایسی متعدد آیتیں ہیں جن کی تفسیر حضرت مہدیؑ سے کی گئی ہے۔

(۱) وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ٥ (سورۃ انبیاء آیۃ ۱۰۵)

اس کتاب کے بعد ہم نے زبور میں یہ بات لکھ دی کہ ہمارے نیکوکار بندے زمین کے وارث ہوں گے۔ [۱]

(۲) وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ۚ

(سورۃ نور آیۃ ۵۵)

خدا نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو تم میں سے ایمان لائے ہیں اور عمل صالح بجالائے ہیں وہ انہیں زمین پر اپنا خلیفہ قرار دے گا جس طرح اس نے گذشتہ لوگوں کو خلیفہ معین کیا تھا۔ جس دین کو اللہ نے پسند کیا ہے اسے مستحکم کرے گا اور ان کے خوف و ہراس کو امن و امان میں تبدیل کر دے گا۔ صرف میری (اللہ) کی عبادت کریں گے اور کسی کو میرا شریک نہیں قرار دیں گے۔

(۳) هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ۔ (سورۃ صف آیۃ ۹)

---

[۱] ابھی زبور کی جو عبارت نقل کی گئی ہے ______ جس میں وضاحت کی گئی ہے کہ نیکوکار افراد عالمی حکومت کے حکمراں ہوں گے۔

وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ تمام ادیان پر غلبہ حاصل کرے گرچہ یہ بات مشرکین کو ناگوار کیوں نہ لگے۔

(۴) وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِيْنَ۔ (سورۂ قصص آیۂ ۵)

ہم نے ارادہ کرلیا ہے کہ کمزوروں (وہ خدا پرست افراد جنہیں ظالموں نے کمزور و ناتواں کردیا تھا) کو مورد عنایت قرار دیں گے۔ انہیں رہنما اور زمین کا وارث بنائیں گے۔

ان آیتوں سے یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ اس دنیا کی زمام حکومت ایک دن ضرور نیکوکاروں کے ہاتھوں میں ہوگی خدا کے شائستہ بندے رہنما ہوں گے۔ اور دین اسلام تمام ادیان پر غالب آئے گا۔ [1]

حضرت مہدیؑ اور اہلِ سُنّت کی کتابیں

علمائے اہلِ سنت نے اس سلسلہ میں متعدد روائتیں اپنے معتبر راویوں کے ذریعہ پیغمبر اسلامؐ سے نقل کی ہیں۔ ان روایتوں سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے بارہ امام سب قریش سے ہوں گے۔

حضرت مہدیؑ پیغمبر اسلام کے نور نظر اور علی و زہراؑ کے فرزند ہوں گے۔

---

[1] ان کے علاوہ دوسری آیتیں بھی ہیں جن کی تفسیر حضرت مہدیؑ سے کی گئی ہے جیسے یہ آیت (الذین یومنون بالغیب۔ یا امن یجیب المضطر اذا دعاہ۔ وغیرہ اعلامہ سید ہاشم بحرانی مرحوم نے اپنی کتاب "المحجۃ فی ما نزل فی القائم الحجۃ" میں اس طرح کی متعدد آیتیں ذکر کی ہیں۔

بہت سی روایتوں میں یہ تصریح ہے کہ حضرت مہدیؑ امام حسینؑ کی نسل سے ہوں گے علمائے اہل سنت نے اپنی نشتر معتبر کتابوں میں سیکڑوں حدیثیں ذکر کی ہیں۔ بطور نمونہ صرف چند کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

مسند ــــ تالیف ــــ احمد بن حنبل ــــ ۲۴۱ ہجری میں وفات پائی

صحیح بخاری ــــ " ــــ بخاری ــــ ۲۵۶ " " "

صحیح مسلم ــــ " ــــ مسلم بن حجاج نیشاپوری ۲۶۱ " " "

سنن ابی داؤد ــــ " ــــ سلیمان بن اشعث سجستانی ۲۷۵ " " "

صحیح ترمذی ــــ " ــــ محمد بن عیسیٰ ترمذی ۲۷۹ " " "

مذکورہ بالا کتابیں اہلِ سنت کی معتبر ترین کتابیں ہیں اور ان کے مؤلف اہل سنت کے بلند پایۂ عظیم المرتبت علماء اور معتبر محدثین ہیں ــــ یہ افراد یا امام زمانہؑ کی ولادت ۲۵۵ھ ہجری سے پہلے انتقال کر چکے تھے یا انکی ولادت کے تھوڑے دنوں بعد ــــــــ

اس کے علاوہ

مصابیح السنہ ــــ تالیف ــــ بغوی ــــ ۵۱۶ ہجری میں وفات پائی

جامع الاصول ــــ " ــــ ابن اثیر ــــ ۶۰۶ " " "

الفتوحات المکیہ ــــ " ــــ محی الدین عربی ۶۳۸ " " "

تذکرۃ الخواص ــــ " ــــ سبط ابن جوزی ۶۵۴ " " "

فرائد السمطین ــــ " ــــ حموی ۷۱۶ " " "

صواعق ــــ " ــــ ابن حجر ہیثمی ۹۷۳ " " "

ینابیع المودۃ ــــ " ــــ شیخ سلیمان قندوزی ۱۲۹۳ " " "

اہل سنت کے بعض بزرگ علماء نے حضرت امام زمانہؑ کے موضوع پر مستقل کتابیں تحریر کی ہیں جیسے ۔

۱۔ البیان فی اخبار صاحب الزمانؑ ــ تالیف ــ علامہ گنجی شافعی ــ
۲۔ عقد الدرر فی اخبار الامام المنتظرؑ ــ " ــ شیخ جمال الدین یوسف الدمشقی
۳۔ مہدی آل الرسول ــ " ــ علی بن سلطان محمد الہروی الحنفی
۴۔ کتاب المہدی ــ " ــ ابی داؤد ــ
۵۔ علامات المہدی ــ " ــ جلال الدین سیوطی ــ
۶۔ مناقب المہدی ــ " ــ حافظ ابی نعیم اصفہانی
۷۔ القول المختصر فی علامات المہدی المنتظر " ــ ابن حجر ــ
۸۔ البرہان فی علامات مہدی آخر الزمان " ــ ملا علی متقی ــ
۹۔ اربعین حدیث فی المہدی ــ " ــ ابو العلاء ہمدانی [1]

اس کے علاوہ اور بھی متعدد کتابیں ہیں ۔

حضرت مہدیؑ اور شیعہ

رسول خداؐ اور ائمہ علیہم السلام سے حضرت مہدیؑ کے بارے میں تین ہزار سے زائد حدیثیں نقل ہوئی ہیں ۔ جو یہ بتاتی ہیں کہ امام زمانؑ امام حسین علیہ السلام کے نویں فرزند ہیں آپ کے والد حسن عسکری علیہ السلام اور آپ کی والدہ جناب نرجس خاتون علیہا سلام ہیں ۔ آپ کا نام پیغمبرؐ کا نام اور آپ کا لقب مہدی ......ہے

[1] کشف الظنون ج ۱-۲ ــ ہدیۃ العارفین ج ۱-۲ ــ ایضاح المکنون اور نوید امن وامان ۔

سامرا میں آپ کی ولادت ہوئی اور بچپنے ہی میں آپ سایۂ پدری سے محروم ہوگئے۔ آپ اس وقت زندہ ہیں اور اس وقت تک زندہ رہیں گے جب تک خدا چاہے گا۔ ایک دن آپ کا ظہور ہوگا اور دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے جب کہ وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی ـــــ بعض مصلحتوں کی بنا پر آپ لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہیں۔

جب آپ تشریف لائیں گے ـــــ (خدا وہ دن جلد لائے) ـــــ کعبہ کی دیوار پر تکیہ دے کر اپنے دوستوں کو صدا دیں گے اس وقت ۳۱۳ افراد آپ کے پاس جمع ہوجائیں گے جناب عیسیٰ آسمان سے روئے زمین پر تشریف لائیں گے اور حضرت کی اقتدا میں نماز جماعت ادا کریں گے ـــــ دنیا کے گوشہ گوشہ میں اسلامی تعلیمات اور اسلامی احکام پھیلائیں گے اور آپ کی حکومت میں یہ دنیا جنت ہوگی۔

حضرت کے سلسلہ میں جو حدیثیں شیعہ اور سُنّی علماء نے اپنی کتابوں میں ذکر کی ہیں وہ بے شمار ہیں تفصیل کے لئے "بحار الانوار" اور "منتخب الاثر" کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے ـــــ منتخب الاثر کے مؤلف نے حدیثوں کی جو فہرست مرتب کی ہے اسے ہم یوں نقل کر رہے ہیں بعد میں چند حدیثیں بھی ذکر کریں گے۔

موضوع	حدیثوں کی تعداد
وہ حدیثیں جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ امام بارہ ہیں پہلے امام حضرت علیؑ اور آخری امام حضرت مہدی عجل اللہ تعالیٰ فرجہ ہیں	۵۸
وہ حدیثیں جن میں حضرت کے ظہور کی خوشخبری دی گئی ہے	۶۵۷
وہ حدیثیں جو یہ بتاتی ہیں کہ حضرت مہدیؑ رسول اللہؐ کے فرزند ہیں	۳۸۹

موضوع	حدیثوں کی تعداد
وہ حدیثیں جو یہ بتاتی ہیں کہ حضرت کا نام پیغمبرؐ کا نام اور حضرت کی کنیت پیغمبرؐ کی کنیت ہے	۴۸
وہ حدیثیں جو یہ بتاتی ہیں کہ حضرت امیرالمومنینؑ کی نسل میں ہیں۔	۲۱۴
وہ حدیثیں جو یہ بتاتی ہیں کہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی نسل میں ہیں	۱۹۲
وہ حدیثیں جو یہ بتاتی ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی نسل میں ہیں۔	۱۸۵
وہ حدیثیں جو یہ بتاتی ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے نویں فرزند ہیں۔	۱۴۸
وہ حدیثیں جو یہ بتاتی ہیں کہ حضرت امام زین العابدینؑ کی نسل سے ہیں	۱۸۵
وہ روایتیں جو یہ بتاتی ہیں کہ حضرت امام محمد باقرؑ کی نسل سے ہیں	۱۰۲
" " " " " امام جعفر صادقؑ کی نسل سے ہیں	۱۰۳
" " " " " امام موسیٰ کاظمؑ کی نسل سے ہیں	۱۰۱
" " " " " امام علی رضاؑ کی نسل سے ہیں	۹۵
" " " " " امام محمد تقیؑ کے تیسرے فرزند ہیں	۹۰
" " " " " امام علی نقیؑ کے فرزند ہیں	۹۰
" " " " " امام حسن عسکریؑ کے فرزند ہیں	۱۴۶

موضوع	حدیثوں کی تعداد
وہ روایتیں جو یہ بتاتی ہیں کہ حضرت کے والد کا نام حسنؑ ہے	۱۴۷
" " " " " " دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دینگے	۱۲۳
" " " " " " کی غیبت طولانی ہے	۹۱
" " " " " " کی عمر مبارک طولانی ہوگی	۳۱۸
" " " " " " کی بدولت اسلام ساری دنیا میں پھیلے گا	۴۷
" " " " " " بارہویں اور آخری امام ہیں	۱۳۶

حدیثوں کے اعداد و شمار پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت کے بارے میں جو روایتیں ذکر ہوئی ہیں وہ تواتر کی حدود سے کہیں زیادہ ہیں اتنی کثرت سے روایتیں بہت ہی کم موضوعات پر ملتی ہیں ۔ ہر وہ شخص جو اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کا معتقد ہے حضرت مہدیؑ پر عقیدہ رکھنا اس کے لئے لازمی اور ضروری ہے کہ وہ اس وقت زندہ ہیں اور غیبت کے پردے میں زندگی بسر کر رہے ہیں ۔ اور ایک دن یقیناً ان کا ظہور ہوگا ۔

اب چند حدیثیں

(۱) ینابیع المودہ کے مؤلف اپنی کتاب میں رسولِ خداؐ سے یہ حدیث نقل کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ :۔ مہدی میرے فرزندوں میں ہے ۔ جن کیلئے غیبت ہے اور جب وہ ظاہر ہونگے زمین کو عدل و انصاف سے اس طرح بھر دینگے جس طرح وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی ۔ لہ

لہ منتخب الاثر ص ۲۴۹

② ـــــ اسی کتاب میں یہ روایت بھی مذکور ہے کہ: ـــــ

سلمان فارسی کا بیان ہے ـــ میں رسولِ خدا کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت امام حسین علیہ السلام رسولِ خداؐ کی آغوش میں تھے۔ آنحضرتؐ ان کی آنکھ اور پھول کا بوسہ لے رہے اور فرما رہے تھے۔ تم کریم ہو۔ کریم کے فرزند ہو کریم کے بھائی ہو۔ تم امام ہو امام کے فرزند ہو اور امام کے بھائی۔ تم حجت خدا ہو حجت خدا کے فرزند ہو اور حجت خدا کے بھائی۔ تم تو حجت خدا کے والد ہو تمہارا نواں فرزند قائم ہوگا۔ [1]

③ ـــــ "ابن ابی دلف" کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام علی نقیؑ کو فرماتے ہوئے سُنا کہ:۔

میرے بعد میرے فرزند حسن امام ہوں گے اور ان کے بعد ان کے فرزند "قائم" امام ہوں گے جو دنیا کو عدل انصاف سے اس طرح سے بھر دیں گے جس طرح وہ ظلم وجور سے بھر چکی ہوگی۔ [2]

④ ـــــ "حذیفہ" کا بیان ہے کہ پیغمبرِ اسلامؐ نے ارشاد فرمایا کہ:۔

اگر دنیا کے فنا ہونے میں صرف ایک دن باقی رہ جائے گا خدا اس دن کو اتنا طولانی کرے گا کہ میرا ایک فرزند جو میرا ہم نام ہوگا وہ ظاہر ہوگا۔ سلمان نے دریافت کیا یا رسول اللہ وہ فرزند کس کی نسل سے ہوگا؟ آنحضرت نے امام حسینؑ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا۔ اس کی نسل سے ـــ [3]

⑤ ـــ "مسعدۃ" نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

---

[1] المہدی ص ۶۰ [2] منتخب الاثر ص ۲۲۵ [3] ذخائر العقبیٰ ص ۱۳۶

ہمارا قائم حسن کے صلب سے ہوگا (گیارہویں امام حسن عسکری علیہ السلام) اور حسن، علی کی صلب سے (دسویں امام علی نقی علیہ السلام) اور علی، محمد کی صلب سے۔ (نویں امام محمد تقی علیہ السلام) اور محمد، علی کی صلب سے (آٹھویں امام علی رضا علیہ السلام) اور علی میرے اس فرزند کی صلب سے۔ اس وقت آپ نے ساتویں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی طرف اشارہ فرمایا۔ ہم بارہ امام ہیں سب کے سب معصوم اور پاکیزہ خدا کی قسم اگر دنیا کے فنا ہونے میں صرف ایک دن باقی رہ جائے گا خدا اس دن کو اتنا طولانی کرے گا کہ ہم اہلبیت کے "قائم" کا ظہور ہو۔ [1]

سماجیات کے ماہرین اور ان کے نظریے

دنیا کے دانشوروں کا یہ نظریہ ہے کہ اس وقت جو ساری دنیا میں خوں ریزی، جنگ، فساد، ہنگامے، قتل و غارت گری، روز آنہ بڑھتے ہوئے جرائم .... کا بازار گرم ہے اس کی وجہ یہ ہے روحی اور جسمی تقاضوں اور ضرورتوں میں تناسب اور توازن باقی نہیں رہا۔

یہ صحیح ہے آج کے انسان نے دنیا کو تسخیر کر لیا ہے سمندروں کی تہوں تک اس کی رسائی ہو چکی ہے چاند پر وہ کمند ڈال چکا ہے لیکن مادی اعتبار سے مالا مال ہونے کے باوجود روحانی اور معنوی لحاظ سے بالکل فقیر ہے۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ طاقت اور قوت کی بنیاد پر دنیا میں عدالت نہیں قائم ہو سکتی ــــ صرف جدید ٹیکنک اور مادی علوم کے سہارے بھی انسان

---

[1] اثبات الہداۃ ج ۲ ص ۵۶۲

کو ابدی وسعادت نصیب نہیں ہوسکتی۔ اس کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں ہے کہ انسان اپنے سماجی امور کی عمارت ایمان اور اخلاق کی بنیادوں پر تعمیر کرے۔ ایک عالمی مصلح کی ہدایتوں پر عمل کر کے اپنے کو ہلاکتوں سے نجات دلائے۔ خلوص، صفائے دل، پاکی باطن اور عدل وانصاف کی فضا میں حکومت قائم کرے اس صورت میں یہ انسانی سماج حضرت مہدیؑ سلام اللہ علیہ کے ظہور وقیام کے لئے زمین ہموار کرے گا۔

امام اور طول عمر

ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ انسان کی طولانی عمر محال نہیں ہے کیونکہ قرآن میں صراحت سے یہ تذکرہ ملتا ہے کہ حضرت نوحؑ نے طولانی عمر پائی تھی اور انہوں نے صرف ۹۵۰ سال تبلیغ اور ہدایت میں گذارے۔ [۱]

علم حیاتیات کی جدید تحقیقات بھی ہمارے عقیدے کی تائید کرتی ہیں۔ بڑے دانشوروں کا نظریہ یہ ہے کہ اگر غذاؤں اور دواؤں میں ضروری احتیاط برتی جائے تو انسان طولانی زندگی بسر کرسکتا ہے۔

حضرت آیۃ اللہ صدر علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب "المہدی" میں ایک مضمون "المقتطف نامی ماہنامے کے سال ۱۳۹۵ھ کے تیسرے شمارے سے نقل فرمایا ہے اس مضمون میں جو باتیں ذکر کی گئی ہیں وہ ہمارے موضوع سے مناسبت رکھتی ہیں اس لئے اس مضمون کا خلاصہ ہم یہاں ذکر کر رہے ہیں۔

---

[۱] فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا۔ سورۂ عنکبوت آیۃ ۱۴

"عظیم دانشوروں کا کہنا ہے کہ حیوانی بدن کے تمام سیل سلس میں ہمیشہ رہنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ انسان ہزاروں سال تک زندہ رہ سکتا ہے بشرطیکہ کوئی حادثہ اس کے رشتہ حیات کو منقطع نہ کردے۔ یہ باتیں تخمینہ نہیں ہیں بلکہ ان کی بنیاد مسلسل تحقیق اور تلاش ہے۔"

جونس، ہکنس یونیورسٹی کے پروفیسر "ڈیمنڈ برل" کا کہنا ہے کہ۔ انسانی جسم کے اعضاء میں ہمیشہ رہنے کی استعداد پائی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلی تحقیق ڈاکٹر "جاک لوب" نے کی تھی اس کے بعد ڈاکٹر "ورن لویس" نے اپنی شریک حیات کے تعاون سے تحقیق کر کے یہ ثابت کیا تھا "کہ ایک پرندے کے جنین کو نمکین پانی میں زندہ رکھا جا سکتا ہے۔" اس سلسلے میں برابر تحقیقات ہوتی رہیں یہاں تک کہ ڈاکٹر "الکسیس کارل" نے مسلسل تجربات سے یہ ثابت کیا۔ کہ جس اعضاء پر تجربات کئے گئے ہیں ان میں بوڑھاپے کے آثار نظر نہیں آتے۔ بلکہ ان اجزاء کی زندگی خود ان جانوروں سے زیادہ ہے جن کے بدن سے یہ اجزاء لئے گئے ہیں۔ اس نے جنوری ۱۹۱۲ء سے اپنے تجربات کا آغاز کیا۔ اس راہ میں طاقت فرسا مشکلات کا سامنا کیا۔

ان تجربات سے یہ نتائج برآمد ہوئے۔

(۱) اگر غذائی مواد میں کمی نہ ہو اور جراثیم پیدا نہ ہوں تو یہ سیل Cells ہمیشہ زندہ رہ سکتے ہیں۔

(۲) یہ اجزاء زندہ رہنے کے علاوہ رشد و نمو بھی کرتے رہیں گے۔

(۳) جو غذائیں ان اجزاء کو مل رہی ہیں ان سے رشد و نمود کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

(۴) وقت کی رفتار ان پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ وقت کے گذرنے سے یہ کمزور اور بوڑھے نہیں ہوتے بوڑھاپے کے ذرا سے بھی اثرات ان میں نظر نہیں آتے۔ ہر سال گذشتہ سال کی طرح رشد و نمو کرتے رہتے ہیں۔

اگر یہ صورت ہے تو انسان کو موت کیوں آتی ہے اور عام طور سے اس کی زندگی سو سال سے کیوں تجاوز نہیں کر پاتی ہے۔؟

اس کا جواب یہ ہے کہ:۔ انسان اور حیوان کے جسم میں بے پناہ اعضاء و اجزاء ہیں جو ایکدوسرے سے مختلف اور متفاوت ہونے کے باوجود آپس میں ایکدوسرے سے مرتبط ہیں۔ کہ ایک کی زندگی سے دوسرے کی زندگی اور ایک کی کمزوری اور ناتوانی سے دوسرے کی کمزوری اور ناتوانی وابسطہ ہے۔ حادثاتی موتیں اس وجہ سے ہوتی ہیں کہ جراثیم یکبارگی حملہ کر دیتے ہیں جس سے بہت سے اجزاء مر جاتے ہیں جسکے نتیجے میں انسان بھی موت کی نیند سو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کی متوسط عمر ۷۰ یا ۸۰ سال ہے۔ تجربہ سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ موت اس بنا پر نہیں آتی کہ انسان ۷۰ یا ۸۰ سال کا ہو جاتا ہے۔ بلکہ موت کا اصلی سبب وہ امراض اور عوارض ہیں جو ان اجزاء پر حملہ آور ہوتے ہیں اور انہیں کام کرنے سے روک دیتے ہیں۔ ان اجزاء کے بیکار ہونے سے دوسرے اجزاء متاثر ہوتے ہیں اور اجزاء کا باہمی رابطہ ختم ہو جاتا ہے جس کی بنا پر دوسرے اجزاء دھیرے دھیرے موت کا شکار ہوتے رہتے ہیں نتیجہ میں انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے۔

اگر علم اتنی ترقی کر لے کہ یہ امراض و عوارض ختم ہو جائیں یا ان کے اثرات سے اجزاء و اعضا محفوظ رہیں۔ تو یقیناً انسان طولانی زندگی بسر کر سکتا ہے اور طولانی عمر کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ ہوگی[1]

---

[1] المہدی ص ۱۳۲۔۱۳۶

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ طولانی عمر محال نہیں ہے۔ تو یہ ممکن ہے کہ قادرِ مطلق خدا ایک شخص کو ہزاروں سال زندہ رکھے۔ کیونکہ طولانی عمر کے شرائط کی فراہمی خداوند عالم کے دست قدرت میں ہے۔ وہ ایسا نظام بنا سکتا ہے جو موجودہ نظام پر فوقیت رکھتا ہو جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کے معجزے کے سلسلے میں اس نے کیا ہے۔ جناب ابراہیمؑ کے لئے آگ کا سرد ہو جانا، جناب موسیٰؑ کے لئے اژدہے کا عصا بن جانا، جناب عیسیٰؑ کے لئے مردوں کا زندہ ہونا یہ سب معمول کے خلاف تھا۔ لیکن خداوندِ عالم نے اپنی قدرت سے ایک ایسے نظام کو ایجاد کیا جو عام نظام پر فوقیت رکھتا ہے جس سے معجزات ظاہر ہوتے تمام مسلمان بلکہ یہودی اور عیسائی بھی ان معجزات پر یقین رکھتے ہیں۔

اس لئے حضرت امام زمانہ ــــ (خدا کا سلام ہو ان پر) ــــ کی طول عمر کے سلسلے میں کسی بھی اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اگر طول عمر کو ناممکن مانا جائے۔ تو خود قرآن اور جدید تحقیقات اس کی تکذیب کریں گی۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ طول عمر ناممکن تو نہیں ہے لیکن معمول اور عام نظام کے خلاف ضرور ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت امام زمانہؑ کی طول عمر بھی انبیاء علیہم السلام کے معجزے کی طرح ہے ہر وہ شخص جو انبیاء علیہم السلام کے معجزات پر اعتقاد و یقین رکھتا ہے اسے حضرت امام زمانہؑ کی طول عمر کے سلسلے میں ذرا بھی شک و شبہ نہیں کرنا چاہئے۔

امام اور غیبت

حضرت کی غیبت کے سلسلے میں بارہا پیغمبر اسلامؐ نے اشارہ فرمایا ہے اور کثرت سے ائمہ علیہم السلام نے تذکرہ کیا ہے حضرت کی غیبت کو پیدائش

سے پہلے اس حد تک بیان کیا گیا تھا کہ جو شخص بھی حضرت امام زمانہؑ کے وجود پر ایمان رکھتا تھا وہ حضرت کی غیبت پر بھی اعتقاد رکھتا تھا۔ اس سلسلے میں موج در موج روایتیں ملتی ہیں یہاں صرف چند کا تذکرہ کر رہے ہیں۔

۱۔ پیغمبر اسلامؐ نے ارشاد فرمایا کہ:۔

میرے فرزندوں میں قائم اس عہد کی بنا پر جو میری طرف سے ان تک پہونچے گا ایسی غیبت اختیار کریں گے کہ اکثر لوگ یہ کہنے لگیں گے کہ خدا کو آل محمد کی ضرورت نہیں ہے۔ بعض افراد ان کی ولادت میں شک و شبہ کریں گے۔ جو شخص اس زمانے کو پائے وہ اپنے دین پر ثابت قدم رہے شک و تردید کو اپنے خیالوں میں جگہ نہ دے شیطان کو اپنے اوپر مسلط نہ کرے ورنہ وہ اسے میرے دن اور میری ملت سے خارج کر دے گا۔ [۱]

۲۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔

ہمارے قائم کی غیبت ایسی ہوگی جس کی مدت طولانی ہوگی..... ہوشیار رہو جو شخص اپنے دین پر ثابت قدم رہے گا اور غیبت کی طولانی مدت اسے سنگ دل بنائے گی (دین سے منحرف نہ کریگی) وہ قیامت میں میرا ہم درجہ ہوگا۔ [۲]

۳۔ محمد بن مسلم کا بیان ہے کہ:۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کو فرماتے سنا کہ۔ اگر اپنے امام کی غیبت کی خبر سننا تو ہرگز انکار نہ کرنا۔ [۳]

---

[۱] اثبات الہداۃ ج ۶ ص ۳۸۶ [۲] اثبات الہداۃ ج ۶ ص ۳۹۴۔ ۳۹۵

[۳] اثبات الہداۃ ج ۶ ص ۳۵۰۔

۴۔ علامہ طبرسی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ شیعہ محدثین نے غیبت کی حدیثیں ان کتابوں میں درج کی ہیں جو حضرت امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادق علیہما السلام کے زمانے میں لکھی گئی ہیں۔ ان با اعتماد اور مورد اطمینان محدثین میں ایک "حسن بن محبوب" ہیں انہوں نے غیبت سے سو سال قبل کتاب "مشیخہ" تحریر فرمائی اور اس میں غیبت کی حدیثوں کو درج کیا ہے۔ مندرجہ ذیل حدیث انہیں میں سے ایک ہے.......

ابو بصیر کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت امام باقر علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ قائم آل محمد کی دو غیبت ہوگی ایک طولانی دوسری مختصر۔ فرمایا ہاں ابو بصیر ان دونوں غیبتوں میں ایک طولانی تر ہوگی۔ [۱]

اس بیان کے مطابق رسول خداؐ اور ائمہ طاہرین علیہم السلام نے حضرت ولی عصرؑ کی غیبت کے بارے میں اسی طرح حدیثیں بیان فرمائی ہیں جس طرح حضرت کی ولادت اور وجود کے سلسلے میں بیان فرمائی ہیں حضرت کے وجود کے عقیدے کے ساتھ ساتھ حضرت کی غیبت کے عقیدے کی بھی تعلیم دی ہے۔

جناب شیخ صدوق علیہ الرحمہ سید حمیری سے نقل فرماتے ہیں کہ۔ میں "محمد بن حنفیہ" کا غلو کی حد تک معتقد تھا اور ان کی غیبت پر عقیدہ رکھتا تھا یہاں تک کہ خداوند عالم نے حضرت امام صادق علیہ السلام کے ذریعہ مجھ پر احسان فرمایا آتش جہنم سے نجات دلاکر راہ راست کی ہدایت فرمائی۔ اور وہ

---

[۱] اعلام الوریٰ ص ۲۱۶

اس طرح کی جب دلیلوں کے ذریعہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی امامت مجھ پر واضح اور روشن ہو گئی۔ ایک دن حضرت جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا۔ اے فرزند رسول آپ کے آباء و اجداد سے غیبت کی حدیثیں ہم تک پہونچی ہیں۔ آپ یہ ارشاد فرمائیں کہ یہ غیبت کس شخص کو نصیب ہو گی؟۔

فرمایا:۔ وہ شخص میری نسل کا چھٹا فرزند ہو گا اور رسولِ خدا کے بعد بارہواں امام ہو گا جس سلسلے کے پہلے امام حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام اور اور آخری امام قائم بحق، خدا کی آخری حجت کارخانہ قدرت کے آخری شاہکار حضرت صاحب الزماں ہیں۔ [۱]

کیوں اِمام غائب ہیں؟

پچھلے اسباق میں یہ بات ذکر کی جا چکی ہے کہ امامؑ اور جانشین پیغمبرؐ کا وجود بے شمار جہتوں سے لازم اور ضروری ہے جیسے، رفع اختلافات، قوانینِ الٰہی کی صحیح تفسیر، معنوی اور باطنی ہدایت .... خدائے رحمٰن ورحیم نے رسولِ خداؐ کے بعد امیر المومنین علیہ السلام کو اور ان کے بعد ان کے گیارہ فرزندوں کو یکے بعد دیگرا امام معین فرمایا ہے۔

یہ بات بدیہی ہے کہ امام زمانہؑ کی بھی وہی ساری ذمہ داریاں ہیں جو ان سے پہلے اماموں کی تھیں۔ اگر رکاوٹیں نہ ہوتیں تو دوسرے اماموں کی طرح یہ بھی ظاہر ہوتے اور لوگ ان سے تمام تر فوائد حاصل کرتے۔ لیکن امام زمانہؑ

---

[۱] کمال الدین ج ۱ ص ۱۱۲

ابتدا ہی سے نگاہوں سے غائب کیوں ہیں؟ اس سوال کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ :۔

خداوند عالم کی حکمت پر اعتقاد و ایمان رکھنے کے بعد ضروری نہیں ہے کہ ہم غیبت کا فلسفہ اور اس کی علت تلاش کریں کیونکہ غیبت کی اصلی علت نہ جاننے سے ہمیں کوئی ضرر نہیں پہونچے گا بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن کی علت اور فلسفہ سے ہم ناواقف ہیں۔ یہ بس اتنا کافی ہے کہ ہم بے پناہ حدیثوں اور دلیلوں کے ذریعہ یہ یقین رکھیں کہ خدا نے اپنی حجت کو بھیجا ہے اور بعض مصلحتوں کی بنا پر ہماری نگاہوں سے دور پردۂ غیبت میں رکھا ہے۔

بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ غیبت کا اصلی فلسفہ ظہور کے بعد واضح ہوگا۔

"عبداللہ فضل ہاشمی" کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ کو فرماتے ہوئے سنا کہ "صاحب الامرؑ کے لئے یقیناً ایک ایسی غیبت ہوگی جس میں اہل باطل شک و تردید میں مبتلا ہوجائیں گے۔ میں نے دریافت کیا یہ کیوں؟ فرمایا ان علل و اسباب کی بنا پر جن کے بیان کرنے کی ہمیں اجازت نہیں ہے۔

عرض کیا اس کی حکمت کیا ہے۔؟

فرمایا وہی حکمت ہے جو اس سے پہلے کی حجتوں کی غیبت کے بارے میں تھی۔ یہ حکمتیں حضرت کے ظہور کے بعد ہی ظاہر ہوں گی۔ جس طرح جناب خضر کے کاموں کی حکمتیں۔ (کشتی میں سوراخ کرنا، جوان کا قتل، گرتی ہوئی دیوار کو سیدھا کرنا) ابتدا میں معلوم نہ ہوسکیں یہ حکمتیں اس وقت ظاہر ہوئیں جب جناب موسیٰ حضرت خضر سے جدا ہوتے۔

اے فرزند فضل غیبت امر الٰہی اور اسرار خداوندی ہے۔ چونکہ

خدا کو حکیم جانتے ہیں اس لئے ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہے گرچہ اس کی تفصیلات سے ہم ناواقف ہی کیوں نہ ہوں۔ [1]

بعض روایتوں سے استفادہ ہوتا ہے کہ غیبت کے بعض ظاہری فوائد بھی ہیں جن میں سے چند کا تذکرہ کریں گے۔

(۱) لوگوں کی آزمائش

غیبت کا ایک فائدہ لوگوں کی آزمائش ہے تاکہ وہ لوگ جو صاحبِ ایمان نہیں ہیں ان کی حقیقت واضح ہوجائے۔ اور وہ لوگ جن کے دل کی گہرائیوں میں ایمان کی جڑیں موجود ہیں وہ مصائب اور سختیاں برداشت کرکے اور پختہ ہوجائیں غیبت پر ان کا ایمان اور زیادہ کامل ہوجائے تاکہ سعادت اور ثواب کے بلند درجات حاصل کرسکیں۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ:۔

جس وقت میرا پانچواں فرزند نگاہوں سے پوشیدہ ہوگا۔ اس وقت دین پر ثابت قدم رہو اور ہوشیار رہو تاکہ کوئی تمہیں دین سے منحرف نہ کرسکے۔ صاحب الامر کے لئے ایک ایسی غیبت ہوگی جس میں عقیدت مندوں کا ایک گروہ ان سے دست بردار ہوجائے گا۔ یہ غیبت ایک آزمائش ہے جس سے خدا بندوں کا امتحان لے گا۔ [2]

(۲) قتل سے حفاظت

تاریخ کا مطالعہ کرنے سے رہبرانِ دین ائمہ برحق علیہم السلام سے خلفائے

---

[1] اثبات الہداۃ ج ۶ ص ۴۳۸ [2] بحار الانوار ج ۵۲ ص ۱۱۳

وقت کے جو روابط رہے ہیں وہ بخوبی واضح ہوجاتے ہیں اور یہ حقیقت روشن ہوجاتی ہے کہ اگر بارہویں امامؑ بھی ظاہر ہوتے تو اپنے آباء و اجداد کی طرح قتل کر دیئے جاتے یا ان کو زہر دے دیا جاتا کیونکہ ہر ایک اس بات سے واقف تھا کہ خاندان پیغمبرؐ علیؑ و فاطمہؑ ـــــ خدا کا سلام ہو ان سب پر ـــــ کے فرزندوں میں ایک ایسی ذات ظاہر ہوگی جو ظالموں جابروں اور ستمگروں کی بساط حکومت تہ کر دے گی۔ اور وہ امام حسن عسکری علیہ السلام کا فرزند ہوگا اس لئے عباسیوں نے ان کو قتل کرنے کی بھرپور کوشش کی مگر خداوندِ عالم نے ان کی حفاظت کی اور دشمنوں کو سخت مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔

زرارہ حضرت جعفرِ صادق علیہ السلام سے یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ قائم کے ظہور سے پہلے طولانی غیبت ہے۔ عرض کیا۔ کیوں؟۔

فرمایا: قتل سے محفوظ رہنے کے لئے۔ یہ غیبت اس وقت تک باقی رہے گی یہاں تک کہ ان کی حکومت کے اسباب فراہم ہوجائیں اور ظالموں جابروں کی حکومت پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے زمین ہموار ہوجائے۔ [1]

غیبت میں وجود امام کا فائدہ

ابھی ہم یہ بات کہہ چکے ہیں کہ خداوند عالم نے امام زمانہؑ کو اس لئے معین فرمایا ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان رہیں اور ان کی ہدایت کرتے رہیں۔

---

[1] منتخب الاثر ص ۲۶۹

لیکن یہ عوام ہی ہیں جو حضرت کے ظہور کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں جس وقت لوگ ایسی حکومت کے لئے آمادہ ہو گئے جس کی بنیاد عدل و انصاف پر ہو جس میں ہر ایک کے حق کا پورا پورا خیال رکھا جائے۔ تمام اسلامی احکام بغیر کسی خوف و ہراس کے نافذ کئے جائیں اس وقت حضرت کا ظہور ہو جائے گا لہذا خداوندِ عالم کی طرف سے کوئی کمی نہیں تقصیر خود ہماری اپنی ہے جس کی بنا پر امام نگاہوں سے پوشیدہ ہیں اور عالمی حکومت کے قیام میں تاخیر ہو رہی ہے۔ یہ بات بھی جان لینا چاہئے کہ وجود امام کا فائدہ صرف ظاہری ہدایت اور رہبری میں منحصر نہیں ہے بلکہ نظام کائنات اور نظام شریعت کے لحاظ سے اور بھی بہت سے فائدے ہیں جس کے لئے امام کا ظاہر ہونا ضروری نہیں ہے۔

وجود امام کا ایک بہترین فائدہ یہ ہے کہ امام خالق اور مخلوق کے درمیان واسطۂ فیض ہیں اپنی جگہ یہ حقیقت متعدد دلیلوں اور حدیثوں سے ثابت ہو چکی ہے کہ اگر امام نہ ہوں تو خالق اور مخلوق کے درمیان رابطہ منقطع ہو جائے کیونکہ خدا کے تمام فیوضات اور برکتیں امام ہی کے ذریعہ لوگوں تک پہونچتی ہیں۔ حدیثوں میں اس مضمون کی متعدد حدیثیں ملتی ہیں کہ " لو بقیت الارض بغیر امام لساخت ...... اگر زمین بغیر امام کے رہ جائے تو دھنس جائے۔[1]

ہاں امامؑ اس کائنات کا نقطۂ مرکزی ہے نوع بشر کا مربی اور رہنما ہے لہذا نگاہوں کے سامنے رہنے یا نہ رہنے سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ باصلاحیت اور شائستہ افراد کے حق میں امام کی معنوی ہدایت ہمیشہ جاری ہے خواہ لوگ اسے دیکھ پائیں یا نہ دیکھ پائیں۔

---

[1] اصول کافی ج ۱ ص ۱۷۹ طبع آخوندی

بعض روایتوں سے اشارہ ملتا ہے کہ امام مومنین کی بزم میں آتے رہتے ہیں لیکن مومنین انہیں پہچان نہیں پاتے ہیں [1] غیبت کے زمانے میں بھی امام دین کی حفاظت کر رہے ہیں اور شائستہ افراد کی اخلاقی تربیت کر رہے ہیں۔ غیبت کے زمانے کا وجود ایسا ہی ہے جیسے بادلوں کی اوٹ میں آفتاب۔ کہ اس کے نور اور اس کی حرارت سے ساری کائنات بہرہ مند ہو رہی ہے ان اثرات کو دیکھتے ہوتے بدلی میں آفتاب کے وجود سے انکار کور چشم اور کور باطن ہی کر سکتا ہے۔

ایک شخص نے حضرت جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ غیبت کے زمانے میں لوگ کس طرح وجود امام سے استفادہ کریں گے۔

امام نے ارشاد فرمایا۔ جس طرح بادلوں کی اوٹ میں پوشیدہ آفتاب سے استفادہ کرتے ہیں؟ [2]

اس سلسلہ میں ایک [3] مستشرق کے بیان کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں۔

"میرا عقیدہ یہ ہے کہ صرف مذہب شیعہ وہ تنہا مذہب ہے جس نے خالق اور مخلوق کے درمیان واسطہ کو ہمیشہ محفوظ رکھا ہے اور ہمیشہ ہدایت الٰہی کے رابطہ کو باقی رکھا ہے۔ یہاں ولایت و ہدایت کا سلسلہ ابتداء سے آج تک قائم ہے۔ یہودیوں نے سلسلہ ولایت و ہدایت کو حضرت موسیٰ پر ختم کر دیا۔

---

[1] اصول کافی ج ۱ ص ۳۳۷۔ [2] منتخب الاثر ص ۲۷۲-۲۷۰

[3] ڈاکٹر کربن۔ سوربن یونیورسٹی فرانس ہے۔

حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد مصطفیٰؐ کی نبوتوں پر ایمان نہ لائے ــــ عیسائی اس سلسلہ کو حضرت عیسیٰؑ سے آگے نہ بڑھا سکے وہ حضرت محمد مصطفیٰؐ کی نبوت کے معتقد نہ ہوئے۔ مسلمانوں میں اہلِ سنت اس سلسلہ میں حضرت محمد مصطفیٰؐ پر آکر رک گئے اور آنحضرت کے بعد یہ سلسلہ ولایت و ہدایت منقطع ہوگیا۔

صرف مذہب شیعہ وہ مذہب ہے جو آنحضرت کی ختم نبوت پر اعتقاد رکھتا ہے اور اس مذہب نے سلسلہ ولایت و ہدایت کو آنحضرت کے بعد اماموں کے ذریعہ محفوظ رکھا ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک باقی رہے گا۔

ہاں تنہا مذہب شیعہ وہ مذہب ہے جہاں خالق اور مخلوق کے درمیان واسطۂ فیض ہمیشہ محفوظ اور باقی ہے لہ (اور یہی اس کی حقانیت کی دلیل ہے)

ایک یاددہانی

امام زمانؑ کے عقیدے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اور عالم غیب کے درمیان رابطہ منقطع نہیں ہوا ہے اور جو اس عقیدہ پر قائم اور ثابت قدم ہیں انکے لئے ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ حضرت کی یاد میں رہیں اور ان کا تذکرہ کرتے رہیں ایک غیبی مصلح کی آمد کا انتظار کرتے رہیں۔

انتظار کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ سارے مسلمان اور شیعہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں اور اسلامی مقاصد کی ترقی اور توسیع کی کوئی سعی و کوشش نہ کریں۔ بلکہ جیسا کہ ہمیشہ سے علماء کہتے آتے ہیں کہ ہر مسلمان اور شیعہ کا فرض ہے کہ جہاں تک

لہ سالنامہ مکتب تشیع سال دوم ص ۲۰ ۔ ۲۱

ہوسکے اسلامی معاشرے کی تشکیل کی کوشش کرے، اسلامی معارف کی نشر واشاعت کی حتی الامکان سعی وکوشش کرے ظلم اور ظالموں کے خلاف آواز اٹھائے اور اپنے امکان بھر ان کا مقابلہ کرے تاکہ عادلانہ عالمی حکومت کے لئے زمین ہموار ہوسکے۔ یعنی سماج کو اس طرح کی تعلیم دی جائے کہ ہر شخص عدل کا خوگر اور انصاف کا رسیا نظر آئے۔ اگر معاشرہ میں ظلم وجور کی حکمرانی ہے تو ہر ایک اس خلاف صدائے احتجاج بلند کرے اور ان اعمال سے نفرت وبیزاری کا اظہار کرے۔

ہاں ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ ایمان اور اسلام کی راہ میں فداکاری کرے اور ہمیشہ حضرت مہدیؑ کے استقبال کی تیاری میں رہے۔ یعنی اپنی زندگی کے لئے ایسے اصول معین کرے جو حضرت کے منصوبوں کے متضاد نہ ہوں تاکہ وہ حضرت کے جانثاروں، فداکاروں اور مددگاروں کے قدم سے قدم ملاسکے اور انکی صف میں کھڑا ہوسکے۔

انتیسواں ۲۹ سبق

ابدی قیام گاہ

مَا خُلِقْتُمْ لِلْفَنَاءِ بَلْ خُلِقْتُمْ لِلْبَقَاءِ
وَاِنَّمَا تُنْقَلُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلٰی دَارٍ
تم ہمیشہ کیلئے پیدا کئے گئے ہو فنا کیلئے نہیں
صرف ایک گھر سے دوسرے گھر منتقل ہو جاؤ گے

پیغمبر اسلامؐ [1]

تمام آسمانی مذاہب نے اس بات کی باقاعدہ وضاحت کی ہے کہ موت انسان کی آخری منزل نہیں ہے۔ موت کے ذریعہ انسان اس دنیا سے دوسری دنیا میں منتقل ہو جاتا ہے جہاں اسے اسکے اچھے اور برے اعمال کا بدلہ دیا جائیگا۔

انبیاء علیہم السلام اور ان کے پیروکار اس نکتہ پر زور دیتے تھے کہ دنیا کا یہ نظام بے کار اور بے مقصد نہیں ہے اس دنیا سے جانے کے بعد ان تمام اعمال کا حساب وکتاب ہوگا جو اس نے اس دنیا میں انجام دئے ہیں۔ اسلئے یہ حضرات اپنے کو یقینی مستقبل اور آئندہ پیش آنے والے واقعات کیلئے آمادہ کرتے تھے گویا دل کی زبان سے یہ جملہ دہراتے تھے کہ:۔

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ [2]

---

[1] بحار ج ۶ ص ۲۴۹ [2] سورۂ آل عمران آیۃ ۱۹۱

پروردگارا تو نے اس کائنات کو بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ تو بے مقصد کام سے پاک و پاکیزہ ہے ہمیں آتش جہنم سے محفوظ رکھ۔

قیامت کے سلسلے میں بعض دلیلیں ملاحظہ ہوں۔

① خدا کی حکمت اور عدالت

تمام آسمانی مذاہب اور تمام انبیاء علیہم السلام نے قیامت کے بارے میں وضاحت کی ہے اور اس کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ عقل، خدا کی حکمت، عدالت اور رحمت بھی قیامت کے یقینی ہونے کو بتاتی ہے۔

خداوندِ عالم کی حکمت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ نیکوکاروں کو ان کے اعمال کی جزا اور بدکاروں کو ان کے اعمال کی سزا ملنی چاہئے ظالموں سے مظلوموں کو حق ملنا چاہئے۔ اسی کے ساتھ ساتھ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس دنیا میں بہت سے نیکوکاروں کو جزا نہیں ملتی ہے اور نہ بدکاروں کو مکمل سزا ملتی ہے اور نہ ظالموں کو ان کے ظلم کا بھرپور بدلہ ملتا ہے۔ بدکار اپنی تمام بدکاریوں کے باوجود اس دنیا میں راحت و آرام کی زندگی بسر کرتے ہیں اور بغیر کوئی سزا بھگتے اس دنیا سے چلے جاتے ہیں۔ ظالم خوش خوش اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے اور مظلوم کی آخری سانس بھی کرب و بے چینی میں گذرتی ہے۔

اگر موت ہی کو تمام چیزوں کا خاتمہ قرار دیا جائے اور اس کے بعد قیامت اور آخرت کا کوئی تصور نہ ہو تو اس صورت میں خدا کی حکمت، عدالت اور رحمت کے بارے میں کیا کہا جائے گا؟؟

یہ بات کیونکر باور کی جاسکتی ہے کہ جس عادل، حکیم اور مہربان خدا نے

اس دنیا کو وجود بخشا ہے اس دنیا میں ظلم و جور میں گرفتار مظلوم بندے ظلم سہتے سہتے اس دنیا سے رخصت ہو جائیں اور ان کے ساتھ انصاف نہ ہو۔؟

ہم سب یہی کہیں گے یہ روش سراسر ظلم ہے، عام انسان کی حکمت، عدالت اور رحمت ہرگز اس بات کی سزاوار نہیں ہے چہ جائیکہ خداوندِ حکیم اور عادل اس طرح کا کام انجام دے۔؟ وہ خدا جس کو ہماری خلقت سے کوئی فائدہ نہیں پہونچتا۔ ہماری خلقت کا فائدہ خود ہمیں پہونچتا ہے تاکہ ہم نیک اعمال انجام دے کر بلند درجات حاصل کریں۔ کیا ممکن ہے کہ انسان کی صلاحیتوں کو باقاعدہ بارآور ہونے سے پہلے ہی وہ اس سارے سلسلے کو منقطع کر دے اور بات نامکمل رہ جائے۔؟

یقیناً خدا ہر اعمال و کردار کا مکمل بدلہ دوسری دنیا میں دے گا۔ ذرہ برابر بھی فروگذار نہیں کرے گا۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۔ [۱]

"....... جن لوگوں نے برے کام کئے ہیں وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم انہیں ان لوگوں کے مانند قرار دیں گے جو ایمان لائے ہیں اور نیک کام کئے ہیں۔ کیا ان کی زندگی اور موت نیکو کاروں کی حیات و موت کے برابر ہے؟

---

[۱] سورۂ جاثیہ آیت ۲۲-۲۱۔

یہ لوگ کتنا برا فیصلہ کرتے ہیں اور خداوندِ عالم نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا۔ جس نے جو کچھ بھی کیا ہے اسے اس کا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ذرا بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔"

اس کے علاوہ بعض اعمال کی سزا اس دنیا میں نہیں مل سکتی۔ جیسے کسی شخص نے ایک ایٹم بم پھینک کر لاکھوں انسانوں کو نیست و نابود کر دیا۔ اس دنیا میں اس کا ایک مرتبہ قتل کر دینا کیا لاکھوں انسانوں کے خون کا بدلہ ہو جائے گا۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ اس ظلم کی مکمل سزا بس آخرت میں مل سکتی ہے۔ جہاں ایک مرتبہ کے قتل سے ابدی موت نہ ہوگی۔ بار بار زندہ کیا جائے گا اور سزا دی جائے گی۔

اور اس کے علاوہ اس دنیا کی زندگی مختلف قسم کی پریشانیوں سے گھری ہوئی ہے۔ یہ دنیا اس لائق نہیں ہے کہ خدا اسے نیکوکاروں کی جزا قرار دے۔ وہ لوگ جنہوں نے اپنی ساری زندگی خدا کی مرضی کے مطابق گذاری۔ ساری عمر بندگانِ خدا کی خدمت کرتے رہے۔ اس راہ میں اپنی جان کو بھی عزیز نہ رکھا بلکہ وقت آنے پر اس کو خدا کی راہ میں قربان کر دیا۔ خود مصیبت اٹھا کر دوسروں کو موت سے نجات دلائی ـــــ کیا ایسے لوگوں کے اعمال کا بدلہ یہی چند روزہ دنیا قرار پا سکتی ہے۔ خدا کی عدالت اس فانی دنیا کو نیکوکاروں کے ابدی اعمال کا بدلہ کیونکر قرار دے گی۔

(۲) مکافات

اس دنیا میں اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سُنا ہے کہ جن لوگوں نے اپنے والدین پر ظلم و ستم کیا۔ ان کی زندگی تلخیوں سے بھری گذری،

یا جن لوگوں نے اپنے والدین کو قتل کیا وہ عین جوانی میں موت کا شکار ہو گئے۔ اور وہ لوگ جنہوں نے اپنے والدین کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کیا انہیں اس کا صلہ راحت و آرام کی صورت میں اسی دنیا میں ملا ___ جن لوگوں نے یتیموں کے حق میں ظلم کیا اس کی سزا انہیں اسی دنیا میں بھگتنی پڑی۔

قرآن نے اس حقیقت کی طرف متوجہ کیا ہے کہ :۔ وہ لوگ جنہیں اپنے کمزور و ناتواں یتیموں کے بارے میں خوف و ہراس لاحق ہے کہ ان کے بعد ان کا کیا ہوگا انہیں (اس بات سے ڈرنا چاہیئے کہ دوسرے یتیموں پر ظلم و ستم نہ کریں کہیں اس کا بدلہ ان کے یتیموں کو نہ ملے) اور تقویٰ الٰہی اختیار کرنا چاہیئے۔

...... وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ...... [1]

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں :۔ خداوند عالم نے یتیم کا ناحق مال کھانے میں دو سزا رکھی ہے دنیا میں پریشانیاں اور آخرت میں عذاب۔ [2]

بسا اوقات انسان مصائب و مشکلات میں گرفتار ہو جاتا ہے اپنے ان بد اعمالیوں کی بنا پر جو اس سے سرزد ہوتی ہیں۔ درحقیقت یہ مصیبتیں وہ دنیاوی عذاب ہے جو اس دنیا میں مل رہا ہے تاکہ وہ ہوش میں آئے اور اپنے کردار پر نظر ثانی کرے اور اس کے اصلاح کی کوشش کرے ___ قرآن حکیم نے اپنی متعدد آیتوں میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کہ :۔

---

[1] سورہ نساء۔ آیۃ ۹ [2] نور الثقلین ج ۱ ص ۳۷۰

وَمَا اَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ [1]

تم پر جو بھی مصیبت پڑتی ہے وہ تمہارے ہی کئے کا نتیجہ ہے۔

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ [2]

جو لوگ خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتے ہیں انہیں اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ ان پر کوئی مصیبت نازل ہو یا کسی دردناک عذاب میں گرفتار ہوں

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ [3]

خدا کسی کی بھی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے کو نہ بدلے۔ [3]

گذشتہ انبیاء علیہم السلام کی بعض امتیں اپنی نافرمانی اور سرکشی کی بنا پر اسی دنیا میں مبتلائے عذاب ہو چکی ہیں قرآن حکیم نے قوم نوح، قوم ہود قوم صالح، قوم لوط اور قوم شعیب...... کی سرگذشت بیان کی ہے اور اس عذاب کی بھی تشریح کی ہے جو اسی دنیا میں ان پر نازل ہوا [4]

یہ عذاب، یہ مصیبتیں اور یہ مکافات عمل اس بات کی دلیل ہے کہ خداوندِ عالم ہرگز ظلم و ستم پر راضی نہیں ہے۔ اور اعمال کا مکمل بدلہ دوسری دنیا میں دے گا۔ یہ دنیاوی عذاب تو صرف ایک نمونہ ہے۔ دنیاوی عذاب دیکھنے کے بعد یقین ہو جاتا ہے کہ انسان کو خود اس کے حال پر نہیں چھوڑا گیا ہے بلکہ دوسری دنیا میں اس کے ہر ہر عمل کا باقاعدہ حساب و کتاب ہو گا۔

---

[1] سورہ شوریٰ آیت ۳۰ [2] سورہ نور آیت ۶۳ [3] سورہ رعد آیت ۱۱ [4] سورہ ہود وغیرہ

یہاں اس حقیقت کی طرف توجہ کرنا بہت ضروری ہے کہ وہ مصیبتیں اور مشکلیں جو نیکوکاروں پر نازل ہوتی ہیں وہ ان کے اعمال کی سزا نہیں ہے بلکہ وہ ان کے کردار کی مزید تعمیر، روحانی ارتقار، اور بلندی درجات کیلئے ہے۔ اگر بدکاروں کو اس دنیا میں ان کے اعمال کی سزا نہ ملے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خدا ان سے خوش ہے اور ان پر اپنی رحمتیں نازل کر رہا ہے یا بھول گیا ہے، بلکہ انھیں اپنے اعمال کا بھرپور بدلہ آخرت میں ملے گا اور ذرہ برابر بھی فروگذار نہیں کیا جائے گا۔

آخرت اسلامی نقطہ نظر سے

دوسرے آسمانی مذاہب کی بہ نسبت اسلام نے آخرت پر زیادہ زور دیا ہے اسلام میں جن موضوعات کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے ان میں آخرت سرفہرست۔ قرآن حکیم کی ایک ہزار سے زیادہ آیتیں آخرت کے موضوع اور اس کی جزئیات سے متعلق ہیں۔ جب کہ وہ آیتیں جن میں انفرادی، اجتماعی، معاشرتی...... احکام و قوانین بیان کیے گئے ہیں جنہیں "آیات الاحکام" کہا جاتا ہے ان کی تعداد پانچ سو سے کچھ زیادہ نہیں ہے۔ اسی بنا پر عقیدۂ قیامت اصولِ دین میں شامل ہے جو بھی اس کا انکار کرے گا وہ مسلمانوں کے زمرے سے خارج ہو جائے گا۔

جو آیتیں آخرت کے سلسلے میں نازل ہوئی ہیں انہوں نے متعدد پہلوؤں سے آخرت پر روشنی ڈالی ہے اور مختلف موضوعات کو بیان کیا ہے۔ صرف چند پہلوؤں کو بطور نمونہ پیش کریں گے۔

قیامت کے یقینی ہونے کے سلسلے میں ارشاد ہوتا ہے کہ

(۱) اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَکَ سُدًی ؁۱

کیا انسان نے یہ خیال کرلیا ہے کہ اس کو یونہی چھوڑ دیا گیا ہے۔؟ یعنی اس کے کردار کا حساب وکتاب نہ ہوگا۔

(۲) ہم نے آسمان وزمین اور جو چیزیں ان کے درمیان ہیں انہیں بیکار نہیں پیدا کیا ہے۔ یہ تو ان لوگوں کا خیال ہے جو کافر ہوگئے ہیں اور آتش جہنم ہے کافروں کے لئے۔

وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور نیکوکار ہیں کیا ہم انہیں ان لوگوں کے برابر قرار دیں گے جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں۔ یا پرہیزگاروں اور بدکاروں کو ایک درجہ دیں گے؟ ؁۲

(۳) وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰہَ غَافِلًا عَمَّا یَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنَّمَا یُؤَخِّرُہُمْ لِیَوْمٍ تَشْخَصُ فِیْہِ الْاَبْصَارُ۔ ؁۳

ہرگز یہ گمان نہ کرنا کہ خدا ظالموں سے غافل ہے۔ خدا انہیں اس دن کیلئے مہلت دے رہا ہے جس دن آنکھیں ــــــ عذاب کی شدت سے ــــ خیرہ ہوجائیں گی اس وقت ان ظالموں کے اعمال کا حساب وکتاب ہوگا ــــ

مشرک قیامت پر یقین نہیں رکھتے تھے اور اس کو ناممکن خیال کرتے تھے۔ ایک دن "ابی بن خلف" ایک بوسیدہ ہڈی لے کر پیغمبر اسلامؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کو اپنی چٹکیوں سے مسل کر کہنے لگا کہ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَھِیَ رَمِیْمٌ۔ ؁۴

؁۱ سورۂ قیامۃ آیۃ ۳۶ ؁۲ سورۂ ص آیۃ ۲۷-۲۸ ؁۳ سورۂ ابراہیم آیۃ ۴۲

؁۴ سورۂ یٰسٓ آیۃ ۷۸

ان بوسیدہ اور خاکستر ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا۔[1]
یہ شخص اپنی خلقت کی ابتدار کو فراموش کر چکا تھا خدا نے اس کا جواب
یوں دیا کہ :-

قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ[2]

وہ خدا جس نے ابتدا میں ان ہڈیوں کو پیدا کیا اور انہیں زندگی دی وہی
دوبارہ بھی زندہ کرے گا۔ اسے ہر مخلوق کا علم ہے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا:-

جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ کیا وہ ان جیسا پیدا کرنے پر
قدرت نہیں رکھتا؟ کیوں نہیں۔ وہ قدرت رکھتا ہے وہ بڑا ہی جاننے والا خالق ہے۔

أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلَى أَنْ
يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلَى وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ۔[3]

صاحبان ایمان اور کافروں کے انجام، بہشت میں مومنین کو کیا کیا
نعمتیں ملیں گی۔ اور کافروں کو دوزخ میں کس طرح کا عذاب دیا جائے گا۔
اس سلسلے میں ارشاد ہوتا ہے کہ :-

فَأَمَّا مَنْ طَغَى وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَى وَأَمَّا
مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَى فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَى۔[4]

---

[1] مجمع البیان ج ۸ ص ۴۳۴۔ تفسیر البرہان ج ۴ ص ۱۳ [2] سورہ یٰسین آیۃ ۷۹
[3] سورہ یٰسین آیۃ ۸۱ [4] سورہ نازعات آیۃ ۳۷ اور اس کے بعد کی آیتیں۔

جس نے سرکشی کی اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دی تو یقیناً اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اور جو اپنے رب سے ڈرا اور خواہشات نفس سے پرہیز کیا تو یقیناً اس کی قیام گاہ جنت ہے۔

مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزَىٰ إِلَّا مِثْلَهَا وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُونَ فِيهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ؁ [1]

جو برا کام کرے گا اس کو ویسی ہی سزا ملے گی۔ اور جو نیک کام کرے گا۔ خواہ مرد ہو یا عورت ـــــ اور باایمان ہو گا وہ جنت میں جگہ پائے گا اور اسے بے حساب رزق دیا جائے گا۔

آخرت کے عذاب کی شدت کو بیان کیا تاکہ لوگ برائیوں سے دور رہیں اور تقویٰ الٰہی اختیار کریں اس سلسلہ کی یہ آیتیں ملاحظہ ہوں۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ [2]

اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو اور تقویٰ اختیار کرو۔ یقیناً قیامت کا زلزلہ بڑا ہی ہولناک ہے۔ جس دن تم دیکھو گے کہ عذاب کی شدت سے ماں اپنے شیر خوار بچہ کو بھول جائے گی، حاملہ عورتیں اپنا حمل گرا دینگی، لوگوں کو مدہوش پاؤ گے۔ یہ مدہوش نہیں ہیں بلکہ عذاب کی شدت نے ان کے ہوش اڑا دیئے ہیں۔

---

[1] سورہ مومن آیہ ۴۰ [2] سورہ حج آیۃ ۲-۱۔

جس وقت قیامت کی ہولناک صدا بلند ہوگی جس دن بھائی، ماں، باپ، شوہر، زوجہ اولاد سب ایک دوسرے سے فرار کر رہے ہوں گے (اس دن ہر انسان صرف اپنی فکر میں ہوگا دوسرے سے بالکل لاپرواہوگا۔) [1]

یَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًا بَعِيْدًا ۝ [2]

جس دن ہر انسان اپنے تمام اچھے اور برے اعمال اپنے سامنے پائے گا اس وقت اس کی خواہش یہ ہوگی کہ کاش اس کے اور اس کے اعمال کے درمیان طولانی فاصلہ ہوتا۔

ان آیات کے علاوہ سیکڑوں آیتیں قیامت اور حساب وکتاب کے مسائل بیان کرتی ہیں اگر ان آیات پر غور کیا جائے اور ان کے مفاہیم پر توجہ دی جائے تو انسان کی روش میں ضرور تبدیلی آئے گی اور وہ کوئی بھی کام بغیر غور وفکر کے انجام نہیں دے گا۔ تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرے گا۔ آخرت کی آسائشوں کے لئے اسی دنیا سے وسائل فراہم کرے گا۔ پاک طینت مسلمان آخرت کے خوف سے، اپنے کردار، اخلاق، بلکہ اپنے افکار کو بھی پاک رکھتے ہیں اور روز حساب سے پہلے خود اپنا محاسبہ کرتے ہیں راتوں کو خوشگوار نیند سے بیدار ہوکر گرم بستروں کو چھوڑ کر شب کے سناٹے میں خدا کی عبادت کرتے ہیں اس سے راز ونیاز کرتے ہیں۔ اپنے اعمال کا جائزہ لیتے ہیں۔ وہ

---

[1] سورہ عبس آیۃ ۳۶-۳۲ [2] سورہ آل عمران آیۃ ۳۰۔

کوئی بھی کام ہوا و ہوس کی بنا پر انجام نہیں دیتے بلکہ دن رات اپنے اخلاق، کردار عادت و اطوار کی تربیت اور پاکیزگی میں منہمک رہتے ہیں۔

"صعصعۃ بن صوحان" کا بیان ہے کہ:۔ نماز صبح کے لئے مسجد کوفہ پہونچا۔ حضرت علی علیہ السلام نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی۔

نماز کے بعد وہ قبلہ رخ بیٹھ گئے اور یادِ خدا میں ڈوب گئے۔ کسی ایک طرف رخ نہیں کیا۔ یہاں تک کہ سورج نکل آیا۔ اس وقت آپ نے ہماری طرف رخ کرکے ارشاد فرمایا کہ:۔ میرے محبوب رسولِ خداؐ کے زمانے میں ایسے افراد تھے جو ساری رات رکوع و سجود میں بسر کرتے تھے۔ صبح کے وقت اُن کے چہرے اداس اور غبار آلود رہتے تھے۔ سجدے کی کثرت سے ان کی پیشانی پر گھٹہ پڑ گیا تھا۔ اور جب موت کو یاد کرتے تھے تو اس طرح کانپتے تھے جیسے تیز آندھی میں درخت کی شاخیں۔ اور اتنا روتے تھے کہ آنسوؤں سے ان کا لباس تر ہو جاتا تھا ——— یہ فرما کر حضرت علی علیہ السلام کھڑے ہوگئے اور یہ فرمایا۔ اور جو لوگ باقی رہ گئے ہیں وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ [1]

ایک دن نماز صبح کے بعد رسول خداؐ کی نگاہیں "حارثہ" نامی ایک جوان پر پڑیں۔ جو اونگھ رہا تھا، چہرہ زرد تھا آنکھیں اندر دھنسی ہوئی تھیں۔ رسولِ خداؐ نے اس سے سوال فرمایا کہ کس حال میں صبح کی۔؟

اس نے کہا۔ میں نے یقین کی حالت میں صبح کی۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: ہر یقین کی ایک حقیقت ہوتی ہے تمہارے یقین

---

[1] ارشاد ص ۱۱۴۔ نہج البلاغہ طبع فیض خطبہ ۹۶۔ مختصر سے تفاوت سے۔

کی حقیقت کیا ہے۔؟

اس نے کہا:- میرے یقین نے مجھے رنجیدہ کر دیا ہے، میری نیند اڑا لے گیا ہے اور مجھے چلچلاتی دھوپ میں پیاسا کر دیا ہے۔ گویا میں ابھی دیکھ رہا ہوں کہ قیامت آگئی ہے۔ لوگ حساب و کتاب کے لئے جمع ہو گئے ہیں میں بھی ان میں شامل ہوں ــــ میں دیکھ رہا ہوں کہ ایک گروہ بہشت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہا ہے اور جنت کے تختوں پر بیٹھے ایک دوسرے سے محو گفتگو ہے۔ اور ایک دوسرے گروہ کو دیکھ رہا ہوں جو عذاب جہنم میں مبتلا ہے اور ایک دوسرے سے مدد مانگ رہا ہے۔ ان کی آوازیں بلند ہیں ــــ جہنم کے شعلوں کی آواز میرے کانوں میں آرہی ہے

رسولِ خداؐ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: کہ خداوند عالم نے اپنے بندے کے دل کو ایمان کے نور سے منور کر دیا ہے۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے اس جوان سے فرمایا:-

اپنی اس حالت کی حفاظت کرو، یہ حالت سلب نہ ہونے پائے۔

اس نے عرض کیا۔ رسولِ خداؐ آپ خدا سے میرے حق میں یہ دعا فرمادیں کہ خدا مجھے آپ کے سامنے شہادت نصیب کرے۔

آنحضرتؐ نے یہ دعا فرمادی۔

کچھ دن نہ گذرے تھے کہ ایک جنگ میں ۹ شہیدوں کے بعد یہ جوان دسواں شہید تھا۔ [1]

---

[1] اصول کافی ج ۲ ص ۵۳ ـ ۵۴

تیسواں سبق

موت کے بعد

موت

"ایک دن یہ گھر چھوڑ دینا ہے"

ہاں، جس کو نہ موت آئی ہے اور نہ کبھی آئے گی وہ صرف خدا کی ذات ہے۔ اور ہم بندگان خدا ایک دن ضرور اس دنیا سے رخصت ہوجائیں گے۔

ہر روز غروب آفتاب ہماری رحلت کی شاعرانہ مثال ہے۔ خوشا بحال، اگر دوسرے دن ہم سورج کی طرح چمکتے دمکتے روشنی پھیلاتے ہوئے قیامت کے افق سے نمودار ہوں۔ اور یہی اہم ہے ورنہ ہمارا غروب یقینی ہے۔ موت ایک حقیقت ہے جو ہر ایک کے لئے ضروری ہے کسی کو بھی اس سے مفر نہیں ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ موت کے بعد کیا ہوگا؟ کیا ہم نابود ہوجائیں گے؟ موت ہماری زندگی کی آخری منزل ہے اس کے بعد کچھ نہیں؟ یا ہم موت کے بعد بھی زندہ رہیں گے۔ اور اگر زندہ رہیں گے تو کس طرح؟۔

وہ لوگ جو خدا کے معتقد نہیں ہیں وہ خیال کرتے ہیں کہ موت انسان کی آخری منزل ہے، موت کے بعد انسان بالکل نابود ہوجائے گا۔ بس یہی چند روزہ زندگی ہے اور اس کے بعد کچھ نہیں ___ لیکن وہ لوگ جو آسمانی دین کے قائل ہیں اور وحی پر رکھتے ہیں وہ اس طرز فکر کے سخت مخالف ہیں۔

وہ موت کو آخری منزل نہیں سمجھتے بلکہ وہ موت کو بام ابدیت تک پہونچنے کا زینہ سمجھتے ہیں وہ موت کو قیامت، برزخ اور اس دنیا کے درمیان ایک واسطہ سمجھتے ہیں۔

برزخ

قرآن حکیم کی سیکڑوں واضح آیتیں، ائمہ علیہم السلام کی بے شمار حدیثیں بتا رہی ہیں کہ موت انسان کی آخری منزل اور اس کی نابودی نہیں ہے۔ موت کے بعد بھی انسان زندہ رہے گا نعمتوں کی آغوش میں یا عذاب کے ہجوم میں ہنگامہ قیامت تک باقی رہے گا۔

موت اور قیامت کے درمیان کی مدت کو "برزخ" کہا جاتا ہے۔

برزخی زندگی ایک حقیقی زندگی ہے خیالی اور فرضی زندگی نہیں ہے۔ خداوند عالم کا ارشاد ہے "وہ لوگ جو راہ خدا میں شہید ہوئے ہیں انہیں ہرگز مردہ خیال نہ کرنا وہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے پاس رزق پا رہے ہیں اور جو کچھ اللہ نے اپنے فضل و کرم سے انہیں عطا کیا ہے اس پر راضی اور خوشنود ہیں۔[1]

اگر زندگی حقیقی زندگی نہ ہو تو اس جملہ "زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے پاس رزق پا رہے ہیں" کا کوئی مفہوم نہ ہوگا۔

"مومن آل یاسین" جس نے اپنی قوم سے وصیت کی تھی کہ جناب عیسیٰؑ کے نمائندوں کی پیروی کرو مگر قوم نے انکی پیروی نہیں کی۔ قرآن نے اس کو یوں بیان کیا ہے کہ۔

جب اس سے بہشت میں داخل ہونے کو کہا گیا۔ تو اس نے کہا کہ "کاش میری قوم

---

[1] وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ۝ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۔ سورہ آل عمران آیۃ ۱۶۹-۱۷۰

کو یہ معلوم ہو جاتا کہ خداوند عالم نے مجھے بخش دیا ہے اور مجھے بزرگوں میں شمار کیا ہے"۔ [1]

اس آیت میں جس بہشت کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ یہی برزخی جنت ہے۔ صاحبان ایمان موت اور قیامت کی درمیانی مدت اس جنت میں گذاریں گے۔

وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا اور آخری وقت تک گناہوں میں ملوث رہے۔ ان کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ :-

جب ان میں سے کسی ایک کو موت آتی ہے وہ یہ کہتا ہے کہ پروردگارا مجھے واپس پلٹا دے تاکہ میں نیک کام انجام دے سکوں۔

اس کی یہ تمنا پوری نہ ہوگی اور اس کو یہ جواب ملے گا کہ

كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِن وَرَائِهِم بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ٥

ہرگز نہیں یہ وہ بات ہے جسے وہ صرف زبان سے ادا کر رہا ہے۔ (اگر اس کو دوبارہ پلٹا دیا جائے تو وہی کچھ کرے گا جو اب تک کرتا آیا ہے) موت کے بعد سے قیامت تک برزخ ہے۔ [2]

اس سلسلہ میں یہ واقعہ خاص توجہ کا طالب ہے۔

جب جنگ بدر کا ہنگامہ ختم ہو گیا اور دشمن بھاگ گئے، دشمن اپنے کچھ لاشے میدان میں چھوڑ گئے تھے اور کچھ ایک کنویں میں ڈال گئے تھے۔ پیغمبر اسلامؐ اس کنویں کے پاس تشریف لائے اور ان مردوں سے فرمانے لگے کہ

اے کفار تم کیا برے پڑوسی تھے، خدا کے پیغمبرؐ کو اس کے گھر سے نکال دیا اور اس سے جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ میں نے اپنے پروردگار کے

---

[1] سورہ یٰسین آیۃ ۲۷-۲۶ [2] سورہ مومنون آیۃ ۱۰۰-۹۹۔

وعدے کو سچا پایا۔ تمہارے پروردگار نے تم سے جو وعدہ کیا تھا تم نے اسے حق پایا۔؟

حضرت عمرؓ اس گفتگو کو سن رہے تھے۔ پیغمبر اسلامؐ سے کہنے لگے۔ رسولِ خدا یہ مردہ جسم ہیں یہ آپ کی باتوں کو کیونکر سنیں گے۔ جو آپ ان سے گفتگو کر رہے ہیں۔؟

رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا۔ خاموش رہو۔ خدا کی قسم تم ان سے زیادہ نہیں سنتے۔ جس وقت میں یہاں سے چلا جاؤں گا عذاب کے فرشتے آہنی گرز ان کے سروں پر ماریں گے۔ لہ

جس وقت جنگ جمل ختم ہو گئی غبار جنگ بیٹھ گیا۔ مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام گھوڑے پر لاشوں کے درمیان گشت کر رہے تھے۔ "کعب بن سورہ" کے جنازے پر پہونچے ___ (حضرت عمر نے کعب کو بصرے کا قاضی معین کیا تھا اور حضرت عثمان کے آخری دور تک قاضی رہا یہ شخص جب جنگ کرنے آیا تھا تو گلے میں قرآن حمائل کئے ہوئے تھا اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ امامؑ کے خلاف جنگ کرنے آیا تھا) امامؑ کے حکم سے اس کے جسم کو بٹھایا گیا۔ امامؑ نے اس کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

اے کعب۔ میں نے اپنے خدا کے وعدے کو حق پایا۔ تم نے بھی اپنے خدا کے وعدہ کو سچا پایا؟

اس کے بعد امامؑ نے حکم دیا کہ اس کو لٹا دیا جائے۔ اس کے بعد امامؑ نے طلحہ کے لاشے سے بھی یہی گفتگو کی۔

اس وقت ایک شخص نے امامؑ کی خدمت میں عرض کیا:۔ آپ کے

لہ شرح عقاید تالیف شیخ مفید ص ۴۱ بحار ج ۶ ص ۲۵۴۔

اس کام کا کیا فائدہ؟ یہ لوگ تو آپ کی باتیں سن نہیں رہے ہیں۔

فرمایا۔ خدا کی قسم دونوں نے میری باتیں سنی ہیں جس طرح کشتگانِ بدر نے پیغمبرؐ کی باتیں سنی تھیں۔[1]

"حبہ عرنی" کا بیان ہے کہ میں حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ" وادی السلام گیا۔ امامؑ ایک جگہ ٹھہر گئے ایسا معلوم ہورہا تھا کہ کسی سے گفتگو کر رہے ہیں۔

میں بھی کافی دیر تک کھڑا رہا یہاں تک کہ تھک کر بیٹھ گیا۔ بیٹھے بیٹھے بھی تھک گیا۔ پھر کھڑا ہو گیا۔ یہاں تک کہ تھک کر پھر بیٹھ گیا۔ جب میں بالکل تھک کر چور ہو گیا۔ اپنی عبا لے کر امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ مولا میں یہ عبا بچھا دیتا ہوں آپ کچھ دیر اس پر آرام فرمائیں۔ مجھے ڈر ہے کہ زیادہ کھڑے رہنے سے کوئی تکلیف پیدا نہ ہو جائے۔

فرمایا ــــ اے حبہ اس طرح کھڑے رہنے سے تکلیف نہ ہوگی کیونکہ میں مومنوں سے بڑی خوشگوار باتیں کر رہا ہوں۔

عرض کیا۔ کیا وہ لوگ بھی اسی طرح ہیں؟

فرمایا۔ ہاں! اگر تمہاری آنکھوں سے پردہ اٹھا دیا جائے تو تم دیکھو گے کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے باتیں کر رہا ہے۔

عرض کیا۔ یہ اجسام ہیں یا ارواح۔؟

فرمایا۔ ارواح۔ مومن کو دنیا کے کسی بھی گوشہ میں موت آئے اسکی روح کو یہ حکم ملتا ہے کہ وہ وادی السلام میں آئے۔ یہ وادی زمین پر بہشت

---

[1] شرح عقاید ص ۴۲۔ بحار ج ۶ ص ۲۵۵

کا ایک ٹکڑا ہے مومنین کی روحیں دور اور نزدیک سے یہاں جمع ہوتی ہیں۔ [1]

سوال قبر

روایات سے استفادہ ہوتا ہے کہ قبر میں روح کا بدن سے ایک خاص ربط ہے۔ گرچہ اس نوعیت کا صحیح علم ہم کو نہیں ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ:۔ جو کوئی سوال قبر کا انکار کرے وہ ہمارا شیعہ نہیں ہے [2]

جس وقت مردے کو قبر میں لٹاتے ہیں۔ سوال کے فرشتے قبر میں آتے ہیں، اس کے دین، عقاید اور اعمال کے بارے میں سوال کرتے ہیں اگر صاحبِ ایمان اور نیکو کار ہوتا ہے تو مومنین کے ساتھ ورنہ کافروں اور بدکاروں کے ساتھ مل جاتا ہے۔ اور قیامت تک اپنے ہم جیسوں کے ساتھ رہے گا۔

شیخ صدوق علیہ الرحمہ اپنے اعتقادات میں تحریر فرماتے ہیں کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ سوال قبر حق ہے۔ جو صحیح جواب دے گا اس کی قبر نعمتوں اور راحتوں سے بھر جائے گی اور قیامت میں جنت میں جگہ ملے گی۔ اور جو صحیح جواب نہیں دے گا اس کی قبر عذاب کا مرکز ہوگی اور آخرت میں اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ [3]

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام ہر جمعہ کو مسجد نبوی میں لوگوں کو

---

[1] کافی ج ۳ ص ۲۴۳۔ بحار ج ۶ ص ۲۶۸-۲۶۷ [2] امالی صدوق ص ۱۷۷ طبع قدیم۔ بحار ج ۶ ص ۲۲۳

[3] اعتقادات صدوق ص ۱۶ طبع قدیم۔

ان الفاظ سے نصیحت فرماتے تھے۔

اے لوگو! تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرو، تمہاری بازگشت خدا کی طرف ہے جو یہاں نیکی کرے گا وہ مستقبل میں اسے دیکھے گا۔ اور جس کے اعمال ناپسندیدہ ہوں گے۔ اس کی یہ تمنا ہوگی کہ اس کے اور اس کے اعمالِ بد کے درمیان بڑا فاصلہ ہوتا۔ خدا تمہیں اپنے عذاب سے ڈراتا ہے۔

افسوس اے فرزند آدم تو کس قدر غافل ہے لیکن تجھ سے غفلت نہیں برتی جائے گی۔ موت سب سے پہلے تیری طرف آئے گی اور تجھے گرفتار کرے گی گویا موت کا وقت آپہونچا ہے موت کا فرشتہ تیرے سرہانے کھڑا ہے اور تمہاری روح تم سے واپس لے لے گا۔ تم قبر میں تنہا ہوگے۔ سوال کے فرشتے سوال کی خاطر تمہارے پاس آئیں گے اور یہ سوال کریں گے۔

پہلا سوال: اس خدا کے بارے میں ہوگا جس کی عبادت کرتے تھے اور اس پیغمبرؐ کے بارے میں ہوگا جو تمہاری طرف مبعوث کیا گیا۔ اور اس دین کے بارے میں سوال ہوگا جس کے تم معتقد تھے، اور اس کتاب کے بارے میں جس پر تم ایمان لائے، اور اس امامؑ کے بارے میں جس کی ولایت تم پر واجب کی گئی تھی، اور جس کی تم اطاعت کرتے تھے۔ تمہاری عمر کے بارے میں سوال ہوگا کہاں مصرف کی۔ مال و ثروت کے بارے میں پوچھا جائے گا کہاں سے حاصل کیا اور کس جگہ خرچ کیا۔ بس ان سوالوں کے بارے میں اپنا محاسبہ کرو اور جواب کیلئے تیار رہو۔

اگر صاحب ایمان اور پرہیزگار ہوگے، اپنے دین کو خوب جانتے ہوگے، اپنے امام اور رہبر کی پیروی کرتے ہوگے اور خدا کے دوستوں کو دوست

رکھتے ہوگے، خدا اس دن تمہاری زبان پر حق کے کلمات جاری کرے گا تمہیں جنت اور اپنی مرضی کی بشارت دے گا نعمت اور رحمت کے فرشتے تمہارے استقبال کو آئیں گے ــــــ اور اگر یہ تیاریاں نہ ہوں گی تو تمہاری زبان لکنت کرے گی اور کوئی جواب نہ بن پڑے گا۔ اس وقت تمہیں عذاب جہنم کی خبر دی جائے گی۔ عذاب کے فرشتے آگ اور کھولتے ہوئے پانی سے تمہارا استقبال کریں گے۔ [۱]

عذاب قبر

دنیا میں انسان کا جیسا کردار ہوگا قبر کے مسائل اس سے لاتعلق نہ ہونگے جن لوگوں نے پرہیزگاری کی حالت میں جان جان آفریں کے سپرد کی ہوگی ان کی قبر برزخ بہشت کا نمونہ ہوگی۔ وہ اپنی نیکیوں کو نورانی اور خوبصورت شکلوں میں دیکھے گا۔ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ:۔

جس وقت مومن موت کی آغوش میں سو جاتا ہے۔ اس وقت چھ نورانی اور خوبصورت شکلیں ان میں ایک سب سے زیادہ نورانی، خوبصورت اور معطر ہوگی اس کے ساتھ اس کی قبر میں داخل ہوں گی۔ داہنے، بائیں، اوپر، نیچے، سرہانے اور پائین پا کھڑی ہو جائیں گی۔ جو سب سے نورانی، خوبصورت ہوگی وہ دوسروں سے دریافت کرے گی کہ تم کون ہو۔؟ داہنی جانب والی کہے گی میں "نماز" ہوں۔ بائیں طرف والی کہے گی میں "زکات" ہوں ــــ

---

[۱] امالی صدوق ص ۳۰۱ بحار ج ۶ ص ۲۲۳۔

سامنے والی کہے گی میں "روزہ" ہوں سرہانے والی کہے گی میں "حج اور عمرہ" ہوں۔ پائین پا والی کہے گی میں اس کی وہ نیکیاں ہوں جو اس نے اپنے بھائیوں کے حق میں کی ہیں ــــ اس وقت سب مل کر اس نورانی اور خوبصورت سے دریافت کریں گی۔ کہ

تم کون ہو جو ہم سے اعلیٰ ہو ــــ ؟

وہ کہے گی۔ میں ولایت محمدؐ و آل محمدؐ اور ان کی دوستی اور محبت ہوں۔[1]

لیکن وہ لوگ جنہوں نے اس دنیا کو کفر کی نجاستوں اور بدکرداری سے آلودہ کر رکھا ہوگا جب یہ لوگ قبر میں اتارے جائیں گے تو اسے اپنے حق میں تیرہ و تاریک پائیں گے اور وہاں عذاب کے فرشتے طرح طرح کا عذاب نازل کریں گے۔

رسولِ خداؐ ایک انصاری کی تشییع جنازہ میں شریک ہوئے۔ دفن کے بعد اس کی قبر پر بیٹھے اور سر جھکا کر تین مرتبہ ارشاد فرمایا:۔

خدایا میں عذاب قبر سے پناہ مانگتا ہوں۔[2]

کوئی ضروری نہیں ہے کہ سوال قبر اور عذاب قبر کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں تب ایمان لائیں بلکہ ایمان لانے کے لئے بس اتنا کافی ہے کہ انبیاء اور ائمہ علیہم السلام اور بزرگان دین نے اس کی خبر دی ہے۔

ملا محسن فیض کاشانی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ: اس آنکھ میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ ان چیزوں کو دیکھ سکے جو ملکوت میں رونما ہوتی ہیں۔ اور وہ چیزیں جو آخرت اور برزخ میں پیش آتی ہیں انکا تعلق ملکوت سے ہے۔

پیغمبرؐ کے اصحاب جبرئیل کے آنے پر ایمان رکھتے تھے گرچہ خود

---

[1] محاسن برقی ج ۱ ص ۲۸۸۔ بحار ج ۶ ص ۱۲۴۔ [2] المحجۃ البیضاء ج ۸ ص ۳۰۲

جبرئیل کو نہیں دیکھتے تھے ــــ عذاب قبر بھی ایک ملکوتی امر ہے اسکے ادراک کے لئے دوسری حس کی ضرورت ہے جو صرف انبیاء اور اولیاء الٰہی کے پاس ہے۔"[1]

موت کی یاد

بعض لوگ موت کے تذکرے سے گھبراتے ہیں اور اس کے بارے میں سوچنے سے ڈرتے ہیں کبھی موت کی فکر ہی نہیں کرتے۔ گویا انہوں نے آبِ حیات پی لیا ہے اور ہمیشہ اس دنیا میں رہیں گے۔ اسی لئے تو موت سے غافل ہیں۔

وہ اس بات کو خوب جانتے ہیں مگر تسلیم نہیں کرتے کہ جس ذات کو نہ موت آئی ہے اور نہ کبھی آئے گی وہ صرف خدا کی ذات ہے۔ یہ لوگ موت سے غفلت کی بنا پر بے مقصد زندگی بسر کر رہے ہیں اور اپنی اصلاح کی کوئی فکر نہیں کرتے ہیں۔ ان کی اور حیوانوں کی زندگی میں کوئی خاص فرق نہیں ہے ان کا کردار، ان کی روش، ان کے عادات و اطوار خدا کے برگزیدہ بندوں کے کردار، روش اور عادت و اطوار سے کوسوں دور ہیں ــــ پیغمبر اسلامؐ فرمایا کرتے تھے کہ :۔

موت کو بہت زیادہ یاد کیا کرو۔ اس سے گناہ میں کمی ہوتی ہے اور اس دنیا کی طرف سے توجہ ہٹ جاتی ہے جو روحانی ارتقاء کے مدارج طے کرنے میں کوئی مدد نہ کر سکے۔[2]

---

[1] ماخذ سابق ص ۳۰۵ [2] المحجۃ البیضاء ج ۸ ص ۲۴۰۔

اسکے برخلاف کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ائمہ علیہم السلام کے احکام کی پیروی کرتے ہوئے اکثر موت کو یاد کیا کرتے ہیں اور ہر چیز میں آخرت کا فائدہ تلاش کرتے ہیں۔ ان کی دنیا وہ دنیا ہے جو آخرت کی نعمتوں کا مقدمہ بن سکے۔ ان کی جستجو، ان کی سعی و کوشش ہوا و ہوس کی بنا پر نہیں ہے۔ ان کی نظروں میں دنیا کی اتنی اہمیت نہیں ہے کہ جس کے حاصل کرنے کے لئے گناہ، جرم اور خیانت کی جائے ___ بلکہ یہ لوگ وسعت دل اور پاک نیتوں کے ساتھ اجتماعی خدمات انجام دیتے ہیں تاکہ آخرت کے لئے زیادہ سے زیادہ توشہ فراہم کرسکیں۔

یہ لوگ موت سے نہیں ڈرتے۔ ان کے سردار اور قافلۂ سالار حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام ہیں۔ جب ان کے سرِ اقدس پر دشمن کی تلوار لگی ہے تو پہلا جملہ یہی تھا کہ

فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَه

رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوگیا۔ [۱]

ہاں اس تنگ و تاریک دنیا سے نکل کر عالم ابدیت کی وسعتوں میں قدم رکھنا کامیابی اور کامرانی ہے لیکن انہیں کے لئے جنہوں نے حضرت علیؑ کے نقش قدم پر زندگی گذاری ہو۔ ساری عمر پاکیزگی میں بسر کی ہو۔ روح، جان اور افکار کی تطہیر نفس کی پاکیزگی۔ خدا کی عبادت بندگان خدا کی خدمت ان کی زندگی کا شیوہ رہا ہو۔

---

[۱] مناقب ابن شہر آشوب طبع نجف ج ۳ ص ۹۵۔ بحار ج ۴۲ ص ۲۳۹۔

حضرت ابوذر سے دریافت کیا گیا کہ "ہم موت سے کیوں بیزار ہیں"
فرمایا: تم نے اپنی دنیا آباد کی ہے اور آخرت ویران۔ اس لئے تم اس لئے تم اس بات پر تیار نہیں ہو کہ آبادی سے بربادی کی طرف کوچ کرو۔ [1]

پیغمبر اسلامؐ ارشاد فرماتے تھے کہ ــــ کیا تم سب لوگ بہشت میں جانا چاہتے ہو؟ سب نے کہا۔ ہاں یا رسول اللہ۔
اس وقت آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ:۔
بس اپنی تمناؤں کو کم کرو۔ ہمیشہ موت کو نگاہوں میں رکھو اور خدا سے ڈرتے رہو۔ [2]

عزیزوں اور دوستوں کی موت کو یاد کرنا، قبرستان جانا، مومنین کی قبروں کی زیارت کرنا یہ چیزیں عبرت اور نصیحت حاصل کرنے میں بہت مفید ہیں۔

جنّت

جنت وہ ابدی قیام گاہ ہے جسے خداوند عالم نیکوکاروں کو انکے اعمال کے صلہ میں عطا کرے گا۔ جنت میں ہر طرح کی نعمتیں، راحت رسانی کے تمام وسائل آرام کے تمام ذرائع فراہم ہوں گے وہاں ہر وہ چیز ہوگی جسے وہ لوگ چاہیں گے۔
جنت میں کینہ، حسد، دشمنی..... کا نام ونشان نہ ہوگا۔ وہاں سب بھائی بھائی کی طرح زندگی بسر کریں گے۔ ہر شخص وہاں ہمیشہ رہے گا اور کسی کو کوئی تکلیف نہ ہوگی [3]

---

[1] اعتقادات صدوق ص ۱۶، المحجۃ البیضاء ج ۸ ص ۲۵۸، بحار ج ۶ ص ۱۲۷۔

[2] المحجۃ البیضاء ج ۸ ص ۲۴۶۔ [3] سورہ حجر کی آیات ۴۷۔ ۴۸ سے استفادہ

پاک اور مخلص بندے جنت میں کریمانہ زندگی بسر کریں گے اور باعزت رہیں گے۔ مخملی تختوں پر تکیہ لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے ایک دوسرے سے دوستانہ باتیں کر رہے ہوں گے۔ جوان خدمت گذار، صاف شفاف جام وساغر لئے ان کے گرد ہوں گے اور وہ شراب ان کی خدمت میں پیش کریں گے جس میں نہ نشہ ہوگا اور نہ سر درد اور نہ عقل و ہوش اس سے متاثر ہوگا۔
ہر قسم کے پرندوں کا گوشت وہاں موجود ہوگا جس چیز کو وہ چاہیں گے وہ فوراً ان کے پاس آجائے گی۔

یہ ان نیکیوں کا صلہ ہوگا جو انہوں نے اس دنیا میں انجام دی ہیں۔ [1]
جنتی افراد آپس میں ایک دوسرے سے گفتگو کریں گے۔ ایک کہے گا۔
اے بہشتی دوستو! دنیا میں میرا ایک دوست تھا جو غرور و تکبر سے یہ کہا کرتا تھا کہ :۔

کیا تمہیں یہ یقین ہے کہ جب مر جائیں گے اور اس زمین میں ناپید ہو جائیں گے پھر دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اور اپنے اپنے اعمال کا صلہ پائیں گے؟
اے دوستو! چلو اس کو دیکھیں کہ وہ کس حال میں ہے۔
جب یہ لوگ نظر اٹھا کر دیکھیں گے تو اسے جہنم میں پائیں گے۔
یہ شخص اس سے کہے گا ۔ خدا کی قسم تم مجھے بھی اپنی طرح ہلاک کرنا چاہتے تھے۔ اگر خدا کی توفیق میرے شامل حال نہ ہوتی اس وقت میں بھی تمہاری طرح عذاب میں گرفتار ہوتا۔

---

[1] سورہ واقعہ کی آیات ۲۴-۱۱ اور سورہ صافات کی آیات ۴۷-۹۳ سے اقتباس و استفادہ۔

اس وقت جنتی لوگ ایک دوسرے سے کہیں گے۔ اب ہمیں دوبارہ موت نہ آئے گی۔ وہی آخری تھی جو گذر گئی اب ہمیں کوئی عذاب نہیں جھیلنا پڑے گا۔؟ ہاں یہی ہے عظیم کامیابی۔

جو اس طرح کی جنت کا آرزومند ہے اسے عمل کرنا چاہیئے۔

لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُوْنَ [1]

جہنّم

جہنّم کافروں اور گنہگاروں کی جگہ ہے جہاں کے عذاب اور شکنجہ کا اس دنیا کی مصیبتوں سے کوئی مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔

خداوندِ عالم نے جہنم کی ہولناکی کی تصویر قرآن میں اس طرح کھینچی ہے۔

وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا۔ عنقریب آتشِ جہنم میں پھینک دیئے جائیں گے جب ان کے بدن کی جلد جل کر گر جائے گی ہم انکے بدن پر دوسری جلد چڑھا دیں گے تاکہ دوبارہ جلیں اور ہمارے عذاب کا مزہ چکھیں۔ یقیناً خدا قادر اور حکیم ہے۔ [2]

کافروں کے لئے آگ کا لباس تیار کیا جائے گا۔ ان کے سروں پر جہنم کا کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا جس سے ان کی جلد بلکہ پورا بدن آگ ہو جائے گا۔ آہنی گرز ان کے سروں پر برسائے جائیں گے۔

جب یہ لوگ جہنم اور اس کے عذاب سے نکلنا چاہیں گے دوبارہ

---

[1] سورۂ صافات آیت ۶۱-۵۰۔ [2] سورہ نساء آیۃ ۵۶۔

واپس کر دئے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ خدا کے آتشیں عذاب کا ذائقہ چکھو۔ [1]

جہنمی افراد اپنے نگہبانوں سے کہیں گے کہ:۔ اپنے پروردگار سے درخواست کرو کہ ایک دن کے لئے ہمیں عذاب سے نجات دے دے۔

دوزخ کے نگہبان کہیں گے کہ: کیا پیغمبرؐ معجزات اور روشن دلیلوں کے ساتھ تمہاری ہدایت کے لئے نہیں آئے تھے؟

وہ کہیں گے۔ ہاں آئے تو تھے۔

نگہبان کہیں گے۔ جسے چاہو فریاد کے لئے بلاؤ۔ کافروں کی فریاد کا کوئی فائدہ نہ ہوگا [2]

اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا لِلطَّاغِيْنَ مَآبًا لَا بِثِيْنَ فِيْهَا اَحْقَابًا ٥ یقیناً دوزخ سرکشوں اور ستمگروں کی تاک میں ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں یہ لوگ دراز مدت تک رہیں گے۔ [3]

وائے ہو غیبت کرنے والے طعنہ زن پر۔ جو مال جمع کرتا ہے اور۔ بہت ہی محبت سے) اسے شمار کرتا ہے۔ وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس کا مال اسکو (اس دنیا میں) ہمیشہ باقی رکھے گا۔ ہرگز ایسا نہیں ہے۔ یقیناً وہ "حطمہ" میں جھونک دیا جائے گا۔ تمہیں کیا معلوم کہ "حطمہ" کیا ہے۔ وہ اللہ کی روشن کی ہوئی آگ ہے جو دلوں تک پہونچ جائے گی۔ [4]

---

[1] سورۂ حج آیات ۲۲۔ ۱۹ سے استفادہ۔ [2] سورہ مومن آیات ۵۰۔ ۴۹ سے استفادہ

[3] سورہ نبا آیۃ ۲۳۔ ۲۱ [4] سورہ ہمزہ آیات ۹۔ ۱

حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

یقین کرو تمہارے بدن کی جلد اتنی نازک ہے کہ وہ آتش جہنم کی گرمی برداشت نہیں کر سکتی۔ پس اپنے اوپر رحم کرو۔ تم نے اپنے کو دنیا کی مصیبتوں میں آزمایا ہے تمہیں اپنی ناتوانی کا علم ہے۔ اگر تمہارے بدن میں کوئی کانٹا چبھ جاتا ہے یا تمہارا پیر زخمی ہو جاتا ہے یا گرم ریت سے تمہارا پاؤں جلتا ہے۔ اس وقت کتنا زیادہ بے چین اور مضطرب ہوتے ہو۔ پس اس وقت کیا حال ہوگا جب تم جہنم کی آگ کے درمیان ہو گے۔ جب تمہارے پہلو میں دہکتا ہوا پتھر ہوگا اور تمہارا ہم نشین شیطان ہوگا۔

اے گروہ بندگان خدا ـــ خدارا خدارا خدا کو یاد کرو صحت کی حالت میں قبل اس کے بیمار ہو۔ آسانیوں اور آسائشوں میں قبل اس کے کہ پریشانیوں میں مبتلا ہو۔ قبل اس کے کہ آزادی کی راہ بند ہو کوشش کرو کہ آتشِ جہنم سے آزاد ہو جاؤ۔ خدا کی راہ میں اپنی آنکھوں کو بیداری کا عادی بناؤ۔ اپنے شکم کو بھوک کی عادت دو۔ (روزہ رکھو)۔ خدا کی راہ میں قدم اٹھاؤ۔ اپنی آمدنی اس کی راہ میں خرچ کرو، اپنے بدن کو روح کی تقویت کیلئے استعمال کرو اور دیکھو اس میں کوتاہی نہ کرو۔ [1]

شفاعت

شفاعت قرآن حکیم اور روایات کے واضح مسائل میں شامل ہے۔

---

[1] نہج البلاغہ فیض الاسلام خطبہ ۱۸۲ ص ۵۹۹ - ۵۹۴۔

شفاعت یعنی کسی کی بخشش کے لئے سفارش کرنا۔

یہ سفارش اور شفاعت وہی کر سکتے ہیں جن کو خدا نے اجازت دی ہوگی اور انہیں چیزوں کی کر سکتے ہیں جن کی خدا نے اجازت دی ہوگی۔ شفاعت کی بنیاد خداوندِ عالم کی عام رحمت اور اس کا وسیع لطف ہے۔ اسی سے مومنین کی امیدیں وابستہ ہیں۔

اگر ایمان لانے والے میں یہ صلاحیت ہوگی کہ وہ بخشش اور عفو کا مستحق قرار پائے اور اس کے درجات بلند ہوں۔ اگر اسے دنیا میں توبہ کا موقع نہ بھی ملا ہو تب بھی خدا اسے شفاعت کی بنا پر بخش دے گا۔

انبیاء علیہم السلام پیغمبر اسلامؐ اور ائمہ علیہم السلام کو خداوندِ عالم نے شفاعت کا حق عطا فرمایا یہ حضرات ان لوگوں کی شفاعت کریں گے جو اسکے مستحق ہوں گے۔

البتہ بعض افراد کی گناہیں اتنی زیادہ سنگین ہوں گی کہ جہنم میں کچھ دن رہے بغیر وہ شفاعت کے مستحق نہ ہونگے۔ اور بعض گناہیں ایسی ہیں جو شفاعت کے استحقاق کو بالکل سلب کر لیتی ہیں۔ روایات میں یہ روایت برابر ملتی ہے کہ۔

ہم اہل بیت کی شفاعت اس کو نصیب نہ ہوگی جو نماز کو سبک سمجھے گا۔ ؎

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اولاً و اخراً۔ وَالسّلام

؎ کافی ج ۳ ص ۲۷۰